فتاوی ناموس انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام

جلد دوم

مرتب

محمد خالد البلوشی الحنفی

فاضل جامع مطلع العلوم کوئٹہ بلوچستان پاکستان

کتاب کا نام: فتاوی ناموس انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام رجلد دوم

مرتب: محمد خالد حنفی

صفحات:

سائز: ۲۰×۲۶

ناشر:

سن اشاعت:

تعداد:

رابطہ

Gmail: khalidhanfi11@gmail.com

03379735574

03185110565

محترم قارئین! اپنی بساط کے مطابق بھرپور توجہ سے پروف ریڈنگ کی گئی ہے کہ غلطی نہ رہے، پھر بھی انسان کمزور ہے اور غلطی کا امکان موجود ہے۔ قارئین مطلع فرمادیں تو آئندہ درستگی ہوسکتی ہے۔ (حنفی)

فہرست مضامین

بقیہ کتاب الانبیاء ''علیہم الصلاۃ والسلام''

معجزہ کا بیان

دعاء میں توسل کا بیان

بقیہ کتاب الانبیاء ''علیہم الصلاۃ والسلام''

حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت کب ہوئی تھی؟

﴿سوال﴾:

حضرت آدم علیہ السلام کی وِلادت کو اب تک کتنے سال گذر چکے ہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

اس سلسلے میں کوئی آیت قرآنی یا حدیث صحیح مروی نہیں ہے، لہٰذا تعیین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت کب ہوئی تھی (۱)۔ فقط واللہ بالصواب

(فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۱۸۵،۱۸۶)



(۱): تاہم مستدرک حاکم کی مندرجہ ذیل روایت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت آدم کی ولادت کو چودھویں صدی ہجری تک کم بیش ۶۲۰۰ سال گزر چکے ہیں، روایت ملاحظہ ہو:

عن ابن عباسؓ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ''کان عمر آدم ألف سنة'' قال ابن عباسؓ: ''وبین آدم ونوح ألف سنة، وبین نوح وابراھیم ألف سنة، وبین ابراھیم وموسی سبع مائة سنة، وبین موسی وعیسی خمس مائة سنة، وبین عیسی ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم ست مائة سنة''. (المستدرك علی الصحیحین، کتاب تواریخ المتقدمین من الأنبیاء والمرسلین، ذکر نبی اللہ وروحه عیسی ابن مریم صلوات اللہ وسلامه علیهما، ج: ۲، ص: ٦٥٤، رقم: ٤١٧٢، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

اس روایت میں حضرت آدم علیہ السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک ۴۸۰۰ سال ہوئے، اس کے ساتھ قبل ہجرت ۵۳ سال اور چودھویں صدی ہجری تک ۱۴۰۰ سال کو شامل کرلیا جائے، تو ۶۲۰۰ سال کچھ زیادہ ہوئے۔

طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت آدم کو زمین پر آئے، چودھویں صدی ہجری تک ۶۸۲۹ سال ہوگئے، اور حضرت آدم کی عمر ۱۰۰۰ سال تھی، جیسا کہ مستدرک حاکم کی روایت بالا میں مذکور

حضرت آدم علیہ السلام نے کس درخت کا دانہ کھایا تھا؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کس درخت کا دانہ نوش فرمایا تھا، جس سے اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر جنت سے نکال دیا تھا، جبکہ قرآن کریم میں صرف شجر ممنوعہ لکھا ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضرت آدم علیہ السلام نے جس درخت کا دانہ نوش فرمایا تھا اس کی کوئی تعیین نہ قرآن کریم نے کی ہے اور نہ ہی کسی صحیح حدیث سے اس کا ثبوت ہے، مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں کسی نے گندم، کسی نے انگور اور کسی نے انجیر وغیرہ وغیرہ کہا ہے اس لئے اس کے بارے میں کوئی قطعی بات کہنا بہت دشوار ہے۔[مستفاد: معارف القرآن، اشرفی بکڈپو

ہے، اس لحاظ سے حضرت آدم کی ولادت ۷۸۷۹ سال گذر گئے، روایت ملاحظہ ہو:

فی الطبقات الکبیر: قال: أخبرنا قبیصة بن عقبة، أخبرنا سفیان بن سعید عن أبیه عن عکرمة قال: کان بین آدم ونوح عشرة قرون، کلهم علی الاسلام، قال: أخبرنا محمد بن عمر بن واقد الأسلمی عن غیر واحد من أهل العلم قالوا: کان بین آدم ونوح عشرة قرون، والقرن مائة سنة. وبین نوح وابراهیم عشرة قرون. والقرن مائة سنة. وبین ابراهیم وموسی بن عمران عشرة قرون. والقرن مائة سنة. قال: أخبرنا هشام بن محمدبن السائب عن أبیه عن أبی صالح عن ابن عباسؓ قال: کان بین موسی بن عمران وعیسی ابن مریم ألف سنة وتسعمائة سنة، ولم تکن بینهما فترة. وأنه أرسل بینهما ألف نبی من بنی اسرائیل سوی من أرسل من غیرهم. وکان بین میلاد عیسی والنبی ــ علیه الصلاة والسلام ــ خمسمائة سنة وتسع وستون سنة. .الخ. (کتاب الطبقات الکبیر، ذکر القرون والسنین التی بین آدم ومحمد علیهما الصلاة والسلام، ج: ۱، ص: ۳۵، ۳۶، ط، مکتبة الخانجی بالقاهرة)

۱/۱۳۴]

ووقع خلاف فی هذا الشجر فقيل الحنطة وقيل النخلة وقيل شجرة الكافور.... قيل التين الخ. (روح المعانی زكريا ۱/ ۳۷۳)

والشجرة هی الحنطة، أو الكرامة أو التينة، أو شجرة من أكل منها أحدث، والأولىٰ أن لاتعين من غير قاطع كما لم تعين فی الآية لعدم توقف ما هو المقصود عليه. (تفسير البيضاوی ۱/ ۷۲ تحت تفسير الآية/ ۳۵، ولاتقربا هذه الشجرة)

واختلف اهل العلم فی تعيين هذه الشجرة فقيل: هی الكرم، وقيل: هی السنبلة، قاله ابن عباس: وله عنه طرق صحيحة وقيل التين، وقيل الحنطة، وقيل اللوز، وقيل النخلة، وقيل هی شجرة القلم، وقيل الكافور، وقيل الأترج وقيل هی شبه البر وتسمى الدعة وهذا مروی عن جماعة من الصحابة فمن بعدهم وقيل ليس فی ظاهر الكلام ما يدل على التبيين اذ لاحاجة اليه لأنه ليس المقصود تعرف عين تلك الشجرة وما لايكون مقصوداً لايجب بيانه. (فتح البيان ۱/ ۱۳۵ تحت تفسير الآية/ ۳۵ ولاتقربا هذه الشجرة البقرة) فقط والله سبحانه وتعالىٰ اعلم۔(فتاوی قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۳۶۸، ۳۶۹، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



حضرت آدم علیہ السلام کا دنیا میں بھیجنا خلافت کے طور پر تھا؟

﴿سـوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں سزا کے طور پر بھیجا گیا تھا یا خلافت کے طور پر؟ آپ کی توبہ زمین پر نازل ہونے سے پہلے تام ہو چکی تھی یا اترنے کے بعد تام ہوئی؟ قرآن واحادیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت آدم علیہ السلام کا دنیا میں تشریف لانا خلافت کے طور پر تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی پیدائش سے پہلے فرمایا کہ "**واذ قال ربک للملٓئکة انی جاعل فی الارض خلیفة**" الایة (البقرة:۳۰)

اور حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ زمین پر اترنے سے پہلے تام ہو چکی تھی زمین پر اترنا رب تعالیٰ کی مشیت کے طور پر تھا جو پہلے سے طے تھا۔

لما فی احکام القرآن للقرطبی (۱/۳۲۱): لم یکن اخراج اللّٰہ تعالیٰ آدم من الجنة واھباطه منھا عقوبة له لانه اھبطه بعد ان تاب علیه وقبل توبته، وانما اھبطه اما تادیباً واما تغلیظا للمحنة والصحیح فی اھباط وسکناہ فی الارض ماقد ظھر من الحکمة الازلیة فی ذلک .....

وفی البحر المحیط (۱/۲۶۴): وامرہ بالھبوط الی الارض بعد ان تاب علیه...

وفی التفسیر المنیر (۱/۱۴۶):... فعاتب اللّٰہ آدم علی مخالفة امرہ والاکل من الشجرة فندم واستغفر اللّٰہ

وتاب فقبل توبته ولکنه امره وحواء بالخروج من الجنة و الاستقرار فی الارض. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۲۸، ۲۲۹)



حضرت آدم علیہ السلام روئے زمین پر کہاں اترے تھے؟

﴿سوال﴾:

حضرت آدم علیہ السلام روئے زمین پر کہاں اترے تھے؟ اور اس بارے میں جو روایات ہیں ان کی کیا حیثیت ہے؟

﴿الجواب﴾:

حضرت آدم علیہ السلام کے روئے زمین پر اترنے سے متعلق دو قسم کی روایات ہیں اکثر میں ہند کا ذکر ہے اور بعض میں سراندیب کا مگر سراندیب والی روایت زیادہ قوی نہیں، لیکن حقیقت میں دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے یعنی ہند والی روایت سراندیب والی روایت کے خلاف نہیں ہے اس لئے کہ اس زمانے میں سراندیب ہند ہی کا حصہ تھا اور سراندیب یعنی سری لنکا کے لوگ قومیت کے اعتبار سے ہندی ہیں۔

مستدرک حاکم میں ہے:

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال: ان اول ما اهبط اللّٰہ آدم الی ارض الهند. قال الحاکمؒ: هذا حدیث صحیح الا سناد ولم یخرجاه، ووافقه الذهبی.

المستدرك للحاکم:۲/۶۷۹/۳۹۹۴،ذکر آدم علیه السلام،دارابن حزم)

وعن یوسف بن مهران عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ

عنهما قال: قال علی بن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنه: اطیب ریح فی الارض الهند اهبط بها آدم فعلق شجرها من ریح الجنة. قال: هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاه. (المستدرك للحاکم: ۳۹۹۵/۶۷۹/۲، ذکر آدم علیه السلام، دار ابن حزم)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عبدالرزاق عن معمرعن قتادة قال: وضع الله البیت مع آدم، اهبط اللّٰه آدم الی الارض، وکان هبطه بارض الهند،... الخ. (مصنف عبدالرزاق: ۹۰۹۶/۹۳/۵، باب بنیان الکعبة، المجلس العمی).

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن عبد الله بن عمر وقال: لما اهبط الله آدم بارض الهند ومعه غرس من غرس الجنة فغرس بها... الخ قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الکبیر وفیه النهاس بن فهم وهو متروک. (مجمع الزوائد: ۲۸۸/۳، باب ماجاء فی الکعبة، دار الفکر)

حلیۃ الاولیاء میں ہے:

عن عطاء عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: نزل آدم بالهند فاستوحش، فنزل جبریل جنادی بالاذان: الله اکبر الله اکبر، اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان محمدا رسول اللّٰه، فقال له: ومن محمد هذا؟ فقال: هذا آخر ولدک من الا نبیاء". غریب من حدیث عمر

وعن عطاء لم نكتبه الا من هذا الوجه. (حيلة الاولياء: ٥/١٠٧، دار الفكر، والفردوس بماثور الخطاب: ٤/٢٧١/٦٧٩٨، وسلسلة الضعيفة: ١/٣٩٦/٤٠٣)

درج کردہ روایتوں میں سے بعض ٹھیک ہے اور بعض پر کلام ہے، تاہم مجموعی طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ ارض ہند میں آدم علیہ السلام کے تشریف لانے کا تذکرہ زیادہ ملتا ہے۔ اور بعض روایتوں میں سرندیب کو ہند کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو"الکامل فی التاریخ"میں ہے:

وقيل: ان الله تعالىٰ اهبط آدم قبل غروب الشمس من اليوم الذى خلقه وهو يوم الجمعة مع حوّاء من السماء، فقال على وابن عباس وقتادة وابو العالية: انه أهبط بالهند على جبل يقال له نود من ارض سرنديب، وحواء بجدة، قال ابن عباس: فجاء فى طلبها فكان كلما وضع قدمه بموضع صار قرية وما بين خطوتيه مفاوز فسارحتى اتىٰ جمعا فازدلفت اليه حواء فلذلك سميت المزدلفة وتعارفا بعرفات فلذلك سميت عرفات واجتمعا بجمع فلذلك سميت جمعا واهبطت الحية بأصفهان، وابليس بميسان وقيل: اهبط آدم بالبرية وابليس بالابلة.

قال ابوجعفر: هذا ما لايوصل الى معرفة صحته الا بخبر يجيى مجيء الحجة ولا نعلم خبرا فى غيرذلك ما ورد فى هبوط آدم بالهند فان ذلك لما لايدفع صحته علماء الا سلام. (الكامل فى التاريخ لابن الاثير: ١/٣٦،٣٧)

البحر المحیط میں ہے:

"لما نزل آدم بسرنديب من الهند ...". (البحر **المحيط**: ١/٣١٥، سورة البقرة)

السراج المنیر میں ہے:

”فھبط آدم بسرندیب بارض الھند علی جبل یقول له: نود ...“. (السراج المنیر: ۱/ ۴۹، بیروت).

روح البیان میں ہے:

”وقع آدم بارض الھند علی جبل سرندیب“. (تفسیرروح البیان: ۱/۸۷).

تاریخ الخمیس میں ہے:

”وعن ثابت البنانی: حضروا لآدم ودفنوه بسرندیب من الھند... وصححه الحافظ عماد الدین. (تاریخ الخمیس: ۱/۶۳، بیروت) واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔(فتاوی دارالعلوم زکریا، ج: ۱، ص: ۱۱۰تا ۱۱۳، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے نبی ہونے کی دلیل

﴿ســـوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی یا رسول تھے یا نہیں؟ قرآن مقدس میں حضرت آدم علیہ السلام کے نبی ہونے کی کوئی دلیل ہو تو تحریر فرمادیجئے اور حدیث صحیح بھی تحریر فرمادیجئے۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضرت آدم علیہ السلام کا نبی ہونا صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل میں صراحت کے ساتھ واضح الفاظ میں موجود ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے پہلے نبی کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبی ذر۔ رضی اللّٰہ عنہ۔ قال: أتیت رسول اللّٰہ ﷺ وھو فی المسجد، فجلست، فقال: یا أباذر! ھل صلیت؟ قلت: لا، قال: قم فصل، قال: فقمت فصلیت، ثم جلست، فقال: یا أباذر! تعوذ باللّٰہ من شر شیاطین الانس والجن، قال: قلت: یارسول اللّٰہ! وللانس شیاطین؟ قال: نعم، قلت: یارسول اللّٰہ! الصلاۃ، قال: خیر موضوع، من شاء أقل ومن شاء أکثر، قال: قلت: یارسول اللّٰہ! فالصوم، قال: فرض مجزئ وعند اللّٰہ مزید، قلت: یارسول اللّٰہ! فالصدقۃ، قال: أضعاف مضاعفۃ، قلت: یارسول اللّٰہ! فأیھا أفضل؟ قال: جھد من مقل أوسر الی فقیر، قلت: یارسول اللّٰہ! أی الأنبیاء کان أول؟ قال: أدم، قلت: یارسول اللّٰہ! أونبی کان یارسول اللّٰہ؟

فقال: نعم، نبی مكلم، قال: قلت: يارسول اللّٰه! كم المرسلون؟ قال: ثلاثة مائة وبضعة عشر جما غفيرا، وقال مرة: خمسة عشر، قال: قلت: يارسول اللّٰه! أيما أنزل عليك أعظم؟ قال: آية الكرسی، " اللّٰه لا اله الاهو الحيی القيوم.

(مسند أحمد ٥/١٧٨، رقم: ٢١٨٧٩، ٢١٨٨٥)

قرآن مقدس کی آیت شریفہ سے بھی حضرت آدم علیہ لسلام کے نبی ہونے کا ارشارہ ملتا ہے، اگر چہ عبارت النص نہیں ہے، لیکن قرآن مقدس کے اشارۃ النص سے آدم علیہ السلام کا نبی ہونا ثابت ہے، آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیے:

ان اللّٰه اصطفى آدم ونوحا وآل ابراهيم وال عمران على العالمين. [سورة آل عمران ٣٣]فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱٦٧، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام دنیا میں کون سی جگہ اترے تھے؟

﴿سوال﴾:

حضرت آدم وحواء علیہما السلام دنیا میں کون سی جگہ اترے تھے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان (سری لنکا) سراندیپ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ''جبل نوذ'' پر اترے تھے اور حضرت حوا 'جدہ' میں اتری تھیں (۲)۔ (طبقات الکبری ج:۱،ص:۳۵)۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۲۱۷)



---

(۲): فی الطبقات الکبیر: قال: أخبرنا هشام بن محمد بن السائب الکلبی عن أبیه عن أبی صالح عن ابن عباسؓ قال: أهبط آدم بالهند و حواء بجدة، فجاء فی طلبها حتی أتی جمعا فازدلفت الیه حواء فلذلک سمیت المزدلفة، و اجتمعا بجمع فلذلک سمیت جمعا. (کتاب الطبقات الکبیر، ذکر حواء، ج: ۱، ص: ۲۳، ط، مکتبة الخانجی بالقاهرة)

حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کہاں اتارے گئے؟

﴿سوال﴾:

سری لنکا یا ہندوستان ان دونوں ملکوں میں سے حضرت آدم علیہ السلام کہاں اتارے گئے؟ کیا آدم اور حوا دونوں ایک ہی مقام پر اتارے گئے یا الگ الگ مقام پر؟

﴿جواب﴾:

قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام وحوا کے اتارے جانے کا تو ذکر ہے (۳) لیکن کہاں اتارے گئے؟ اس کی صراحت نہیں، کسی صحیح حدیث میں بھی میرے علم کے مطابق اس کا ذکر نہیں، البتہ تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں تذکرہ آیا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں جزیرۂ سرندیپ میں ایک پہاڑ پر اتارے گئے، اور حضرت حوا جدہ میں اتاری گئیں:

" فاهبط آدم بسرنديب في الهند بجبل يقال له نوذ واهبطت حوا بجدة" (۴).

بعض لوگوں کا خیال ہے اسی وجہ سے حجاز کا یہ ساحل شہر جدہ سے موسوم ہوا کہ جدہ کے معنی ہی دادی کے ہیں، گویا یہ دادی حوا کی جائے نزول ہے۔

یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے، لیکن آپ کو خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ ہمیشہ ایسے سوالات کرنے کی کوشش کریں جن سے عملی زندگی میں آپ کو فائدہ پہنچ سکتا ہو، محض خیالی

---

(۳): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فازلهما الشيطان عنها فأخرجهما مما كانا فيه وقلنا اهبطوا بعضكم لبعض عدو ولكم في الارض مستقر ومتاع الى حين. (سورة البقرة: ٣٦)

(۴): (الجامع لأحكام القرآن، سورة البقرة، الآية: ٣٦، ج: ١، ص: ٤٧٥، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

سوالات سے کوئی فائدہ نہیں، وباللہ التوفیق۔ (کتاب الفتاوی، ج:١،ص:٥٣٩، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا نکاح

﴿سوال﴾:

نکاح حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے تو سوال یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا نکاح کس نے پڑھایا؟

﴿جواب﴾:

سوالات ایسے کرنے چاہئیں جن سے آدمی کا کوئی عمل اور دینی نفع متعلق ہو، سوال کا مقصد عمل اور اصلاح ہے نہ کہ محض ذہنی تفریح، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء کو حضرت آدم کی رفیق حیات کی پشت ہی سے پیدا کیا(٥)، تو پھر الگ سے نکاح کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اصل تو امر خداوندی ہے، عام لوگ جو ایجاب وقبول کے ذریعہ نکاح کرتے ہیں، اس

---

(٥): حدثني موسى بن هارون، قال: ثنا عمرو بن حماد، قال: ثنا أسباط، عن السدي، قال: اسكن آدم الجنة، فكان يمشي فيها وحشا ليس له زوج يسكن اليها، فنام نومة فاستيقظ، واذا استيقظ، واذا عند رأسه امرأة قاعدة، خلقها الله من ضلعه، فسألها: ما أنت؟ قالت: امرأة. قال: ولم خلقت؟ قالت: لتسكن الي. (تفسير الطبرى، سورة النساء، الآية: ١، ج: ٦، ص: ٣٤١، ط، مركز البحوث الدراسات العربية والاسلامية)

(وكذا في الجامع لاحكام القرآن، سورة النساء، الآية: ١، ج: ٦، ص: ٦، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(وكذا في الكتاب الطبقات الكبير، ذكر حواء، ج: ١، ص: ٢٣، ط، مكتبة الخانجي بالقاهرة)

کا مقصد بھی حکم خداوندی ہی کی تعمیل ہے۔ (کتاب الفتاوی، ج:۱،ص: ۵۴۰، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



حضرت آدم وحوا علیہما السلام سے توالد وتناسل کے جاری ہونے والے سلسلہ کی حقیقت

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت آدمؑ کے بارے میں سنا ہے کہ ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوا پیدا ہوئیں اور پھر حضرت حوا سے ایک بچہ صبح اور ایک بچہ شام پیدا ہوا کرتا تھا، جن میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوا کرتی تھی۔ اور دونوں کی آپس میں شادی ہوجایا کرتی تھی، اس طرح سے نسل انسانی چلی۔ کیا یہ بات درست ہے؟ اگر غلط ہے تو پھر صحیح کیا ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کیا گیا اور پھر ان دونوں سے نسل انسانی کے توالد وتناسل کا سلسلہ جاری ہوگیا، ارشاد خداوندی ہے:

وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا كثيرا ونساء. (سورۃ النساء، آیت: ۱، مستفاد: معارف القرآن، مکتبہ اشرفی دیوبند /۲۷۹)

وهي قد خلقت من ضلع آدم عليه السلام الأيسر.

(روح المعانی، سورۃ النساء، مکتبہ زکریا ۳/۲۸۵)

واستوصوا بالنساء خيرا، فانهن خلقن من ضلع. الخ الحديث (بخاری، کتاب النکاح، باب الوصاية بالنساء، النسخة الهندية ۲/ ۷۷۹، رقم: ٤٩٩١، ف: ٥١٨٦)

ان حواء خلقت من ضلع آدم الأقصر الأيسر وهو نائم. (فتح الباری، کتاب النکاح، باب الوصاة النساء، مکتبه دار الريان للتراث بيروت ۹/ ١٦٢، دارالفکر ۹/ ۲٥٣، اشرفیه دیوبند ۹/ ۳١٥، تحت رقم الحديث: ٥١٨٦)

اور سوال نامہ میں حضرت حوا کے پیٹ سے ایک صبح اور ایک شام بچہ ہونے کا ذکر غلط ہے، نیز ایک بطن سے جو بچے پیدا ہوتے تھے، انہیں میں آپس میں شادی ہونے کی بات بھی غلط ہے، بلکہ صحیح صورت حال یہ تھی کہ حضرت حوا کے پیٹ میں ایک ساتھ دو دو بچوں کا استقرار ہوتا تھا، ایک لڑکی ایک لڑکا اور ان دونوں کی پیدائش انسانی طبیعت کے مطابق مدت حمل میں ہوا کرتی تھی، اور ایک حمل سے جو بچے پیدا ہوا کرتے تھے، ان کو حقیقی بھائی بہن قرار دیا جاتا تھا، لہٰذا ان دونوں میں نکاح جائز نہیں تھا، پس ان دونوں کی شادی دوسرے بطن سے ہونے والے بچوں سے ہوتی تھی، پہلے بطن کا لڑکا دوسرے بطن کی لڑکی اور دوسرے بطن کا لڑکا پہلے بطن کی لڑکی ان میں آپس میں شادی ہوا کرتی تھی۔ (مستفاد: معارف القرآن، سورۃ المائدۃ: ۳۱، مکتبہ اشرفی دیوبند ۳/ ۱۱۲)

أنه كان لايولد لآدم عليه السلام مولود الا ولد معه جارية، فكان تزوج غلام هذا البطن جارية هذا البطن الآخر، وتزوج جارية هذا البطن غلام هذا البطن الآخر، جعل افتراق البطون بمنزلة افتراق النسب الضرورة. (روح المعانی، سورة المائدة: ۲۷، مکتبه زکریا ٤/ جز: ٦/ ١٦٣، ٦/ ١١١، مختصر تفسیر ابن کثیر ۱/ ٥٠٦، تفسیری قرطبی، سورة المائدة: ۲۷،

مکتبہ دارالکتب العلمیة ٦/٨٨، تفسیر خازن، سورة المائدة، ذكر قصة القربان وسببه، مكتبه دارالمعرفة بيروت ١/٤٥٤، صفوة التفاسير ١/ ٣٣٨) فقط واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم۔
(فتاوی قاسمیه، ج: ٢، ص: ١٦٥ تا ١٦٧، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند)



حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو ڈاڑھی تھی یا نہیں؟

﴿سوال﴾:

ایک جماعت آسٹریلیا گئی تھی، وہاں دو تین مسجد میں امام کی داڑھی نظر نہ آئی، تو جماعت کے امیر صاحب نے امام صاحب سے پوچھا کہ تمہیں کیا عذر ہے کہ تم داڑھی نہیں رکھتے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی داڑھی نہیں تھی، اس لیے میں داڑھی نہیں رکھتا، اگر چہ یہ جواب لغو ہے، کیوں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت ان کے زمانے تک قابل عمل تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی پر اسلامی شریعت پر عمل کرنا لازم ہے، لیکن اس بارے میں پوچھنا یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی داڑھی تھی یا نہیں؟ ایک جگہ پڑھا گیا کہ چار چیزیں انبیاء کی سنت رہی ہے: (۱) داڑھی (۲) مسواک (۳) خوشبو (۴) نکاح۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش جنت میں ہوئی تھی، وہ جنتی آدمی تھے، اس بناء پر انہیں داڑھی آئی (اُگی) ہی نہ تھی، جن انبیاء ورسل کو داڑھی اُگی تھی، ان کا طریق داڑھی رکھنے کا تھا۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۲، ص: ۲۲) (فتاوی فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۲۱۱، ۲۱۲)



حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا نکاح اور حضور ﷺ کے بال مبارک

﴿سوال﴾:

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح کس نے پڑھایا اور حضرت حوا علیہا السلام کا مہر کتنا تھا؟

(۲) نبی کریم ﷺ نے بال منڈوائے ہیں یا رکھے ہیں۔ اور بال رکھنے کے کتنے طریقے ہیں؟

﴿الجواب﴾:

(۱) مفسرین نے ان امور کے متعلق کچھ لکھا ہے جو کہ اسرائیلیات اور غرائب پر مبنی ہیں معتمد فتاویٰ میں ان کے متعلق تذکرہ نہیں ہے۔

(۲) پیغمبر ﷺ نے تین قسم کے بال رکھے ہیں وفرہ، جمہ، لمہ۔ اور شمائل وغیرہ کے روایات سے **الی نصف الاذنین** بھی ثابت ہے(۶)۔ ممکن ہے۔ کہ اس سے

---

(۶):**قال أهل اللغة: الجمة أكثر من الوفرة، فالجمة الشعر الذى نزل الى المنكبين. والوفرة: ما نزل الى شحمة الأذنين. واللمة التى لمت بالمنكبين. قال القاضى: والجمع بين هذه الروايات أن مايلى الأذن هو الذى يبلغ شحمة أذنيه وهو الذى بين أذنيه وعاتقه، وما خلفه هو الذى يضرب منكبيه، وقال: وقيل بل ذٰلك لاختلاف الأوقات، فاذا غفل عن تقصيرها بلغت المنكب، واذا قصرها كانت الى انصاف الأذنين، فكان يقصر ويطول بحسب ذٰلك.** [شرح النووى على صحيح مسلم ۲/۲۵۸]

عن عائشة رضى اللّٰه عنها قالت: كنت أغتسل أنا و رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم من اناء واحد، وكان له شعر فوق الجمة ودون الوفرة. [الشمائل المحمديه / باب ماجاء فى شعر رسول اللّٰه ﷺ ص: ۱۸ رقم: ۲۵ المكتبة الاسلامية داكا بنغلاديش، ص: ۳ النسخة الهندية]

وفرہ مراد ہو یعنی تسریح سے قبل بادی النظر میں **الی نصف الاذنین** نظر آتے ہوں۔اور کنگھی کے استعمال کے بعد وفـــــرہ یعنی کانوں کے نرمی تک ہوں۔اور حج کے موقع پر پیغمبر ﷺ نے سر منڈوایا ہے۔لہٰذا احرام سے نکلنے کے وقت منڈوانا بہتر ہوگا(۷)۔اور باقی اوقات میں رکھنا بہتر ہوگا۔**وهــو مـــا اختـــار الـــقـــاری الـحـــافـظ. وهو الموفق.** (فتاوی فریدیہ،ج:۱،ص:۴۸۴)



عـن البراء رضی الله عنه قال: ما رأيت من ذی لـمة أحسن فی حلة حمراء من رسـول الـلّـه ﷺ. زاد مـحـمد بن سليمان: له شعر يضرب منكبيه. [سنن أبی داؤد، كتـاب الـتـرجـل/ باب ما جاء فی الشعر ۲/ ۵۷۶ رقم: ۴۱۸۳ دار الفكر بيروت، صحيح مسـم، كتـاب الـفـضـائـل/ بـاب فـی صفة النبی ﷺ وأنه كان أحسن الناس وجهاً رقم: ۲۳۳۷ بيـت الأفـكـــار الـدولية، سـنـن التـرمـذی ۲/ ۳۰۲ رقـم: ۱۷۲۴دار الـفـكـر بيروت](كتاب النوازل، ج: ۱۵، ص: ۴۹۹، ۵۰۰)

عـن أنـس رضـی الـلّـه عـنه أن شعر رسول الله صلی الله عليه وسلم كان الی أنصاف أذنيه. (شـمائل الترمذی معه خصائل نبوی، باب ماجاء فی شعر رسول الله ﷺ، ص: ۴۶، ط، مكتبة البشریٰ كراتشی)

(۷):عـن ابـن اعـمـرؓ: أن رسـول الله ﷺ حلق رأسه فی حجة الوداع وأناس من أصحابه، وقصر بعضهم. متفق عليه

وعـن ابـن عـمـرؓ: أن رسـول الـلّــه ﷺ قـال فـی حجة الوداع: اللّٰهم ارحم الـمـحـلقين. قالوا: والمقصرين يا رسول الله؟ قال: اللّٰهم ارحم المحلقين. (مشكاة الـمـصـابيـح، كتـاب المناسك، باب الحلق، الفصل الأول، ص: ۲۳۲، ط، قديمی كتب خانه كراچی)

حضرت آدم علیہ السلام کو سات ہزار سال کا زمانہ گزرا

﴿سوال﴾:

پچھلے دنوں اخبار میں ایک انسانی کھوپڑی کی تصویر چھپی تھی اور لکھا تھا کہ یہ کھوپڑی تقریباً سولہ لاکھ سال پرانی ہے، یہ پڑھ کر تعجب ہوا، کیونکہ سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام تھے، ان کو زیادہ سے زیادہ اس زمین پر آئے دس ہزار سال گزرے ہوں گے، اس سے پہلے انسان کا اس زمین پر وجود نہ تھا، سائنس دانوں کا اس کھوپڑی کے بارے میں یہ خیال کہ یہ سولہ لاکھ سال پرانی ہے، کہاں تک درست ہے؟ نیز یہ بھی فرمائیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس زمین پر آئے ہوئے اندازاً کتنے سال ہو گئے ہیں؟

﴿جواب﴾:

مؤرّخین کے اندازے کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو سات ہزار سال کے قریب زمانہ گزرا ہے (۸)، سائنس دانوں کے یہ دعوے کہ اتنے لاکھ سال پرانی کھوپڑی ملی

---

(۸): تاہم مستدرک حاکم کی مندرجہ ذیل روایت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت آدم کی ولادت کو چودھویں صدی ہجری تک کم بیش ۶۲۰۰ سال گزر چکے ہیں، روایت ملاحظہ ہو:

عن ابن عباسؓ، عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "کان عمر آدم ألف سنة" قال ابن عباسؓ: "وبین آدم ونوح ألف سنة، وبین نوح وابراهیم ألف سنة، وبین ابراهیم وموسی سبع مائة سنة، وبین موسی وعیسی خمس مائة سنة، وبین عیسی ومحمد صلی اللہ علیه وسلم ست مائة سنة". (المستدرك علی الصحیحین، کتاب تواریخ المتقدمین من الأنبیاء والمرسلین، ذکر نبی اللہ وروحه عیسی ابن مریم صلوات اللہ وسلامه علیهما، ج: ۲، ص: ٦٥٤، رقم: ٤١٧٢، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

اس روایت میں حضرت آدم علیہ السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک ۴۸۰۰ سال ہوئے، اس کے ساتھ قبل ہجرت ۵۳ سال اور چودھویں صدی ہجری تک ۱۴۰۰ سال کو شامل کرلیا جائے، تو ۶۲۰۰ سال کچھ زیادہ ہوئے۔

ہے، محض اٹکل پچو ہیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱،ص:۱۵۴، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت آدم کو زمین پر آئے، چودھویں صدی ہجری تک ۶۸۶۹ سال ہوگئے، اور حضرت آدم کی عمر ۱۰۰۰ سال تھی، جیسا کہ مستدرک حاکم کی روایت بالا میں مذکور ہے، اس لحاظ سے حضرت آدم کی ولادت ۷۸۷۹ سال گذر گئے، روایت ملاحظہ ہو:

فی الطبقات الکبیر: قال: أخبرنا قبیصة بن عقبة، أخبرنا سفیان بن سعید عن أبیه عن عکرمة قال: کان بین آدم ونوح عشرة قرون، کلهم علی الاسلام، قال: أخبرنا محمد بن عمر بن واقد الأسلمی عن غیر واحد من أهل العلم قالوا: کان بین آدم ونوح عشرة قرون، والقرن مائة سنة. وبین نوح وابراهیم عشرة قرون. والقرن مائة سنة. وبین ابراهیم وموسی بن عمران عشرة قرون. والقرن مائة سنة. قال: أخبرنا هشام بن محمد بن السائب عن أبیه عن أبی صالح عن ابن عباسؓ قال: کان بین موسی بن عمران وعیسی ابن مریم ألف سنة وتسعمائة سنة، ولم تکن بینهما فترة. وأنه أرسل بینهما ألف نبی من بنی اسرائیل سوی من أرسل من غیرهم. وکان بین میلاد عیسی والنبی علیه الصلاة والسلام خمسمائة سنة وتسع وستون سنة..الخ. (کتاب الطبقات الکبیر، ذکر القرون والسنین التی بین آدم ومحمدعلیهماالصلاة والسلام، ج:۱،ص:۳۵، ۳۶، ط، مکتبة الخانجی بالقاهرة)

حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو فرشتوں کا سجدہ کرنا

﴿سـوال﴾:

حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے کون سا سجدہ کیا تھا؟

﴿جواب﴾:

اس میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ سجدہ آدم علیہ السلام کو بطور تعظیم تھا۔

دوم:... یہ کہ سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا اور آدم علیہ السلام کی حیثیت ان کے لئے ایسی تھی جیسی ہمارے لئے قبلہ شریف کی (۹)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱، ص:۱۵۵، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۹):قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: واذ قلنا للملٰئکة اسجدوا لاٰدم فسجدوا الا ابلیس ابٰی واستکبر وکان من الکافرین. (سورة البقرة: ۳۴)

وفی التفسیر المأمون: وأما مفهومه هذا السجود ففیه أقوال:

الأول: کانت الطاعة للّٰه، والسجدة لآدم، أکرم اللّٰه آدم أن أسجد له ملائکته.

الثانی: کان هذا سجود تحیة وسلام واکرام، کما قال تعالی: ﴿ورفع ابویه علی العرش وخبروا له سجدا وقال یابت هذا تأویل رءیٰی من قبل قد جعلها ربی حقا﴾ [یوسف: ۱۰۰]

الثالث: وقال بعضهم: بل کانت السجدة للّٰه وآدم قبلة فیها، کما قال تعالی: ﴿أقم الصلاة لدلوک الشمس....﴾ [الاسراء: ۷۸]. (التفسیر المأمون علی منهج التنزیل والصحیح المسنون، سورة البقرة، الآیة: ۳٤، ج: ۱، ص: ۱۹۸)

جب جنت میں شیطان نہیں جا سکتا تو اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکا کیسے دیا؟

﴿سوال﴾:

جنت کے اندر تو شیطان نہیں جا سکتا، حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکا پھر کیسے دیا؟ اور دھوکا صرف آدم علیہ السلام کو دیا یا آدم وحوا علیہما السلام دونوں کو دیا؟ اور پہلے کس کو دیا؟

﴿جواب﴾:

قرآن کریم میں صراحت ہے کہ شیطان نے وسوسہ ڈالا (۱۰)، اور اس کام کے لئے جنت میں جانا کیا ضروری تھا؟ فقط واللہ اعلم (فتاوی عثمانی، ج:۱، ص:۷۱، ط، مکتبہ معارف القرآن کراچی)



شیطان نے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو کس طرح بہکایا؟

﴿سوال﴾:

حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو بہکانے کے لئے شیطان جنت میں کیسے داخل ہوا، جبکہ شیطان کا داخلہ جنت میں ناممکن ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

اس میں ایک قول یہ ہے کہ شیطان کے لئے جنت سے نکل جانے کا فیصلہ تو ہو چکا تھا، مگر اس کا نفاذ نہیں ہوا تھا اس لئے اس کو موقع مل گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے وسوسہ ڈالا، اس کے لئے وہاں موجود ہونا ضروری نہیں تھا، دور سے بھی وسوسہ ڈال سکتا ہے (۱۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ، ج:۱، ص:۴۲۳)

(۱۰/۱۱): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فوسوس لھما الشیطان.. الخ. (سورۃ

کیا انسان آدمؑ کی غلطی کی پیداوار ہے؟

﴿سوال﴾:

آدم علیہ السلام کو غلطی کی سزا کے طور پر جنت سے نکالا گیا اور انسانیت کی ابتدا ہوئی، تو کیا اس دنیا کو غلطی کی پیداوار سمجھا جائے گا؟ پھر آدم کی اس غلطی کو مصلحت خداوندی سمجھا جائے؟ اگر آدمؑ کی اس غلطی میں مصلحت خداوندی تھی تو کیا انسان کے اعمال میں بھی مصلحت خداوندی شامل ہوتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر اعمال وافعال کی سزا کا ذمہ دار کیوں؟

﴿جواب﴾:

حضرت آدم علیہ السلام سے جو خطا ہوئی تھی وہ معاف کردی گئی (۱۲)، دنیا میں بھیجا جانا بطور سزا کے نہیں تھا، بلکہ خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے تھا (۱۳)۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱،ص:۱۵۵، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



الاعراف: ۲۰)

(۱۲): قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: وعصٰی اٰدم ربہ فغویٰ. ثم اجتبٰہ ربہ فتاب علیہ وھدیٰ. (سورۃ طٰہٰ: ۱۲۱، ۱۲۲)

(۱۳): قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الأرض خلیفۃ..الخ. (سورۃ البقرۃ: ۳۰)

کیا حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ حضور ﷺ کے واسطہ سے قبول ہوئی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر خطباء وغیرہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ حضور اکرم ﷺ کے واسطے سے قبول ہوئی۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

کتب تفسیر میں اصحاب تفسیر نے اس روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا حضور اکرم ﷺ کے واسطے سے قبول ہوئی (۱۴)۔

---

(۱۴): فی منهج الحياة الايمانية: عن عمر رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: لما أذنب آدم الذنب الذی أذنبه، رفع رأسه الی السماء، فقال: أسألک بحق محمد ﷺ، الا غفرت لی، فأوحى الله اليه: من محمد؟ فقال: تبارک اسمک، لما خلقتنی رفعت رأسی الی عرشک، فاذا فيه مكتوب: لا اله الا الله محمد رسول الله، فعلمت أنه ليس أحد أعظم عندک قدراً ممن جعلت اسمه مع اسمک، فأوحى الله اليه: يا آدم انه آخر نبی من ذريتک، ولولا هو ما خلقتک.

قال الشيخ: أخرجه الطبرانی فی الصغير، والحاكم، وأبو نعيم، والبيهقی، كلاهما فی الدلائل، وابن عساكر كذا فی الدر.

وفی مجمع الزوائد: رواه الطبرانی فی الأوسط، والصغير، وفيه من لم أعرفهم.

وفی حاشية منهج: أخرجه الحاكم فی المستدرک ۲/ ٦٧٢ برقم: ۴۲۲۸/ ۲۳۸ وقال: هذا حديث صحيح الاسناد، وهو أول حديث ذكرته

لـمـا فی روح المعانی (۱/۲۳۷): فتلقی آدم من ربه كـلـمـات..... وعـن ابـن مسـعـودؓ انهـا: سبحـانک اللّٰهم وبـحـمـدک وتبـارک اسـمـک... وقيل: رأی مكتوبا علی ساق العرش محمد رسول اللّٰه فتشفع به.

وفـی روح البيان (۱/۱۱۳): وعن النبیﷺ ان آدم قـال بـحـق مـحـمد ان تغفرلی قال وكيف عرفت محمدا قال لما خلقتنی ونفخت فی الروح فتحت عينی فرأيت علی ساق الـعرش لااله الااللّٰه محمد رسول اللّٰه انه اكرم الخلق عليک حتـی قرنت اسمه باسمک فقال نعم وغفرله بشفاعته. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۲۸)



لـعبدالـرحـمٰن بن زيد بن أسلم فی هذا الكتاب، وتعقبه الذهبی فقال: بل موضوع، وعبـدالـرحـمٰن واه، قال الحاكم: وهو أول حديث ذكرته له فی هذا الكتاب، قلت: رواه عبـداللّٰـه بن مسلم الفهری، ولاأدری من ذا؟ عن اسماعيل بن سلمة عنه يعنی: عن عبدالرحمٰن بن زيد انتهٰی.

وأخرجه الطبرانی فی الأوسط برقم: ۶۵۰۲ وابن عساكر ج/۷ ص: ۳۰۹ فـی تـرجـمة آدم. وعـرف فيـه عبداللّٰه بن مسلم الفهری بأنه من رهط أبی عبيدة بن الـجـراح، ونـقـل ابن عساكر عن البيهقی قوله: تفرد به عبدالرحمٰن بن زيد بن أسلم من هذا الوجه وهو ضعيف. واللّٰه أعلم. (منهج الحياة الايمانية والتربية الدينية فی ضوء الكتاب والسنة، ص: ۴۱۶، ۴۱۷، ط، المكتبة اليحيوية سهانفور الهند)

حضرت آدمؑ کی توبہ کہاں کتنی مدت کے بعد قبول ہوئی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ آسمان پر قبول ہوئی یا زمین پر آنے کے بعد، اور کتنی دیر تک گریہ وزاری کرنے کے بعد توبہ قبول ہوئی؟ تفصیل سے جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿الجواب وباللّٰہ التوفیق﴾:

تاریخ الأمم والملوک کے اندر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ زمین پر قبول ہوئی اور دوسال گریہ وزاری کرنے کے بعد قبول ہوئی ہے۔

عن ابن عباسؓ قال: نزل آدم معه حين أهبط من الجنة الحجر الأسود [الى قوله] وبكى آدم وحواء على ما فاتهما يعني من نعيم الجنة مأتي سنة ولم يأكلا ولم يشربا أربعين يوماً ثم أكلا وشربا وهما يومئذ على بوز الجبل الذي أهبط عليه آدم ولم يقرب حواء مأة سنة الخ. (تاريخ الأمم والملوك للطبرى ١/ ٦٦)

وقلنا اهبطوا أى أنزلوا الى الارض يعني آدم وحواء وابليس والحية فهبط آدم بسرنديپ من أرض الهند۔ الیٰ۔ فتلقى آدم من ربه كلمات أى كانت سبب توبته. (تفسير الخازن ١/ ٣٩ تحت الآية البقرة ٣٦، ٣٨)

وقال الأوزاعي: عن حسان هو بن عطية مكث آدم فى الجنة مأة عام وفى رواية ستين عاماً وبكىٰ على الجنة سبعين عاما وعلى خطيئة سبعين عاما وعلى ولده حين قتل

أربعين عاماً رواه ابن عساكر. (البداية والنهاية دار الفكر ١/ ٨٠)

عن ابن عباسؓ أن آدم عليه السلام طلب التوبة ما أتى سنة حتى آتاه الله الكلمات. (الدرالمنثور ١/ ١٨٨، دار الكتب العلمية) فقط والله سبحانه وتعالیٰ اعلم (فتاوی قاسمیہ، ج: ٢، ص: ٣٦٩، ٣٧٠، ط، مكتبہ اشرفيہ ديوبند)



حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کوکس کے وسیلہ سے معافی ملی تھی؟

﴿ســـوال﴾:

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر تشریف لائے توان کوکس کے وسیلہ سے معافی ملی؟

﴿الجواب باسم الملك الوهاب﴾:

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کومندرجہ ذیل کلمات پڑھنے کی وجہ سے معافی ملی تھی۔

والمروی فی المشهور عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما ان هذه الكلمات هی ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا الآية. (روح المعانی، ١/ ٢٣٧)

جب کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مندرجہ ذیل کلمات پڑھنے کی وجہ سے معافی ملی تھی۔

وعن ابن مسعود رضی اللّٰه تعالیٰ عنه انها سبحانك

اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک لا الہ الا انت ظلمت نفسی فاغفرلی فانہ لایغفر الذنوب الا انت.

(روح المعانی ۱/ ۲۳۷)

اس کے بارے میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک قول یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش کے پایہ پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے الفاظ دیکھے تو ان کے ذریعہ سے دعا مانگی اور اسی وجہ سے ان کو معافی ملی۔

وقیل رأی مکتوبا علی ساق العرش محمد رسول اللّٰہ فتشفع بہ. (روح المعانی ۱/ ۲۳۷) واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔(ارشاد المفتین، ج: ۱، ص: ۵۴۰، ط، مکتبۃ الحسن لاھور)



حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی جنت کی تحقیق

﴿سوال﴾:

زمین پر اترنے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کونسی جنت میں تھے؟ جنت ارضی یا سماوی کونسا قول صحیح ہے اور حافظ ابن قیم کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے؟

﴿الجواب﴾:

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے معارف القرآن (ا/ ۱۲۸، ۲۸۹، مکتبہ المعارف) پر تحریر فرمایا ہے:

حضرت آدم علیہ السلام اور حواء کو جس جنت میں رہنے کا حکم ہوا تھا اس سے وہی جنت جنت الخلد مراد ہے جسکا قیامت کے بعد متقین سے وعدہ ہے جیسا کہ قرآن کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے پیشتر آیت: ﴿وَبَشِّرِ

الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ﴾ میں اسی جنت الخلد کا ذکر ہو چکا ہے اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور حواء کو ﴿یَا آدَمُ اسْکُنْ أَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ﴾ کا حکم ہوا اور "الجنة" کو معرف باللام ذکر فرمایا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر "الجنة" سے معہود اور معروف جنت مراد ہے جس کا سابق میں ذکر ہو چکا ہے، پھر اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے ہبوط کا ذکر فرمایا اور ہبوط کے معنی اوپر سے نیچے اترنے کے ہیں بعد ازاں یہ فرمایا ﴿وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ﴾ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ابتداء میں جس جگہ رہنے کا حکم دیا گیا تھا وہ زمین کے علاوہ کوئی اور جگہ تھی ورنہ اگر پہلے ہی سے زمین پر تھے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ تم زمین پر اترو اور وہاں جا کر ٹھہرو۔

صحیح مسلم حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ اول حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور یہ عرض کریں گے:

"یا أبانا استفتح لنا الجنة فیقول: وهل أخرجکم من الجنة الا خطیئة أبیکم". (رواه مسلم: ١/١١٢، باب اثبات الشفاعة، فیصل)

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اسی جنت سے نکالے گئے تھے کہ جس جنت کا دروازہ مومنین کھلوانا چاہتے ہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"احتج آدم وموسیٰ عند ربهما فحج آدم موسیٰ قال موسیٰ: أنت آدم الذی خلقک اللّٰه بیده ونفخ فیک من روحه وأسجد لک ملائکته وأسکنک فی جنته ثم أهبطت

الناس بخطیئتک الی الأرض ... " الخ. (رواہ مسلم: ۲/۳۳۵، باب حجاج آدم وموسی علیہما السلام، ط: فیصل، والبخاری: ۱/۴۸۴، باب وفاۃ موسیٰ علیہ السلام، ط: فیصل)

یہ حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے کہ ﴿**یَا آدَمُ اسْکُنْ أَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ**﴾ میں "**الجنۃ**" سے وہی جنت مراد ہے جو آسمان پر ہے، حاشا جنت سے زمین کا کوئی باغ مراد نہیں ہے جیسا کہ بعض کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ آدم کو جس جنت میں رہنے کا حکم دیا گیا تھا وہ دنیا کے باغوں میں سے کوئی گھنا اور گنجان باغ تھا یہ بالکل غلط ہے پس جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آیت میں جنت سے کوئی دنیاوی باغ مراد ہے جہاں حضرت آدم علیہ السلام وحواء آرام سے رہتے تھے اس باغ میں شیطان نے جا کر حضرت آدم علیہ السلام وحواء کو دھوکا دیا یہ قول بالکل غلط ہے اور ذرہ برابر قابل التفات نہیں رہا، انتہی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّۃِ فَتَشْقٰی، اِنَّ لَکَ أَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی، وَأَنَّکَ لَاتَظْمَؤُا فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی﴾ (سورۃ طہ:۱۱۶)

ترجمہ: سو نکلوا نہ دے تم کو بہشت سے پھر تم پڑ جاؤ تکلیف میں تجھ کو یہ ملا ہے کہ نہ بھوکا ہو تو اس میں اور نہ ننگا اور یہ کہ نہ پیاس جھیلے تو اس میں اور نہ دھوپ۔

اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کی جنت کی جو صفات بیان کی گئیں وہ صرف جنت سماوی کی صفات ہوسکتی ہیں نہ کہ جنت ارضی کی اور اس آیت میں آدم علیہ السلام کی جنت کا ذکر ہو رہا ہے۔

"**حادی الأرواح الی بلاد الأفراح**" (ص ۶۴۔ ۶۵) پر حافظ ابن قیم نے "ان لوگوں کے دلائل ذکر کرتے ہوئے جو جنت سماوی کے قائل ہیں" فرمایا:

قالوا: ومما یدل علی أن جنۃ آدم ھی جنۃ المأوی ما

روی هوذة بن خليفة عن عوف عن قسامة بن زهير عن أبی موسیٰ الأشعریؓ قال: ''ان اللّٰه تعالیٰ لما أخرج آدم من الجنة زوده من ثمار الجنة وعلمه صنعة كل شیء فثماركم هذه من ثمار الجنة غير أن هذه تتغير وتلك لا تتغير''.

قالوا: وقد ضمن اللّٰه سبحانه وتعالیٰ له أن تاب اليه وأناب أن يعيده اليها كما روی المنهال عن سعيد بن جبير عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه فی قوله تعالیٰ: ﴿فتلقیٰ آدم من ربه كلمات فتاب عليه﴾ قال:.... (يا رب ألم تسكنی جنتک؟ قال: بلی، قال: أی رب ألم تسبق رحمتک غضبک قال: بلی، قال: أرأيت ان تبت وأصلحت أراجعی أنت الی الجنة؟ قال: بلی، قال: فهو قوله تعالیٰ: ﴿فتلقیٰ آدم من ربه كلمٰت فتاب عليه﴾ وله طرق عن ابن عباس وفی بعضها: '' كان آدم قال لربه اذ عصاه: رب ان أنا تبت وأصلحت فقال له ربه: انی راجعک الی الجنة''.

درج کردہ عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اترنے سے پہلے جنت سماوی میں تھے نہ کہ جنت ارضی میں، یہی جمہور کا قول ہے۔

البتہ حافظ ابن قیمؒ اس مسئلہ میں جنت ارضی والے قول کی طرف مائل ہے کیوں کہ ''حادی الأرواح الی بلاد الأفراح'' میں لکھا ہے:

وقال آخرون: هی جنة غيرها جعلها اللّٰه له وأسكنه اياها ليست جنة الخلد، وهذا قول تكثر الدلائل الشاهدة له والموجبة للقول به...الخ. (حادی الارواح الی بلاد الافراح، ص:٥٧، الباب الثانی، ط: دارلفكر) واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

(فتاوی دارالعلوم زکریا، ج: ۱، ص: ۱۱۳، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام جنت سے کیوں نکالے گئے تھے؟

﴿سوال﴾:

(الف) آدم علیہ السلام کس درخت کا پھل کھانے کی وجہ سے جنت سے نکالے گئے؟

(ب) یہ کہنا کس حد تک درست ہے کہ آدم علیہ السلام کو عورت کے پاس جانے سے منع کیا گیا، انہوں نے اس حکم کے خلاف کیا اس بناء پر دنیا میں بھیجے گئے؟

(ج) مفسرین کے اس خیال سے کہ آدم علیہ السلام نے گندم کھایا اور اس بناء پر دنیا میں بھیجے گئے، یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ آدم علیہ السلام عورت کے پاس گئے کیوں کہ گیہوں کی شکل عورت کی فرج سے مشابہت رکھتی ہے، کہاں تک درست ہے؟

(د) اگر آدم علیہ السلام کو عورت کے پاس جانے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ کسی درخت سے منع کیا تو کیا وجہ ہے کہ حواء کی پیدائش کے بعد منع کیا اس سے پہلے منع نہیں کیا، اور اس کا کیا ثبوت ہے؟

﴿الجواب﴾:

(الف) صریح آیات ونصوص قرآن سے یہ ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام درخت کے کھانے کی وجہ سے جنت سے اتارے گئے (۱۵)، اس میں اختلاف ہے کہ وہ

(۱۵): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وقلنا یادم اسکن أنت وزوجک الجنة وکلا منها رغداً حیث شئتما ولاتقربا هذه الشجرة فتکونا من الظالمین. فأزلهما الشیطان فاخرجهما مما کانا فیه وقلنا اهبطوا بعضکم لبعض عدو ولکم فی الارض مستقر

درخت گندم کا تھا یا انگور کا یا انجیر کا (معالم التنزیل) (۱۶)۔

(ب) یہ غلط ہے اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔

(ج) نتیجہ مذکورہ اس سے اخذ کرنا محض لغو اور بے اصل ہے اور یہ وساوس شیطانی سے ہے۔

(د) حضرت حواء کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام ان کے ساتھ انس پکڑیں اور ان کے لیے وہ سکون کا سبب ہوں (۱۷)، جیسا کہ آیات قرآن شریف:

ومتاع الٰی حین. (سورۃ البقرۃ: ۳۵، ۳۶)

(۱۶):فی معالم التنزیل: ﴿ولاتقربا هذه الشجرة﴾ يعنى للأكل، وقال بعض العلماء: وقع النهى على جنس من الشجر. وقال آخرون: على شجرة مخصوصة، واختلفوا فى تلك الشجرة، قال ابن عباسؓ ومحمد بن كعبؒ ومقاتلؒ: هى السنبلة وقال ابن مسعودؓ: هى شجرة العنب. وقال ابن جريجؒ: شجرة التين، وقال قتادةؒ: شجرة العلم وفيها من كل شیء، وقال علی رضى الله عنه: شجرة الكافور. (معالم التنزيل، سورة البقرة، الآية: ۳۴، ج: ۱، ص: ۸۲، ۸۳، ط، دار طيبة رياض)

(۱۷):حدثنى موسى بن هارون، قال: ثنا عمرو بن حماد، قال: ثنا أسباط، عن السدى، قال: اسكن آدم الجنة، فكان يمشى فيها وحشا ليس له زوج يسكن اليها، فنام نومة فاستيقظ، واذا استيقظ، واذا عند رأسه امرأة قاعدة، خلقها الله من ضلعه، فسألها: ما أنت؟ قالت: امرأة. قال: ولم خلقت؟ قالت: لتسكن الى. (تفسير الطبرى، سورة النساء، الآية: ۱، ج: ۶، ص: ۳۴۱، ط، مركز البحوث الدراسات العربية والاسلامية)

(وكذا فى الجامع لاحكام القرآن، سورة النساء، الآية: ۱، ج: ۶، ص: ۶، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(وكذا فى الكتاب الطبقات الكبير، ذكر حواء، ج: ۱، ص: ۲۳، ط، مكتبة الخانجى بالقاهرة)

﴿وَجَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا﴾ (سورۂ اعراف، آیت:۱۸۹) سے ظاہر ہے، پس یہ خیال کرنا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو عورت کے پاس جانے سے منع کیا گیا الخ صریح معارض نص قرآنی کے ہے، ایسا خیال باندھنا محض غلط اور بے اصل ہے، باقی رہا درخت کے کھانے سے منع کرنے میں کچھ حکمتیں ہیں؟ ان کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے جس وقت منع کرنا مناسب سمجھا منع کیا، اس میں ایسے اعتراضات واہیہ کرنا کہ پہلے سے کیوں نہ منع فرمایا، حضرت حواء کے پیدا کرنے کے بعد کیوں منع فرمایا شرارت نفس اور اغوائے شیطان لعین سے ہے، اور قرآن شریف سے تو یہ واضح ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حواء دونوں کو درخت کے پاس جانے سے اور کھانے سے منع کیا: ﴿وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت:۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۱۸، ص:۶۰۴، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



آدم علیہ السلام کی طرف معصیت کی نسبت بمعنی معروف صحیح نہیں

﴿سوال﴾:

ایک شخص نے توبہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہ قصہ شروع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ حکم فرمایا فرشتوں کو کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو سب نے کیا مگر شیطان نے نہ کیا راندہ گیا توبہ نہ کی۔ اور آدم علیہ السلام کو فرمایا۔ وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ الآية حضرتؑ خطا کر بیٹھے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بالمشافہ حضرت آدم علیہ السلام کو یہ حکم فرمایا تھا تو ابلیس سے بھی خطا ہوئی اور حضرتؑ سے ہوئی۔ لیکن حضرتؑ نے توبہ کر لی اور ابلیس نے توبہ نہ کی۔ تو حضرتؑ توبہ کرنے کے بعد اپنے مرتبہ پر رہے اور ابلیس راندہ گیا۔ یہ بیان صحیح ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

حضرت آدم علیہ السلام کے فعل میں اور شیطان کے عصیان میں شیطان وآدم علیہ السلام کا فرق ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اس ظاہری غلطی کو سنگین جرم کہنا بھی سنگین جرم ہے۔ آپ کا عصیان نسیان کی بناء پر تھا، شیطان نے جب خدا کی قسم کھائی تو دھوکہ میں آگئے اور یہ سمجھے کہ کوئی بندہ خدا تعالےٰ کو جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ تو یہ بھی درحقیقت اللہ تعالےٰ کے نام کا احترام اور اطاعت تھی۔ گو صورت کے لحاظ سے حکم عدولی تھی۔ اور اسی بناء پر عتاب کیا گیا۔ ورنہ تو خود اللہ تعالےٰ آدم علیہ السلام کی صفائی میں ارشاد فرماتے ہیں **فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْماً الأية** (۱۸) کہ آدم علیہ السلام بھول گئے اور جو کچھ کیا وہ عزم اور ارادہ سے نہیں کیا۔ اور معصیت کے لئے یہ ضروری ہے۔ واعظ کو بھی توبہ کرنی چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ۱، ص: ۳۳۰، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف گناہ کی نسبت کرنا غلط ہے

﴿سوال﴾:

زید نے دوران وعظ میں فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا کہ **اصل المعاصی ثلثة اشياء الكبر والحسد والحرص الخ.** الغرض جس میں تکبر کا موجد ابلیس، حسد کا قابیل، اور حرص کی نسبت حضرت آدم علیہ السلا کی طرف کی۔ پس واعظ اس قول میں صادق ہے یا کاذب نیز "فتكونا من الظلمين" کا ظاہر معنی ارادہ کرنا سب النبی ہے یا نہیں؟ ایسے واعظ کو مرتد کہنا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

واعظ نے جو عبارت نقل کی اور جو معنی اس کے بیان کئے وہ قابل تاویل ہیں اس لئے

(۱۸): (سورة طٰهٰ: ۱۱۵)

واعظ پر ارتداد کا حکم کرنا درست نہیں ہے(۱۹)۔ ہاں ان کو اس قسم کی عبارت عوام کے ساتھ بیان نہیں کرنی چاہیئے جس سے عوام کے عقیدے خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور انبیاء علیہم السلام کی طرف معصیت کی نسبت کرنے کا احترام ہو سکے۔ آیت کریمہ میں ظلمین کا لفظ اپنے معنی میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم باوجود یاد ہونے کے بقصد نافرمانی اس درخت کے قریب جاؤ گے (یعنی اس میں سے کھالو گے) تو تم ظالم ہو جاؤ گے۔ اور یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے شجرہ ممنوعہ کو قصداً نہیں کھایا بلکہ ممانعت کو بھول گئے اور بلاقصد بھول کر ان سے فعل ممنوع سرزد ہوا۔ قرآن مجید میں ہے:۔ **وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰى آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً** (۲۰) اس لئے حضرت آدم علیہ السلام ظالم نہیں ہوئے۔ موقوف تھا بالقصد نافرمانی اور وہ پائی نہیں گئی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (کفایۃ المفتی، ج:۱ص:۸۱، ط، دارالاشاعت کراچی)



---

(۱۹):ان المسئلة المتعلقة بالكفر اذا كان لها تسع وتسعون احتمالا للكفر، واحتمال واحد فى نفيه، فالأولىٰ للمفتى والقاضى ان يعمل بالاحتمال النافى. (شرح فقه أكبر، أشرفى بكڈپو ١٩٩، بحواله فتاوى قاسميه، ج: ١،ص: ٤٦٧، ط، مكتبه اشرفيه، ديو بند، الهند)

وفى التاتارخانية: اذا كان فى المسألة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتى أن يميل الى الوجه الذى يمنع التكفير تحسينا للظن بالمسلم. (الفتاوى التاتارخانيه كتاب المرتدين، الفصل الاول فى اجراء كلمة الكفرمع علمه انها كلمة الكفر الخ۔ ج: ٧،ص: ٢٨١،ط، مكتبة زكريا،بديو بند، الهند)

(وكذا فى مجمع الانهرفى شرح ملتقى الابحر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، ج: ٢،ص: ٥٠١، ٥٠٢،ط، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان)

(۲۰):(سورة طٰهٰ: ١١٥)

حضرت آدم علیہ السلام سے نسل کس طرح چلی؟ کیا ان کی اولاد میں لڑکیاں بھی تھیں؟

﴿سوال﴾:

حضرت آدم علیہ السلام سے نسل کس طرح چلی؟ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو پیدا فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام کی اولادوں میں تین نام قابل ذکر ہیں، اور یہ تینوں نام لڑکوں کے ہیں۔ ۱: ہابیل۔ ۲: قابیل۔ ۳: شیث۔ آخر کار ان تینوں کی شادیاں بھی ہوئی ہوں گی، آخر کس کے ساتھ؟ جبکہ کسی بھی تاریخ میں آدم علیہ السلام کی لڑکیوں کا ذکر نہیں آیا۔ آپ مجھے یہ بتادیجئے کہ ہابیل، قابیل اور شیث سے نسل کیسے چلی؟ میں نے متعدد علماء سے معلوم کیا، مگر مجھے ان کے جواب سے تسلی نہیں ہوئی، اور بہت سے علماء نے غیر شرعی جواب دیا۔

﴿جواب﴾:

حضرت آدم علیہ السلام کے یہاں ایک بطن سے دو بچے جڑواں پیدا ہوتے تھے، اور دونوں آپس میں بھائی بہن شمار ہوتے تھے، اور دوسرے بطن سے پیدا ہونے والے بچوں کے لئے ان کا حکم چچا کی اولاد کا حکم رکھتا تھا، اس لئے ایک پیٹ سے پیدا ہونے والے لڑکے لڑکیوں کے نکاح دوسرے بطن کے بچوں سے کر دیا جاتا تھا۔ ہابیل کا قصہ اسی سلسلے پر پیش آیا تھا، قابیل اپنی جڑواں بہن سے نکاح کرنا چاہتا تھا جو دراصل ہابیل کی بیوی بننے والی تھی (۲۰)۔

---

(۲۰): في تفسير ابن كثير: وكان من خبرهما فيما ذكره غير واحد من السلف والخلف، أن الله تعالىٰ كان قد شرع لآدم عليه السلام، أن يزوج بناته من بنيه لضرورة الحال، ولكن قالوا: كان يولد له في كل بطن ذكر وأنثى، فكان يزوج أنثى هذا البطن لذكر البطن الآخر، وكانت أخت هابيل دميمة، وأخت قابيل

لڑکیوں کا ذکر عام طور سے نہیں آیا کرتا، قابیل وہابیل کا ذکر بھی اس واقعے کی وجہ سے آ گیا۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱،ص:۱۵۶،ط،مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضرت آدمؑ اوران کی اولاد کے متعلق سوالات

کہا جاتا ہے کہ ہم سب آدمؑ وحواؑ کی اولاد ہیں، اس حوالے سے حسب ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

﴿سوال﴾:
حضرت آدمؑ وحواؑ کی کیا کوئی بیٹی تھی؟

﴿جواب﴾:
بیٹیاں بھی تھیں (۲۱)۔

﴿سوال﴾:
اگران کی کوئی بیٹی تھی؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آدم کے بیٹوں سے ہی شادی ہوئی ہوگی اور اگر ایسا ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب یعنی پوری نوع انسانی حرامی ہے؟

وضيئة، فأراد أن يستأثر بها على أخيه، فأبى آدم ذلك الا أن يقربا قرباناً، فمن تقبل منه فهي له، فقربا فتقبل من هابيل ولم يتقبل من قابيل، فكان من أمرهما ما قص الله في كتابه. (تفسير ابن كثير، سورة المائدة، الآية: ۲۷، ج: ۳، ص: ۸۲، ط، دار طيبة رياض)

(۲۱): **قال السدي ـ فيما ذكر ـ عن أبي مالك، وعن أبي صالح، عن ابن عباسؓ ـ وعن مرة، عن ابن مسعودؓ ـ وعن ناس من أصحاب النبي ﷺ، أنه كان لايولد لآدم مولود الا ولد معه جارية، فكان يزوج غلام هذا البطن جارية هذا البطن الآخر، ويزوج جارية هذا البطن غلام هذا البطن الآخر...الخ.** (تفسير ابن كثير، سورة المائدة، الآية: ۲۷، ج: ۳، ص: ۸۲، ط، دار طيبة رياض)

﴿جواب﴾:

حضرت آدم علیہ السلام کے یہاں ایک پیٹ سے دواولادیں ہوتی تھیں: ایک لڑکا اورایک لڑکی۔ایک پیٹ کے دو بچے آپس میں سگے بھائی بہن کاحکم رکھتے تھے،اوردوسرے پیٹ کے بچے ان کے لئے چچازاد کاحکم رکھتے تھے۔یہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت تھی، ایک پیٹ کےلڑکے،لڑکی کا عقد دوسرے پیٹ کےلڑکے،لڑکی سے کردیا جاتا تھا(۳۸۱)۔

﴿سوال﴾:

قصہ بنی آدم کی روایتی تشریح کے حوالے سے حسب ذیل قرآنی آیات کی کیا تشریح ہوگی؟

الف:...''ہم نے انسان کومٹی کے خلاصے سے پیدا کیا''(المؤمنون:۱۲)یادرہے کہ مٹی کا پتلا نہیں کہا گیا ہے۔

﴿جواب﴾:

...''مٹی کے خلاصہ'' کا مطلب یہ ہے کہ روئے زمین کی مٹی کے مختلف انواع کا خلاصہ اور جوہر،اس سے حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بنایا گیا، پھراس میں روح ڈالی

---

(۳۸۱):فی تفسیر ابن کثیر: وکان من خبرهما فیما ذکره غیر واحد من السلف والخلف، أن اللّٰه تعالیٰ کان قد شرع لآدم علیه السلام، أن یزوج بناته من بنیه لضرورة الحال، ولکن قالوا: کان یولد له فی کل بطن ذکر وأنثی، فکان یزوج أنثی هذا البطن لذکر البطن الآخر، وکانت أخت هابیل دمیمة، وأخت قابیل وضیئة، فأراد أن یستأثر بها علی أخیه، فأبی آدم ذلک الا أن یقربا قرباناً، فمن تقبل منه فهی له، فقربا فتقبل من هابیل ولم یتقبل من قابیل، فکان من أمرهما ما قص اللّٰه فی کتابه. (تفسیر ابن کثیر، سورة المائدة، الآیة: ۲۷، ج: ۳، ص: ۸۲، ط، دار طیبة ریاض)

گئی(۳۸۲)۔

ب:... تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ سے وقار کے آرزومند نہیں ہوتے اور یقیناً اس نے تمہیں مختلف مراحل سے گزار کر پیدا کیا ہے... اور تمہیں زمین سے اگایا ہے ایک طرح کا اگانا (نوح:۱۳، ۱۷)۔

یہاں مختلف ''مراحل سے گزار کر پیدا کرنے'' اور ''زمین سے اگانے'' کا کیا مطلب ہے؟

﴿جواب﴾:

یہاں عام انسانوں کی تخلیق کا ذکر ہے کہ غذا مختلف مراحل سے گزر کر مادۂ منویہ بنی، پھر ماں کے رحم میں کئی مراحل گزرنے کے بعد آدمی پیدا ہوتا ہے (۳۸۳)۔

---

(۳۸۲): **قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ولقد خلقنا الانسان من سلٰلة من طين. وفی مدارک التنزیل: ﴿ولقد خلقنا الانسان﴾ أی: آدم ﴿من سلٰلة﴾ من للابتداء. والسلالة: الخلاصة، لأنها تسل من بين الكدر. وقيل: انما سمی التراب الذی خلق آدم منه سلالة، لأنه سل من كل تربة.** (مدارك التنزيل وحقائق التأويل، سورة المؤمنون، الآية: ١٢، ج: ٢، ص: ٤٦١، ط، دار الكلم الطيب بيروت لبنان)

(۳۸۳): **قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: وقد خلقكم اطواراً.** (سورة النوح: ١٤)

وفی الجامع لأحكام: قال ابن عباسؓ: "أطواراً" يعنی نطفة ثم علقة ثم مضغة، أی: طوراً بعد طور الی تمام الخلق، كما ذكر فی سورة المؤمنون. (الجامع لأحكام القرآن، سورة نوح، الآية: ١٤، ج: ٢١، ص: ٢٥٥، ٢٥٦، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

وفی الدرالمنثور: وأخرج ابن جرير، والبيهقی، عن ابن عباسؓ فی قوله: ﴿ما لكم لاترجون للّٰه وقاراً﴾. قال: عظمة، وفی قوله: ﴿وقد خلقكم أطواراً﴾. قال نطفة، ثم علقة، ثم مضغة. (الدرالمنثور فی التفسير بالمأثور، سورة نوح، الآية: ١٢، ج: ١٤، ص: ٧٠٧)

﴿سوال﴾:

سورۂ اعراف کی آیات ۱۱ تا ۲۵ کا مطالعہ کیجئے، ابتداء میں نوع انسانی کی تخلیق کا تذکرہ ہے، پھر آدمؑ کیلئے سجدہ، پھر اس کے بعد ابلیس کا انکار اور چیلنج۔ لیکن چیلنج کے مخاطب صرف آدمؑ اور اس کی بیوی نہیں، تثنیہ کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا بلکہ جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا، اس کا مطلب ہے تعداد زیادہ تھی، ایسا کیسے ہو گیا؟ جبکہ وہاں صرف آدمؑ وحواؑ ہی تھے، اس کے بعد آدمؑ وحواؑ کا تذکرہ ہے جن کے لئے تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، لیکن آخر میں جہاں ہبوط کا ذکر ہے، وہاں پھر جمع کا صیغہ ہے، ایسا کیوں ہے؟

﴿جواب﴾:

حضرت آدم علیہ الصلاۃ السلام کی تخلیق کے قصے سے مقصود اولادآدم کو عبرت دلانا ہے، اس لئے اس قصے کو اس عنوان سے شروع کیا کہ ہم نے ''تم کو پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں (۳۸۴)۔'' یہ بات چونکہ آدم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں تھی، بلکہ ان کی اولاد کو بھی شامل تھی، اس لئے اس کو خطاب جمع کے صیغہ سے ذکر کیا۔ پھر سجدے کے حکم، اور ابلیس کے انکار اور اس کے مردود ہونے کو ذکر کر کے ابلیس کا یہ انتقامی فقرہ ذکر کیا کہ میں ''ان کو گمراہ کروں گا (۳۸۵)۔'' چونکہ شیطان کا مقصود صرف آدم علیہ السلام کو گمراہ کرنا نہیں تھا، بلکہ اولادآدم سے انتقام لینا مقصود تھا، اس لئے اس نے جمع غائب کی ضمیریں ذکر کیں، چنانچہ آگے آیت: ۲۷ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تشریح فرمائی ہے کہ ''اے اولاد آدم شیطان تم کو نہ بہکادے، جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا۔'' اس سے صاف

---

(۳۸۴):قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ:ولقد خلقنکم ثم صورنکم. (سورة الأعراف: ۱۱)

(۳۸۵):قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ:قال فبما اغویتنی لاقعدن لھم صراطک المستقیم. (سورة الاعراف: ۱۶)

وقال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: قال فبعزتک لأغوینھم اجمعین. (سورة صٓ: ۸۲)

واضح ہے کہ شیطان کی انتقامی کاروائی اولاد آدم کے ساتھ ہے(۳۸۶)۔

اور ہبوط میں جمع کا صیغہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم وحواء علیہما السلام کے علاوہ شیطان بھی خطاب میں شامل ہے(۳۸۷)۔

نیز تثنیہ کے لئے جمع کا خطاب بھی عام طور سے شائع وذائع ہے، اور بایں نظر بھی خطاب جمع ہوسکتا ہے کہ آدم وحوا علیہما السلام کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی خطاب میں ملحوظ رکھا گیا ہو(۳۸۸)۔

---

(۳۸۶):قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ:یبنی ادم لایفتننکم الشیطٰن کما أبویکم من الجنة ینزع عنهما لباسهما لیریهما سواٰتهما انه یرٰکم هو و قبیله من حیث لاترونهم انا جعلنا الشیٰطین اولیآء للذین لایؤمنون. وفی مفاتیح الغیب تحت هذه الآیة: اعلم ان المقصود من ذکر قصص الأنبیاء علیهم السلام حصول العبرة لمن یسمعها، فکأنه تعالی لما ذکر قصة آدم وبین فیها شدة عداوة الشیاطان لآدم وأولاده أتبعها بأن حذر أولاد آدم من قبول وسوسة الشیطان فقال یا بنی آدم لایفتننکم الشیطان کما أخرج أبویکم من الجنة. (مفاتیح الغیب، سورة الأعراف، الآیة: ۲۷، ج: ۱٤، ص: ۵٦، ط، دار الفکر)

(۳۸۷):قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ:قال اهبطوا بعضکم لبعض عدواً ولکم فی الأرض مستقر ومتاع الیٰ حین. وفی مفاتیح الغیب تحت هذه الآیة: اعلم أن هذا الذی تقدم ذکره هو آدم وحواء وابلیس، واذا کان کذلک فقوله (اهبطوا) یجب أن یتناول هؤلاء الثلاثة. (مفاتیح الغیب، سورة الأعراف، الآیة: ۲٤، ج: ۱٤، ص: ۵۳، ۵٤، ط، دار الفکر)

(۳۸۸):فی زاد المسیر قوله تعالیٰ: ﴿وقلنا اهبطوا بعضکم لبعض عدو ولکم فی الأرض مستقر ومتاع الی حین﴾ الهبوط بضم الهاء: الانحدار من علو، وبفتح الهاء: المکان الزی یهبط فیه، والی من انصرف هذا الخطاب، فیه ستة أقوال.....والخامس: الی آدم وحواء وذریتهما، قاله الفراء. والسادس: الی آدم

﴿سوال﴾:

ابتدا میں بشر کا ذکر ہے اور ضمیر واحد غائب کی ہے لیکن جب ابلیس چیلنج دیتا ہے تو ضمائر جمع غائب شروع ہو جاتی ہیں، کیوں؟

﴿جواب﴾:

اوپر عرض کر چکا ہوں کہ شیطان کے انتقام کا اصل نشانہ اولاد آدم ہے، اور شیطان کے اس چیلنج سے اولاد آدم ہی کو عبرت دلانا مقصود ہے۔

﴿سوال﴾:

اگر حضرت آدم نبی تھے تو نبی سے خطا کیسے ہوگئی اور خطا بھی کیسی؟

﴿جواب﴾:

حضرت آدم علیہ السلام بلاشبہ نبی تھے، خلیفۃ اللہ فی الارض تھے، ان کے زمانہ میں انہی کے ذریعے احکامات الٰہیہ نازل ہوتے تھے۔ رہی ان کی خطا! سو اس کے بارے میں خود قرآن کریم میں آچکا ہے کہ: ''آدم بھول گئے'' (٣٨٩) اور بھول چوک خاصۂ بشریت ہے، یہ نبوت وعصمت کے منافی نہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اگر روزہ دار بھول کر کھالے تو

وحواء فحسب، ويكون لفظ الجمع واقعاً على التثنية، كقوله: ﴿وكنا لحكمهم شاهدين﴾ الأنبياء: ٧٨ ذكره ابن الأنباری. (زاد المسير فی علم التفسير، سورة البقرة، الآية: ٣٦، ج: ١، ص: ٦٨، ط، المكتب الاسلامی بيروت لبنان)

وفی الجامع لأحكام القرآن: والخطاب لآدم وحواء والحية والشيطان فی قول ابن عباس، وقال الحسن: آدم وحواء والوسوسة، وقال مجاهد والحسن أيضاً: بنو آدم وبنو ابليس. (الجامع لأحكام القرآن، سورة البقرة، الآية: ٣٦، ج: ١، ص: ٤٧٤، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(٣٨٩): قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ولقد عهدنا الی اٰدم فنسی ولم نجد له عزماً. (سورة طٰهٰ: ١١٥)

اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا(۳۹۰)۔(آپ کے مسائل اوران کا حل،ج:۱،ص:۱۵۶،ط،مکتبہ لدھیانوی کراچی)



سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی سب اولاد سید کیوں نہیں؟

﴿سوال﴾:

میری نظر سے ایک رسالہ میں مندرجہ ذیل سوال گزرا، اس میں جواب بھی ہے، مگر جواب سوال سے موافقت نہیں کررہا ہے، سوال کا جواب عام مسلمانوں کے لئے سمجھنا نہایت ضروری ہے، لہٰذا میں جناب سے مخلصانہ گذارش کروں گا کہ سوال مندرجہ ذیل کا مکمل جواب بالکل سادہ اور سلیس زبان میں مدلل واضح اور صاف طور پر تحریر فرمائیں تاکہ عام مسلمان بخوبی سمجھ سکیں۔

سوال یہ ہے کہ اس بات کو دنیا بخوبی جانتی ہے کہ سب کے باپ یعنی ساری دنیا کے باپ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام ہیں، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے والد ماجد یعنی سیدنا حضرت آدم علیہ السلام ہیں، ہمارے باپ سید ہیں تو اولاد بھی سید ہونا چاہئے، لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ باپ سید ہوں تو اولاد کوئی سید ہے، کوئی موچی ہے، کوئی قریشی ہے، کوئی راجپوت ہے، کوئی خان صاحب ہے وغیرہ۔ یہ کیوں، کوئی کچھ کوئی کچھ؟ اگر ہمارے باپ سیدنا آدم علیہ السلام ہیں تو ساری اولاد بھی سید ہونی چاہئے مگر ایسا نہیں ہے یہ کیوں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

---

(۳۹۰):**فی الهندية: اذا أكل الصائم أو شرب أو جامع ناسياً لم يفطر ولافرق بين الفرض والنفل كذا فی الهداية.** (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصوم، الباب الرابع فیما یفسد ومالایفسد، ج: ۱، ص: ۲۰۲)

لفظ ''سید'' کے دو معنی ہیں: ایک معنی ہیں آقا، سردار واجب الاطاعت (۳۹۱)، اس اعتبار سے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو ''سید'' کہا جاتا ہے اور ان کی اولاد میں سے جو بھی پیغمبر اور واجب الاطاعت ہوئے سب کو ہی سیدنا کہتے ہیں جیسے سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام وغیرہ اور جو واجب الاطاعت نہیں ہوئے ان کو سیدنا نہیں کہا جاتا ہے۔ جس صفات وکمالات کی وجہ سے باپ واجب الاطاعت ہے اور سیدنا کہلانے کا مستحق ہے اس کی جس اولاد میں وہ صفات وکمالات ہوں وہ اولاد بھی واجب الاطاعت ہوگی اور سیدنا کہلانے کی مستحق ہوگی، اور جس اولاد میں وہ صفات وکمالات نہ ہوں وہ نہ تو واجب الاطاعت ہوگی اور نہ سیدنا کہلانے کی مستحق ہوگی (ہوسکتا ہے کہ جرائم کی وجہ سے وہ مستحق سزا ہوجائے)۔ بادشاہ کی تمام اولاد بادشاہ نہیں ہوا کرتی۔

دوسرے معنی سید کے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا ہوئی، وہ اور ان کی اولاد باعتبار نسب کے سید ہیں (۳۹۲)، وہ جو بھی پیشہ اختیار کرلیں گے اس کی وجہ سے ان کا نسب نہیں بدلے گا سید ہی رہیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ، ج:۱، ص:۴۱۹، ۴۲۰)



---

(۳۹۱): فی تاج العروس: السید: الملک، والسید: السخی. وسید العبد: مولاہ. (تاج العروس، ج: ۸، ص: ۲۲۵)

(۳۹۲): فی ردالمحتار: فان العلماء ذکروا أن من خصائصہ ﷺ أنہ ینسب الیہ أولاد بناتہ، فالخصوصیة للطبقة العلیا، فأولاد فاطمة الأربعة الحسن والحسین وأم کلثوم وزینب ینسبون الیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وأولاد الحسین ینسبون الیھما فینسبون الیہ ﷺ، وأولاد زینب وأم کلثوم ینسبون الی أبیھم لا الی أمھم، فلا ینسبون الی فاطمة ولا الی أبیھا ﷺ لأنھم أولاد بنت بنتہ لا أولاد بنتہ، فیجری فیھم الأمر علی قاعدة الشرع الشریف فی أن الولد یتبع أباہ فی النسب لا أمہ، وانما خرج أولاد فاطمة وحدھا للخصوصیة التی ورد بھا الحدیث......والمراد

تخلیق بنی آدم پر اشکالات

﴿سوال﴾:

کٹنگ اخبار منسلک ہے، مجھے اتنی قرآن پاک کی معلومات نہیں، اس لئے آپ کی عنایت کی ضرورت ہے، پورے اسلام کے علماء کو چیلنج کیا ہے صرف ایک انسان نے اور ہر عالم اور مفتی اور مولانا مولوی جو بھی ہوں سب کو اس پرچہ کا جواب دینا بہت ضروری ہے۔

مذہب کو اگر موجودہ زمانہ کی روشنی میں پیش نہیں کیا گیا تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟ ایک صاحب نے کہا کہ ''مذہب کی بنیاد ہی خوف پر ہے، ساری چیزیں اس خوف کے گرد گھومتی رہتی ہیں، اللہ بھی اپنی توحید کا اقرار خوف ہی کے ذریعہ کراتا ہے یعنی اگر تم مجھے نہیں مانو گے تو دوزخ میں ڈال دوں گا، اللہ نے قیامت کا دن رکھا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس دن سب اعمال تولے جائیں گے لیکن اس دن کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ نہایت خوفناک ہے، اللہ کہتا ہے کہ میں تمہاری عبادتوں کا محتاج نہیں ہوں، اگر وہ انسانوں سے بے نیاز ہے تو پھر انسانوں کو بنایا کیوں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کو چاہتا ہوں ہدایت دیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں گمراہ کرتا ہوں، اگر اللہ کو ان کی ضرورت نہیں تو پھر لاکھوں رسولوں کو بھیجا کیوں؟ انھیں بار بار کیوں ڈرایا؟ فرشتوں کی طرح ان کو غلام بنا لیتا تو اس قسم کے ڈروں کی کیا ضرورت تھی؟

سزا کے لئے دوزخ کیوں بنائی؟ اللہ میاں کہتے ہیں کہ میں رحیم وکریم ہوں پھر لاکھوں انسانوں کو دوزخ میں ڈالنا کیا رحیمی اور کریمی ہے'' (نعوذ باللہ) اور اس قسم کے سینکڑوں اعتراضات ہیں مثلاً انسان کو پیدا کیوں کیا؟ فرشتوں کو کیسے معلوم ہوا کہ انسان

بالحديث ما أخرجه أبو نعيم وغيره "كل ولد آدم عصبتهم لأبيهم"، ما خلا ولد فاطمة فاني أنا أبوهم وعصبتهم. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الوصايا، باب الوصية للأقارب وغيرهم، ج: ١٠، ص: ٣٨٨، ط، دار عالم الكتب رياض)

پیدا ہوگا، اللہ اس کو جنت میں رکھے گا، وہاں شیطان بہکائے گا، پھر اللہ سزا کے طور پر آدم وحوا علیہما الصلاۃ والسلام کو زمین پر پھینک دیگا، آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد ہوگی، یہ قتل وخونریزی کرے گی، کیا یہ انصاف ہے کہ شیطان کے دام میں پھنس دے اور قیامت کے دن دوزخ میں ڈال دے! غرض ایسے ہی سولات کئے گئے ہیں میں سنتا رہا اور آپ کو سنا رہا ہوں، کیا ان سوالات کا مولوی صاحب کے پاس جواب ہے جس کو نوجوان قبول کر سکیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

یہ سوالات آج ان نوجوانوں کے دماغ میں نئے پیدا نہیں ہوئے، بلکہ پرانے ہیں اور ان پر صدیاں گزر چکی ہیں، تفسیر کبیر، بیضاوی (۳۹۳) وغیرہ میں موجود ہیں۔ علماء اسلام نے اردو میں بھی ان کو تفصیل سے لکھ کر جوابات دیئے ہیں، تفسیر حقانی، تفسیر بیان القرآن وغیرہ میں مذکور ہیں۔ ''اکسیر فی اثبات التقدیر، شفاء المرتاب، اشرف الجواب، اسلام اورسائنس'' وغیرہ کتابیں بھی اس قسم کے شبہات واعتراضات کے لئے عرصہ ہوا شائع

---

(۳۹۳): **فی التفسیر الکبیر: ویدل علی ذلک وجوہ: أحدها: أن قولهم (أتجعل فیها)، هذا اعتراض علی اللّٰہ تعالیٰ، وذلک من أعظم الذنوب، وثانیها: أنهم طعنوا فی بنی آدم بالفساد والقتل، وذلک غیبة، والغیبة من کبائر الذنوب. وثالثها لو کان الفساد والقتل فعلاً للّٰہ تعالیٰ لکان یجب أن یکون الجواب أن یقول: انی مالک أفعل ما أشاء الخ.** (التفسیر الکبیر، سورة البقرة، الآیة: ۳۰، ج:۲، ص: ۱۸۱، ط، دار الفکر)

وفی تفسیر البیضاوی: (قالوا أتجعل فیها من یفسد فیها ویسفک الدماء) تعجب فی أن یستخلف لعمارة الأرض واصلاحها من یفسد فیها ...... والمعنی أتستخلف عصاة ونحن معصومون أحقاء بذلک، والمقصود منه الاستفسار عما رجحهم مع ما هو متوقع منهم علی الملائکة المعصومین فی الاستخلاف لا العجب والتفاخر. (تفسیر البیضاوی، سورة البقرة، الآیة: ۳۰، ج: ۱، ص: ۶۸، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

ہو چکی ہیں، اگر یہ نوجوان طبقہ نہ ان کتابوں کو دیکھے، نہ علماء محققین کے پاس جا کر جوابات حاصل کرے، نہ علوم اسلامیہ کو پڑھے، نہ اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھے، نہ اہل تحقیق کے وعظ سنے، نہ ان کے جلسوں میں جائے، بلکہ ان اعتراضات کو اپنی زندگی کا مشغلہ بنالے اور ان سے تفریح لیتا رہے، تو پھر وہ خود ہی ذمہ دار ہے، آپ نے چونکہ پہلے کبھی یہ سوالات نہیں سنے تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ساتھ گہرا تعلق عطا فرمایا ہے، اس لئے آپ کو یہ سوالات اجنبی معلوم ہوئے اور قلب میں کلفت محسوس ہوئی۔ اللہ پاک آپ کے تعلق اسلام اور جذبۂ خیر میں ترقی و پختگی عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی محمودیہ، ج:۱، ص:۴۲۰ تا ۴۲۲)



حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کہاں دفن ہیں؟

﴿سوال﴾:

حضرت آدم علیہ السلام کا مزار مبارک کس جگہ واقع ہے؟

﴿الجواب﴾:

ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ ص ۱۰۸ ج اول: میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کے بارے میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں غارِ ابی قبیس میں ہے۔(۳۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج:۱، ص: ۴۵۸، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



(۳۹۴):فی تاریخ الطبری: وقد اختلف فی موضع قبر آدم علیہ السلام، فقال ابن اسحاق ما قد مضی ذکرہ، وأما غیرہ فانہ قال: دفن بمکة فی غار أبی قبیس، وھو غار یقال لہ غار الکنز.

حضرت شیث علیہ السلام کہاں مدفون ہیں؟

﴿سوال﴾:

حضرت شیث علیہ السلام کہاں مدفون ہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت شیث علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے اوران کی وفات کے بعد ان کے جانشین تھے،خود آدم علیہ السلام کے بارے میں علماء ومؤرخین کا اختلاف ہے،بعض نے ہند میں ان کا مدفن بتلایا ہے۔بعض نے مکہ میں جبل ابی قبیس کواور بعض نے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کے جسداطہر کوکشتی میں سوار کیا اورطوفان کے بعد بیت المقدس میں دفن کردیا(۳۹۵)۔(البدایہ جلد۱،صفحہ۱۰۸)

وروی عن ابن عباسؓ فی ذلک: ما حدثنی به الحارث، قال: حدثنا ابن سعد، قال: حدثنا هشام قال: أخبرنا أبی، عن أبی صالح، عن ابن عباسؓ: لما خرج نوح من السفينة دفن آدم عليه السلام ببيت المقدس. (ذکر تاريخ الطبری، ذکر وفاة آدم عليه السلام، ج: ۱، ص: ۱۶۱، ط، دار المعارف بمصر)

(۳۹۵):فی البداية: ولما توفی آدم عليه السلام وكان ذلک يوم الجمعة جاء ته الملائكة بحنوط وكفن من عندالله عز وجل من الجنة.....واختلفوا فی موضع دفنه فالمشهور أنه دفن عند الجبل الذی أهبط منه فی الهند وقيل بجبل أبی قيس بمكة. ويقال ان نوحا عليه السلام لما كان زمن الطوفان حمله هو و جواء فی تابوت فدفنها ببيت المقدس،حكی ذلک ابن جرير. وروی ابن عساكر عن بعضهم أنه قال رأسه عند مسجد ابراهيم ورجلاه عند صخرة بيت المقدس. (البداية والنهاية، وفاة آدم ووصيته الی ابنه شيث، ج: ۱، ص: ۹۸، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

وفی تاريخ الطبری: وقد اختلف فی موضع قبر آدم عليه السلام، فقال ابن اسحاق ما قد مضي ذكره، وأما غيره فانه قال: دفن بمكة في غار أبي قبيس، وهو

تاریخ سے اس قدر تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہند کے قریبی علاقے میں ہوئی ہے، حضرت شیث علیہ السلام نے ان کی صلاۃ جنازہ پڑھائی ہے، اس لیے حضرت شیث علیہ السلام کا مسکن بھی یہی علاقہ ہوگا، ان کے مدفن کے بارے میں کوئی روایت نہیں ہے، اس لیے کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جاسکتی، بہرحال ہند یا اطراف ہند میں مدفون ہیں (۳۹۶)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۲۱۰،۲۱۱)



غار يقال له غار الكنز.

وروى عن ابن عباسؓ في ذلک، ما حدثني به الحارث، قال: حدثنا ابن سعد، قال: حدثنا هشام قال: أخبرنا أبي، عن أبي صالح، عن ابن عباسؓ قال: لما خرج نوح من السفينة دفن آدم عليه السلام ببيت المقدس. (تاريخ الطبرى، ذكر وفاة آدم عليه السلام، ج: ١، ص: ١٦١، ط، دار المعارف بمصر)

(۳۹۶):في تاريخ الطبرى: عن ابن عباسؓ قال: لما مات آدم عليه السلام قال شيث لجبرئيل صلى الله عليهما: صل على آدم، قال: تقدم أنت صل على أبيک......... فأما شيث عليه السلام فقد ذكرنا بعض أمره، وأنه كان وصى أبيه آدم عليه السلام فى مخلفيه بعد مضيه لسبيله، وما أنزل الله عليه من الصحف.

وقيل: انه لم يزل مقيما بمكة يحج ويعتمر الى أن مات، وانه كان جمع ما أنزل الله عزوجل عليه من الصحف الى صحف أبيه آدم عليه السلام، وعمل بما فيها، وأنه بنى الكعبة بالحجارة والطين.

وأما السلف من علمائنا فانهم قالوا: لم تزل القبة التى جعل الله لآدم فى مكان البيت الى أيام الطوفان، وانما رفعها الله عزوجل حين أرسل الطوفان. وقيل: ان شيئاً لما مرض أوصى ابنه أنوش ومات، فدفن مع أبويه فى غار أبى قبيس. (تاريخ الطبرى، ذكر وفاة آدم عليه السلام، ج: ١، ص: ١٦٠، ١٦١، ١٦٢، ط، دار المعارف بمصر)

حضرت ادریس علیہ السلام کا آسمانوں پر زندہ تشریف لے جانا

﴿سوال﴾:

حضرت ادریس علیہ السلام کا آسمان پر زندہ تشریف لے جانا اور وہاں وفات کا کیا قصہ ہے؟

﴿الجواب﴾:

اس بارہ میں اکثر وبیشتر اسرئیلیات اور ضعیف روایات موجود ہیں صحیح روایات سے اس واقعہ کا ثبوت نہیں ملتا۔

مجمع الزوائد میں ہے:

عن أم سلمة أن رسول اللهﷺ قال: ان ادريس عليه السلام كان صديقاً لملك الموت فسأله أن يريه الجنة والنار فصعد بإدريس..... الخ.رواه الطبراني في "الأوسط" وفيه ابراهيم بن عبدالله بن خالد المصيصي وهو متروك.

(مجمع الزوائد: ١٩٩/٨، دارالفكر، الفردوس بماثور الخطاب: ١/ ٨٦٧/٢٢٤)۔

قال الذهبي في "الميزان" (ا/٤٠/ ١٢٤): قلت: هذا رجل كذاب، قال الحاكم: أحاديثه موضوعة.

قال ابن الجوزي في "الضعفاء" (١/٤٠/ ٨٠): قال ابن حبان: يسرق الحديث ويسويه " تدليس التسوية: هو اسقاط الضعفاء من اسناد الحديث، وهذا شر أنواع التدليس وهو أخو الكذاب" ويروي عن الثقات ما ليس من أحاديثهم فيستحق أن يكون من المتروكين.

وللمزید من البحث انظر: (المجرحین لابن حبان: ۱/۱۱۶، واللسان: ۱/۷۱/۱۹۲، والضعفاء لابن الجوزی مع التعلیق: ۱/۴۰/۸۰)

مصنف ابن ابی شیبۃ میں ہے:

حدثنا حسین بن علی، عن زائدة، عن مسیرة الأشجعی، عن عکرمة، عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: سالت کعباً عن رفع ادریس مکاناً علیاً فقال:... الخ.

(مصنف ابن ابی شیبه ۱۶/ ۳۲۵۴۴/۵۵۳، المجلس العلمی)

ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد درج ذیل تبصرہ فرمایا ہے۔

هذا من أخبار کعب الأحبار الاسرائیلیات وفی بعضه نکارة. واللّٰہ اعلم. (تفسیر ابن کثیر ۳/۱۴۰، سورة مریم: ۵۷)

البدایۃ والنہایۃ میں ہے:

وهذا من الاسرائیلیات وفی بعضه نکارة. (البدایة والنهایة: ۱/۱۱۲ بدء الخلق، ط: الریاض)

حاکم نے مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے اس پر حافظ ذہبی کا تلخیص مستدرک میں تبصرہ ملاحظہ ہو: **(قلت) اسناده مظلم لاتقوم به حجة.**

(تلخیص المستدرك: ۲/ ۶۸۶/۱۵، ۳۰، کتاب تواریخ المتقدمین من الانبیاء والمرسلین، ذکر ادریس النبی علیه السلام، ط: دار ابن حزم)

حقیقت بھی یہی ہے کہ اس روایت کے اکثر وبیشتر رواۃ کا تذکرہ کتب رجال میں موجود ہی نہیں ہے ان کے علاوہ اور دوسرے حضرات مثلاً امام سیوطیؒ نے درمنثور میں امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں اور علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں اور دیگر مفسرین نے اپنی تفاسیر

میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور اس روایت کے مختلف طرق نقل کئے ہیں، لیکن خلاصہ یہ ہے کہ اکثر کا مدار کعب الاحبار اور ان کے بارے میں ابن کثیرؒ کی رائے گزر چکی کہ یہ اسرائیلیات ہیں اور ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور جو روایات کعب الاحبار کے علاوہ ہیں ان کے رواۃ مجروح اور غیر مقبول ہیں، لہٰذا کسی بھی اعتبار سے اس واقعہ کی روایات قابل اطمینان نہیں اور اس کی صحت بہت بعید ہے۔

نیز آیت کریمہ ﴿ورفعناه مكاناً علياً﴾ سے مرتبہ کی بلندی مراد ہے، آسمان پر تشریف لے جانا مراد نہیں ہے، اور قرآن کریم میں مکان مرتبہ کے معنی میں اس کے علاوہ بھی چند مواضع میں استعمال ہوا ہے۔

(١) ﴿قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَاناً﴾ (سورة يوسف: ٧٧)

(٢) ﴿أُولٰئِكَ شَرٌّ مَّكَاناً وَّأَضَلُّ سَبِيْلاً﴾ (سورة الفرقان: ٣٤)

(٣) ﴿وَأَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ﴾ (سورة القصص: ٨٢)

ان مواضع میں مکان مرتبہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ہاں شب معراج میں چوتھے آسمان پر ان سے ملاقات صحیح حدیث میں موجود ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم زکریا، ج: ١، ص: ١٠١ تا ١٠٣، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



حیات عیسیٰ وادریس علیہما السلام

﴿سوال﴾:

مندرجہ ذیل مسئلہ کی تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) پارہ ۱۶، سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا ہے: وَرَفَعْنَاهُ مَكَاناً عَلِيًّا (۳۹۷).

(۲) گذارش یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارہ میں سورۃ النساء پارہ ۶ کے رکوع دوم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزاً حَكِيماً (۳۹۸).

(۳) عرض یہ ہے کہ کیا حضرت ادریس علیہ السلام بھی حضرت مسیح بن مریم کی طرح زندہ اپنے جسد عنصری مبارک کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔

(۴) الفاظ "وَرَفَعْنَاهُ مَكَاناً عَلِيًّا" کے معنی بعض لوگ (یعنی مرزائی فرقہ کے لوگ) یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند کئے وہ زندہ آسمان پر نہیں اٹھائے گئے کیا یہ معنی صحیح ہیں؟

(۵) بعض لوگ الفاظ "وَرَفَعْنَاهُ مَكَاناً عَلِيًّا" کے یہ معنی کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کو وفات دیدی کیا یہ معنی صحیح ہیں؟

(۶) اگر حضرت ادریس علیہ السلام اپنے جسد مبارک کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں تو آیا حضرت عیسیٰ علیہ بن مریمؑ کی طرح وہ بھی کبھی نازل ہوں گے۔ اور نزول کے بعد وفات پائیں گے؟

(۷) کسی صحیح حدیث نبوی میں یا کسی صحابی یا تابعی کے قول پر حضرت ادریس علیہ

---

(۳۹۷):(سورة مريم: ۵۷)

(۳۹۸):(سورة النساء: ۱۵۸)

السلام کے نازل ہونے اور پھر وفات پانے کی خبر آئی ہے یا نہیں؟

(٨) آیا قرآن شریف میں یا صحیح حدیثوں میں لفظ رفع جسمانی اور درجات کے بلند ہونے کے سوا کسی اور معنی (مثلاً اپنی طبعی موت سے مرنا) میں بھی استعمال ہوا ہے؟

(٩) بعض کہتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

(١٠) شیخ اکبر بن عربیؒ نے فتوحات مکیہ جلد سوم صفحہ ۲۴۱ باب ۳۰ میں شب اسراء کا ذکر خیر کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا دوسرے آسمان میں اور حضرت ادریس علیہ السلام کا چوتھے آسمان میں زندہ موجود ہونا تحریر فرمایا ہے۔ کیا اہل سنت مفسرین نے حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ایسا ہی لکھا ہے؟

﴿الجواب﴾:

بعض سوالات کا تو اصل مبحث سے کوئی تعلق ظاہر نہیں ہوا، ان کے جواب کے حاجت نہیں اور باقی سوالوں کا منشاء ایک مقدمہ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں اسی کے ظہور فساد سے سب کا جواب ہو جاوے گا۔ اور وہ مقدمہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی لفظ رفع آیا ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام کے قصہ میں بھی سو دونوں مقام پر ایک ہی معنی ہونا ضروری ہے پس اگر رفع عیسوی کو حسّی کہا جاوے تو رفع ادریسی کو بھی اور اگر رفع ادریسی کو رتبی کہا جاوے تو رفع عیسوی کو بھی اسی مقدمہ پر سب سوالات مبنی ہیں سو یہ مقدمہ ہی خود فاسد ہے کیونکہ لفظ رفع مثل دوسرے بے شمار الفاظ کے اپنے اشتراکِ معنوی کے سبب سب اقسام رفع کو عام ہے۔ اب جس مقام پر جس قسم کی ترجیح کو کوئی دلیل مقتضی ہوگی مراد میں اسی کی تعیین ہو جاوے گی اور جس جگہ ترجیح کی کوئی دلیل نہ ہوگی دونوں کو متحمل کہا جاوے گا چنانچہ رفع السماء میں مشاہدہ مرجح ہے رفع حسّی کو اور "وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ" (٣٩٩) لفظ درجات مرجح ہے ارادہ رفع رتبی کو و علیٰ ہذا تمام موارد استعمال میں

(٣٩٩): (سورۃ الزخرف: ٣٢)

تعیین مراد کی حسب ذیل ہوگی۔ پس رفع عیسوی میں دلائل مرجح ہیں رفع حسّی کو پس وہاں رفع حسّی ہوگا اور وہ دلائل کتب تفسیر وحدیث وکلام میں مشبعاً مذکور ہیں اور سب میں اقویٰ واسلم اجماع ہے اس رفع حسّی پر خواہ یہ رفع بعد وفات بساعۃ قلیلۃ ہو خواہ بدوں وفات۔ پس یہ اختلاف اصل مقصود کو مضر نہیں اور جن سلف سے وفات کا دعویٰ منقول ہے اس کا محمل یہی ہے رفع حسّی کا انکار وہ بھی نہیں کرتے پس اس رفع پر اجماع ہوگیا (۴۰۰) اس لئے آیت میں یہی مراد ہوگا۔ اور اس کی نفی میں علاوہ انکار دلائل نقلیہ کے ایک بڑا شنیع محذور عقلی لازم آتا ہے وہ یہ کہ سورۂ آل عمران کی آیت "وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ" (۴۰۱) جس کی تفصیل اسی کے متصل آیت "اِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيْسىٰ الخ" (۴۰۲) میں مذکور ہے مثل نص کے ہے ابطالِ مکر یہود میں جنہوں نے آپؑ کے اہلاک کی تدبیر کر رکھی تھی پس اگر رفع وتوفی کو موت عرفی مقرون بالدفن پر محمول کیا جاوے تو اس سے مکر یہود کا ابطال کیا ہوا بلکہ اُن کی تدبیر کی تائید وتقویت وتقریر ہوگئی کہ انہوں نے ہلاک کرنا چاہا تھا اللہ تعالیٰ ہی نے ہلاک کردیا تو اس میں اعداء کا خذلان کیا ہوا۔ ان کی مسرت ومقصود کی تکمیل ہوگئی اور اس کا شناعت عظمیٰ وقباحتِ کبریٰ ہونا ظاہر ہے اور آیت "وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ" معنی سے خالی ہوئی جاتی ہے مؤمن تو مؤمن کوئی عاقل بھی اس کو جائز نہیں رکھ سکتا اس لئے یہاں رفع حسّی متیقن ہوگا۔

اور "فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ" (۴۰۳) میں دلیل مرجح ہے رفع رتبی کو اور

---

(۴۰۰): **في تلخيص الحبير: وأما رفع عيسىٰ فاتفق أصحاب الأخبار والتفسير على أنه رفع ببدنه حياً.** (تلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير، ج: ٣، ص: ٤٣١، رقم ١٧٤٨، ط، مؤسسة قرطبة)

(۴۰۱): (سورة آل عمران: ٥٤)

(۴۰۲): (سورة آل عمران: ٥٥)

(۴۰۳): (سورة النور: ٣٦)

دلیل امر ہے تعظیم مساجد کا اور عدم وجوب ہے رفع حسّی کا اور رفع ادریسی میں کسی قسم کی ترجیح یقینی کی کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ متحمل ہوگا دونوں کا چنانچہ سلف کے اقوال دونوں طرف ہیں اس تقریر سے سب سوالات متعلقہ مقام کا جواب ہوگیا جو ادنیٰ تامل سے سب پر منطبق ہوسکتا ہے۔ اگر کسی کی تطبیق میں خفا ہو مکرر پوچھ لیا جاوے۔ واللہ اعلم۔ (امداد الفتاوی، ج: ۱۰، ص: ۴۹۷ تا ۵۰۰، ط، زکریا بک ڈپو الہند)



حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا اصل نام ''جبار'' نہیں تھا

﴿سوال﴾:

ایک صاحب کا کہنا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا اصل نام جبار تھا: لیکن آپ علیہ السلام اپنی امت کی اصلاح کے خاطر رات بھر روتے (نوحہ کرتے) تھے، اس وجہ سے ان کا صفتی نام ''نوح'' ہوگیا۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

''جبار'' تو اللہ کی صفت اور ان کا نام ہے (۴۰۴)۔ لہٰذا یہ کسی نبی کا نام نہیں ہوسکتا، حضرت نوح علیہ السلام کا جو نام قرآن وحدیث سے ثابت ہے، وہ نوح ہی ہے، کوئی دوسری زبان میں دوسرا نام ہوسکتا ہے: لیکن ان کا ''جبار'' نام نہیں ہوسکتا، عبد الجبار کہہ سکتے ہیں: لیکن کسی بھی معتبر تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ ان کا نام نوح نہیں تھا، معتبر مؤرخین ان کے

---

(۴۰۴): عن أبی هريرة رضی الله عنه، قال: قال رسول اللهﷺ: ان الله تعالی تسعة وتسعين اسما من احصاها دخل الجنة، هو الله الذی لا اله الا هو الرحمٰن الرحيم الملک القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار...الخ. (مشكاة المصابيح، كتاب الدعوات، باب اسماء الله تعالیٰ، الفصل الثانی، ص: ۱۹۹، ط، قديمی كتب خانه كراچی)

نسب نامے ان کے باپ دادا کے نام کے ساتھ بھی نوح ہی لکھتے ہیں: لہٰذا معتبر یہی ہے کہ نوح نام پہلے ہی سے تھا(۴۰۵)۔ (البدایۃ جلد ا،ص:۱۱۰،ابن سعد) واللہ اعلم بالصواب

(فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۲۱۴)



(۴۰۵):في البداية: هو نوح بن لامك بن متوشلخ بن خنوخ. وهو ادريس بن يرد بن مهلاييل بن قينن بن آنوش ابن شيث بن آدم أبى البشر عليه السلام. (البداية والنهاية، قصه نوح عليه السلام، ج: ١، ص: ١٠٠، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

نوٹ: مختلف کتابوں میں حضرت نوح کے کئی ایک نام منقول ہیں، مثلاً: فرج، الشکر، السکن، عبدالجبار، عبدالغفار۔ اور اس نام (نوح) اور اس کے وجہ تسمیہ کا بھی ذکر موجود ہے، جسے مستفتی نے ذکر کیا ہے، عبارات ملاحظہ فرمائیں:

فى المحرر الوجيز: قال النقاش: اسم نوح عبدالجبار، وقال الكلبى: اسمه فرج، ووصفه بـ الشكر لأنه كان يحمدالله فى كل حال وعلى كل نعمة على المطعم والمشرب والملبس والبراز وغير ذلك صلى الله عليه وسلم، قاله سلمان الفارسى وسعيد بن مسعود وابن أبى مريم وقتادة. (المحرر الوجيز، سورة الاسراء، الآية: ٣، ج: ٣، ص: ٤٣٧، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفى زاد المسير: وأما نوح، فأعجمى معرب، قال أبو سليمان الدمشقي: اسم نوح: السكن، وانما سمى نوحاً، لكثرة نوحه. وفى سبب نوحه خمسة أقوال. أحدها: أنه كان ينوح على نفسه، قاله يزيد الرقاشى، والثانى: أنه كان ينوح لمعاصى أهله، وقومه. والثالث: لمراجعته ربه فى ولده. والرابع: لدعائه على قومه بالهلاك. والخامس: أنه مر بكلب مجذوم، فقال اخسأ يا قبيح، فأوحى الله اليه: أعبتنى يا نوح، أم عبت الكلب. (زاد المسير فى علم التفسير، سورة آل عمران، الآية: ٣٣، ج: ١، ص: ٣٧٤)

کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین مسلمان تھے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین کون تھے؟ اور کیا وہ مسلمان تھے؟ کیا اس بارے میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے کسی کا قول موجود ہے؟

﴿الجواب باسم الملک الوھاب﴾:

تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا وہ کافر بت پرست اور مشرک تھے، مسلمان نہیں تھے (۴۰۶)۔

وفی فتح الرحمٰن: ﴿ونوحا﴾ واسمه عبدالغفار بن لامخ بن متوشلح بن حنوخ۔ وهو ادريس۔ ولد بعد مضى ألف وست مئة واثنتين وأربعين سنة من هبوط آدم۔ عليه السلام۔ وسمى نوحاً، لكثرة نوحه على نفسه. (فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن، سورة آل عمران، الآية: ۳۳، ج: ۱، ص: ٤٤٠، ط، نور الدين طالب)

وفی تفسير حدائق الروح: ﴿نوحاً﴾ الأصل الثانی للبشر، بالتوحيد والنبوة والرسالة، وجعله من أولی العزم، ولقب بنوح، لكثرة نوحه بالدعوة الی اللّٰه تعالیٰ: قيل: اسمه عبدالغفار. (تفسير حدائق الروح والريحان فی روابی علوم القرآن، سورة آل عمران، الآية: ۳۳، ج: ٤، ص: ۲۷۵، ط، دار طوق النجاة)

(۴۰۶): قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: واذ قال ابراهيم لأبيه آزر أتتخذ اصناما آلهة انی أراک وقومک فی ضلال مبين. (سورة الانعام: ۷٤)

فی تفسير ابن كثير: قال الضحاک: عن ابن عباسؓ: ان أبا ابراهيم لم يكن اسمه آزر، وانما كان اسمه تارح. رواه ابن ابی حاتم.

وهكذا قال غير واحد من علماء النسب: ان اسمه تارح. وقال مجاهد والسدی: آزر: اسم صنم.

" فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ اَنَّهُ عَدَوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَمِنْهُ ".

" قال الحسن كان اسم ابيه آذر الى ان قال وهو يقوى قول من يقول ان آذر اسم ابراهيم"..... (تفسير القرطبی: ۲۲/۷)واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (ارشاد المفتین، ج:

قلت: كأنه غلب عليه آزر لخدمته ذلك الصنم، فاللّٰه اعلم.

وقال ابن جرير: وقال آخرون: هو سب وعيب بكلامهم، ومعناه: معوج، ولم يسنده ولا حكاه عن أحد.

وقد قال ابن أبى حاتم: ذكر عن معتمر بن سليمان، سمعت أبى يقرأ: ﴿واذ قال ابراهيم لأبيه آزر﴾ قال: بلغنى أنها أعوج، وأنها أشد كلمة قالها ابراهيم، عليه السلام.

ثم قال ابن جرير: والصواب أن اسم أبيه آزر، ثم أورد على نفسه قول النسابين أن اسمه تارح، ثم أجاب بأنه قد يكون له اسمان كما لكثير من الناس، أو يكون أحدهما لقبا، وهذا الذى قاله جيد قوى واللّٰه أعلم.

وفى حاشية تفسير ابن كثير: وقد اعترض على قول ابن جرير الطبرى ومحاولته الجمع، المحدث أحمد شاكر ـ رحمه اللّٰه ـ فى بحث له فى آخر كتاب "المعرب" للجواليقى قال فى خاتمته: والحجة القاطعة فى نفى التأويلات التى زعموها فى كلمة: آزر، وفى ابطال ما سموه قراء ات، تخرج باللفظ عن أنه علم لوالد ابراهيم: الحديث الصحيح الصريح فى البخارى: عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: يلقى ابراهيم أباه آزر يوم القيامة، وعلى وجه آزر قترة وغبرة، فيقول له ابراهيم: الم أقل لك: لاتعصنى؟ فيقول أبوه: فاليوم لاأعصيك....الى آخر الحديث، وفى البخارى (۴/ ۱۳۹ من الطبعة السلطانية) وفتح البارى (۶/ ۲۷۶ من طبعة بولاق) وشرح العينى (۱۵/ ۲۴۳، ۲۴۴ من الطبعة المنيرية)، فهذا النص يدل على أنه اسم العلم، وهو لايحتمل التأويل ولاالتحريف. (تفسير ابن كثير، سورة الانعام، الآية: ۷۴، ج: ۳، ص: ۲۸۸، ۲۸۹، ط، دار طيبة)

۱، ص: ۲۹۳، ط، مکتبة الحسن لاهور)



حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد آذر تھا یا تارخ

﴿سوال﴾:

امام صاحب جمعہ کے خطبے میں کہہ رہے تھے کہ اگر ہم آذر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ مان لیں تو اس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں فرق آتا ہے، آپ کے باپ کا نام تارخ تھا۔ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ حالانکہ حضرت تھانوی اور شاہ رفیع الدین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ترجمہ میں بھی باپ کا لفظ ذکر ہے۔ آپ تعیین فرمائیں کہ آذر باپ تھا یا چچا؟

﴿الجواب﴾:

قرآن مجید سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ہی نام یا لقب آذر تھا۔ **قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمَ لِاَبِیْهِ اٰذر اھ. قال السیوطی فی تفسیره وهو لقبه واسمه تارخ.** یا اس کے برعکس کما فی التاریخ الکبیر للبخاری امام بخاریؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ آذر اور تارخ ایک ہی شخصیت کے نام اور لقب ہیں۔ اور اس سے شانِ نبوی میں فرق آنا غلط ہے۔ علامہ صاویؒ فرماتے ہیں:

> **ولا یضر کفر اصول الانبیاء فان اللّٰه یخرج الحی من المیت او یقال ان اٰذر لم یتحقق کفره الا بعد بعثة ابراهیم وحیئذ فقد انتقل منه النور المحمدی الی ولده وهو فی حالة الفترة اھ.**

بہرحال مولوی صاحب کا اصرار بھی درست نہیں اور آپ بھی تشدد نہ کریں کیوں کہ دوسرا قول بعض مفسرین نے چچا ہونے کا بھی نقل کیا ہے۔ **وقیل هو عمه واسم ابیه**

تارخ اھ۔ (صاوی) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج:۱،ص:۴۵۸،۴۵۹،ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



حضرت ابراہیم علیہ السلام رسول تھے کہ نبی؟

﴿سوال﴾:

ابراہیم علیہ السلام رسول تھے یا نبی؟

﴿الجواب وباللّٰہ التوفیق﴾:

نبی اور رسول کی مشہور تعریف یہ ہے کہ: رسول خاص ہے اور نبی عام ہے، ہر رسول نبی ہوتا ہے، ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں ہے (۴۰۷)، اس کے علاوہ کلام پاک کے بہت سے مواقع میں بہت سے انبیاء کرام کو رسول کے خطاب سے منسوب کیا ہے، جس نے امت بنائی اور امت سازی سے کام لیا وہ رسول کی فہرست میں ہیں ان سب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں (۴۰۸)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاوی دار العلوم وقف دیو بند، ج:۱،

(۴۰۷): في شرح العقائد: والرسول انسان بعثه اللّٰه تعالیٰ الی الخلق لتبليغ الأحكام، وقد يشترط فيه الكتاب بخلاف النبی، فانه أعم. (شرح العقائد النسفية، خبر الرسول ﷺ، ص: ۵۷، ط، مكتبه البشرىٰ كراتشى)

وفي الموسوعة الفقهية: الرسول في اللغة: المرسل، ويستعمل للمذكر والمؤنث والواحد والجمع، وفي التنزيل العزيز: ﴿انا رسول رب العالمين﴾ ويجمع أيضاً على رسل وأرسل.

وفي الاصطلاح: الرسول انسان بعثه اللّٰه الى الخلق لتبليغ الأحكام.

والرسول أخص من النبي، قال الكلبي والفراء: كل رسول نبي من غير عكس. (الموسوعة الفقهية، ج: ۴۰، ص: ۴۱)

(۴۰۸): قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ألم يأتيهم نبأ الذين من قبلهم قوم نوح وعاد

ص:۱۹۵، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی)



حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والے لوگ مسلمان تھے

﴿سوال﴾:

جناب مفتی صاحب! کیا حضرت ابراہیمؑ کو ماننے والے لوگ یا آپ کی امت اسلام پر تھی یا نہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ اس وقت یا آج سے چودہ سو سال پہلے کے کافروں کو جو تھوڑا بہت دنیاوی فائدہ دے رہا ہے وہ مسلمانوں کے وسیلہ دے رہا ہے؟ کیونکہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۶ میں ہے:

(ترجمہ) ''جب ابراہیمؑ نے کہا اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں پھلوں کی روزیاں دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کردوں گا، یہ پہنچنے کی جگہ بری ہے'' (۴۰۹)۔ وہ مسلمانوں کے وسیلہ سے ہے؟ مفصل جواب سے نوازیں؟

وثمود و قوم ابراهيم واصحاب مدين والمؤتفكٰت أتتهم رسولهم بالبينٰت فما كان الله ليظلمهم ولكن كانوا انفسهم يظلمون. (سورة التوبة: ٧٠)

(۴۰۹):قال اللّٰه تبارك وتعالىٰ: واذ قال ابراهيم رب اجعل هٰذا بلداً اٰمنا وارزق اهله من الثمرٰت من اٰمن منهم باللّٰه واليوم الأخر قال ومن كفر فامتعه قليلاً ثم اضطرهٗ الىٰ عذاب النار وبئس المصير. (سورة البقرة: ١٢٦)

عن أنسؓ أن رسول اللّٰهﷺ قال: لاتقوم الساعة حتى لايقال فى الأرض: اللّٰه اللّٰه. وفى رواية قال: لاتقوم الساعة على أحد يقول: اللّٰه اللّٰه. رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب لاتقوم الساعة الا على شرار الناس، الفصل الأول، ص: ٤٨٠، ط، قديمى كتب خانه كراچى)

﴾الجواب﴿:

جولوگ جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے وہ مؤمن مسلمان تھے اور جولوگ آپ پر ایمان نہیں لائے تھے وہ کافر تھے۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ زمین پر جب تک اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا ایک انسان بھی موجود ہوگا قیامت نہ آئے گی۔ اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ دنیا کے آباد رہنے کا مدار مسلمان ہی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (فتاوی حقانیہ، ج:۱ص:۷۰۳، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)



حضرت ابراہیم علیہ السلام کوآگ میں ڈالا جانا کتھا نہیں حقیقت ہے

﴾سوال﴿:

زید کا کہنا ہے کہ ہندو دھرم کے ''پہلاد'' کے والد ''ہرنے کشیپ'' خودکو بھگوان کہتے تھے اور اپنی عبادت کرواتے تھے، تو اس کے بیٹے پہلاد نے اس کی مخالفت کی، جس کے ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی، مگراس میں پہلاد کا بچاؤ ہوا، اسی کتھا (۱) سے ملتی جلتی اسلام کی ایک کتھا ہے، کہ آزر خود کو خدا کہلواتا تھا، اس کے بیٹے حضرت ابراہیم پیغمبر علیہ السلام نے اس کی مخالفت کی، جس کی وجہ سے آزر نے اپنے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈلوادیا، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عجیب طریقہ سے بچاؤ ہوا، وہ بھی محرم کی دسویں تاریخ کا دن تھا، تو سوال یہ ہے کہ زید کی یہ بات صحیح ہے یا غلط؟ حضرت ابراہیم کا واقعہ کتھا ہے یا حقیقت؟

﴾الجواب حامداً ومصلیاً﴿:

(۱): کتھا: بیان، مقولہ، بات، قصہ، کہانی، افسانہ۔ (فیروز اللغات)

حضرت ابراہیم کا قصہ ایک حقیقت ہے، کتھا نہیں (۲)۔ ممکن ہے پہلا دوغیرہ کی کہانیاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے متاثر ہوکر بنائی گئی ہو یا حضرت ابراہیم ہی کو پہلاد کے روپ میں بتلایا گیا ہو اور بعد میں اس قصہ میں ردوبدل کر کے ایک کتھا بنائی گئی ہو، کسی مذہب کی کوئی بات مذہب اسلام سے ملتی جلتی نظر آئے، تو اس سے اس کا حق ہونا ثابت نہیں ہوجاتا، جب تک کہ اسلام کے تمام عقائد کو قبول نہ کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱ص:۲۱۲،۲۱۳)



(۲):قال اللّٰہ تبارک وتعالی: قالوا حرقوه وانصروا الٰهتكم ان كنتم فاعلين. قلنا ينار كونی برداً وسلٰماً علی ابراهيم. وفی الجامع لأحكام القرآن تحت هذه الآية: قوله تعالیٰ: ﴿وانصروا الٰهتكم﴾ بتحريق ابراهيم، لأنه يسبها ويعيبها. وجاء فی الخبر: أن نمرود بنی صرحاً طوله ثمانون ذراعاً، وعرضه أربعون ذراعاً. قال ابن اسحاق: وجمعوا الحطب شهراً ثم أوقدوها. واشتعلت واشتدت حتی أن كان الطائر ليمر بجنباتها فيحترق من شدة وهجها. ثم قيدوا ابراهيم ووضعوه فی المنجنيق مغلولاً۔ ويقال: ان ابليس صنع لهم المنجنيق يومئذ۔ فضجت السماوات والأرض ومن فيهن من الملائكة وجميع الخلق الا الثقلين ضجة واحدة [وقالوا: أی] ربنا! ابراهيم ليس فی أرضک أحد يعبدک غيره يحرق فيک، فأذن لنا فی نصرته، فقال اللّٰہ تعالی: ان استغاث بشیء منكم أو دعاه فلينصره، فقد أذنت له فی ذلک، وان لم يدع غيری، فأنا أعلم به وأنا وليه. فلما أرادوا القاءه فی النار، أتاه خزان الماء۔ وهو فی الهواء۔ فقالوا: يا ابراهيم ان أردت أخمدنا النار بالماء فقال: لاحاجة لی اليكم. وأتاه ملک الريح فقال: لو شئت طيرت النار. فقال: لا. ثم رفع رأسه الی السماء فقال: اللّٰهم أنت الواحد فی السماء، وأنا الواحد فی الأرض، ليس أحد يعبدک غيری، حسبی اللّٰہ ونعم الوكيل. (الجامع لأحكام القرآن، سورة الأنبياء، الآية: ٦٨، ٦٩، ج:١٤، ص:٢٢٦، ٢٢٧، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں من گھڑت قصہ

﴾سـوال﴿:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر ہمارے ہاں مشہور ہے کہ حضرت ابراہم علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں ایک بیوی نے ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قسم دی کہ اگر آپ اپنے بیٹے کو محبت سے دیکھیں تو دوسری بیوی اور اس کے بیٹے کا گوشت کہیں سے کاٹیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس قسم کو پورا کرنے کے لئے حضرت ہاجرہ کے ناک اور کان چھیدے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ کرایا۔ کیا یہ قصہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو کس حد تک صحیح ہے؟

﴾الجواب حامداً ومصلیاً﴿:

صورت مسئولہ میں مذکورہ واقعہ کا کہیں سے ثبوت نہیں ملا البتہ یہ ملتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ خود کیا تھا جس کے بعد سے ختنہ مسنون ومشروع ہوگیا۔ اور ناک وکان چھدوانا عورتوں میں بطور زینت کے رائج ہے، قسم پوری کرنے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

لما فی احکام القرآن للقرطبی (۹۸/۲): اجمع العلماء علی ان ابراهیم علیه السلام اول من اختتن واختلف فی السن التی اختتن فیها ففی الموطا عن ابی هریرة موقوفا وهو ابن مائة وعشرین سنة وعاش بعد ذلک ثمانین سنة ومثل هذا لایکون رأیا.

وفی روح البیان (۲۲۲/۱): واما الختان.... جمهور العلماء علی ان ذلک من مؤکدات السنن ومن فطرة الاسلام التی لایسع ترکها فی الرجال الا ان یولد الصبی مختونا وقد

ولـد الانبيـاء كـلهـم مـختـونيـن مسـرورين..... كرامة لهم الاابـراهيـم خـليـل الله فانه ختن نفسه. (نـجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۲۹)



حضرت ابراہیمؑ نے ملائکہ کی مدد کی پیشکش کیوں ٹھکرادی؟

﴿سـوال﴾:

ایک حدیث ہے کہ:

ا:..."**حـدثـنـا مـعتـمـر بـن سـليمان التيمي عن بعض اصـحـابـه قـال: جـاء جبريل الٰى ابراهيم عليهما السلام وهو يـوثـق او يـقمط ليلقى فى النار قال: يا ابراهيم! ألک حاجة؟ قال: اما اليک فلا!**". (جـامع البيان فی تفسير القرآن، ج: ۱۷، ص: ٤٥)

۲:..."**وروى ابـى بـن كـعـب... فـاستـقبله جبريل، فـقـال: يـا ابـراهيـم ! ألک حـاجة؟ قال: اما اليک فلا! فقال جبـرائـيـل: فـاسـئـل ربـک ! فـقـال: حسبـى من سؤالى علمه بحالى!**". (تفسير قرطبی ج: ۱۱، ص: ۲۰۳)

۳:... "**فـاتاه خازن للرياح وخازن المياه يستأذنه فى اعدام النار، فقال عليه السلام: لا حاجة لى اليكم! حسبى الله ونعم الوكيل**".

۴:... "**وروى ابـن كـعـب الخ وفيه فقال: يا ابراهيم! ألک حـاجة؟ قـال: امـا اليک فلا!**". (روح الـمـعانی، ج: ۹،

ص: ٦٨)

۵:.....اسی طرح تفسیر مظہری اردو ج:۸ص:۵۴ میں حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت بھی ہے۔

٦ :.... "**وذكر بعض السلف ان جبريل عرض له في الهواء فقال: ألك حاجة؟ فقال: اما اليك فلا!**". (البداية والنهاية، ج: ١، ص: ١٤٩)

۷:.... "**وذكر بعض السلف انه عرض له جبريل وهو في الهواء فقال: ألك حاجة؟ فقال: اما اليك فلا! واما من الله فبلىٰ**".

ان مندرجہ بالا روایات کے پیشِ نظر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کو اس انداز سے بیان کرنا کہ: فرشتے اللہ تعالیٰ سے اجازت لے کر حاضر ہوئے اور ابراہیمؑ کو مدد کی پیشکش کی، لیکن ابراہیمؑ نے ان کی پیشکش کو قبول نہ کیا، درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

یہ تو ظاہر ہے کہ ملائکہ علیہم السلام بغیر امر واذن الٰہی دم نہیں مارتے، اس لئے سیّدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰات والتسلیمات کو ان حضرات کی طرف سے مدد کی پیشکش بدوں اذن الٰہی نہیں ہوسکتی، لیکن حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات اس وقت مقام توحید میں تھے، اور غیر اللہ سے نظر یکسر اٹھ گئی تھی، اس لئے تمام اسباب سے (کہ من جملہ ان کے ایک دعا بھی ہے) دست کش ہوگئے، کاملین میں یہ حالت ہمیشہ نہیں ہوا کرتی: "گاہے باشد وگاہے نہ، "**ولٰكن يا حنظلة ساعة!**" (۳) **هذا ما عندي والله اعلم**

(۳):**عن أبي عثمان النهدي، عن حنظلة الأسيدي قال: وكان من كتاب رسول الله ﷺ ـ قال: لقيني أبوبكر فقال: كيف أنت؟ يا حنظلة! قال: قلت: نافق حنظلة، قال: سبحان الله! ما تقول؟ قال قلت: نكون عند رسول الله ﷺ، يذكرنا**

بالصواب! (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱،ص:۱۶۳، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضرت ابرہیم علیہ السلام کے پاس حضرت اسماعیل کے ذبح کے وقت دنبہ لے کر کون آیا تھا؟

﴿سوال﴾:

ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر جب چھری پھیری، اُن کے تذکرہ میں دنبے کا ذکر کہیں دیکھنے میں نہیں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے چھری کے نیچے دنبہ ملائکہ مقربین کے ذریعہ بھیجا ہو اور دنبہ کی قربانی ہوئی ہو، اس بارے میں پوری بات بخاری شریف میں ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ چھری حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر پھیری گئی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے قربانی قبول کرلی تھی، دنبہ ذبح نہیں ہوا تھا۔

بالنار والجنة حتى كأنا رأى عين، فاذا خرجنا من عند رسول اللهﷺ، عافسنا الأزواج والأولاد والضيعات، نسينا كثيراً، قال أبوبكر: فوالله! انا نلقىٰ مثل هٰذا، فانطلقت أنا وأبوبكر، حتىٰ دخلنا على رسول الله! فقال رسول الله: وما ذاک؟ قلت: يارسول الله! نكون عندک، تذكرنا بالجنة والنار، حتى كأنا رأى عين، فاذا خرجنا من عندک، عافسنا الأزواج والأولاد والضيعات۔ نسينا كثيرا۔ فقال رسول اللهﷺ: والذى نفسى بيده! ان لو تدومون على ما تكونون عندى، وفى الذكر، لصافحتكم الملائكة على فرشكم وفى طرقكم، ولكن، يا حنظلة! ساعة وساعة ثلاث مرار. (صحيح مسلم، كتاب التوبة، باب فضل دوام الذكر والفكر فى أمور الآخرة، والمراقبة وجواز ترك ذلك فى بعض الأوقات، والاشتغال بالدنيا، ص: ١١٩١، رقم: ٦٩٦٦، ط، دار السلام رياض)

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

مذکورہ تحریر کوئی ایسا سوال نہیں ہے جس کا تعلق کسی عقیدے سے یا حلال وحرام کے کسی حکم سے ہو، اور ہر بات کو ثابت کرنے کے لیے بخاری شریف کی ضرورت نہیں ہے، اس کے علاوہ دیگر کتب احادیث سے بھی علم حاصل ہوتا ہے، مسئلہ مذکورہ میں اگر آپ کی کوئی تحقیق ہے، تو مجھے بھی اس سے مطلع فرمائیں!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ چھری چلائیں، لہٰذا ان کا کام چھری چلانا تھا، اب کس پر چھری پھیری؟ اس بارے میں علماء مفسرین کے دو قول ہیں:

(۱) چھری حضرت اسماعیل علیہ السلام پر پھیری گئی (۴)۔

(۲) چھری پھیرنے کا ارداہ کیا تو آواز آئی کہ: اے ابراہیمؑ! آپ نے جواب دیا:

---

(۴): فی تفسیر ابن کثیر: فعن ابن عباسؓ فی تسمیة الذبیح روایتان، والأظهر عنه اسماعیل. (تفسیر ابن کثیر، سورة الصافات، الآیة: ۹۹تا ۱۱۳، ج: ۷، ص: ۲۸، ط، دار طیبة)

وفی الدرالمنثور: وأخرج ابن جریر، والحاکم، من طریق عطاء بن أبی رباح، عن ابن عباسؓ قال المفدی اسماعیل، وزعمت الیهود أنه اسحاق، وکذبت الیهود.

وأخرج الفریابی، وابن أبی شیبة، وابن جریر، وابن المنذر، والحاکم وصححه، من طریق الشعبی، عن ابن عباسؓ قال: الذبیح اسماعیل.

وأخرج سعید بن منصور، وابن المنذر، وابن أبی حاتم، من طریق مجاهد ویوسف بن ماهک، عن ابن عباسؓ قال: الذبیح اسماعیل.

وأخرج عبد بن حمید عن سعید بن المسیب، وسعید بن جبیر، قالا: الذی أراد ابراهیم ذبحه اسماعیل.

وأخرح عبد بن حمید، وابن جریر، وابن المنذر، والحاکم وصححه، عن ابن عمرؓ فی قوله: ﴿وفدینٰه بذبح عظیم﴾. قال: اسماعیل، ذبح عنه ابراهیم الکبش.

(الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، الآیة: ۱۰۲تا ۱۰۷، ج: ۱۲، ص: ۴۳۲، ۴۳۳)

"لبیک، اللّٰہ أکبر" تو فرشتہ نے بھی "اللّٰہ أکبر" کہا، دنبہ نے بھی کہا، حضرت اسماعیل نے بھی کہا۔

پہلے قول کے مطابق چھری پھیری گئی، لیکن رگیں اور کھال نہیں کٹی، تانبے کا ٹکڑا وہاں رکھ دیا گیا، کوشش جاری تھی اور وہاں دنبہ لایا گیا اور اس کو ذبح کیا گیا (۵)۔ (روح المعانی: ۱۷۱/ پارہ: ۲۳)۔ (فتاوی فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۵۵۰)



---

(۵): فی تفسیر البغوی: ﴿وفدیناه بذبح عظیم﴾، فنظر ابراهیم فاذا هو بجبریل ومعه کبش أملح أقرن، فقال: هذا فداء لابنک فاذبحه دونه فکبر جبریل، وکبر الکبش، وکبر ابنه، فأخذ ابراهیم الکبش فأتی به المنحر من منی فذبحه.

قال أکثر المفسرین: کان ذلک الکبش رعی فی الجنة أربعین خریفاً.

(تفسیر البغوی، سورة الصافات، الآیة: ۱۰۷، ج: ۷، ص: ۵۰، ط، دار طیبة ریاض)

وفی الجامع لأحکام القرآن: وروی أنه لما ذبحه قال جبریل: اللّٰه اکبر، اللّٰه اکبر. فقال الذبیح: لا اله الا اللّٰه واللّٰه أکبر. فقال ابراهیم: اللّٰه أکبر والحمدللّٰه، فبقی سنة. (الجامع لأحکام القرآن، سورة الصافات، الآیة: ۱۰۲ تا ۱۱۳، ج: ۱۸، ص: ٦٦، ط، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان)

وفیه ایضاً: وقال ابن عباس: هو الکبش الذی تقرب به هابیل: وکان فی الجنة حتی فدی اللّٰه به اسماعیل. وعنه أیضاً: أنه کبش أرسله اللّٰه من الجنة کان قد رعی فی الجنة أربعین خریفاً. (الجامع لأحکام القرآن، سورة الصافات، الآیة: ۱۰۷ تا ۱۱۳، ج: ۱۸، ص: ۷۳، ط، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحہ کا گوشت کس نے کھایا تھا؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے جس مینڈھے کو ذبح کیا تھا اس کا گوشت کس نے کھایا تھا؟ لوگوں سے اس بارے میں بہت کچھ سننے کو ملتا ہے۔

﴿الجواب﴾:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحہ کے گوشت کے بارے میں صاحب تفسیر صاوی نے لکھا ہے کہ یہ گوشت درندو پرند نے کھایا تھا اس لیے کہ اس کا پکانا مشکل بلکہ ناممکن تھا کیونکہ جنتی گوشت پر آگ اثرانداز نہیں ہوتی۔

قال العلامة الصاوی رحمه اللّٰه : وبقی قرناه معلقين علی الكعبة الی ان احترق البيت فی زمن ابن الزبير وما بقی من الكبش اكلته السباع والطّيور لان النّار لاتؤثر فيها هو من الجنّة. (حاشية العلامة الصاوی علی الجلالين ج ٤ ص ٣٤٣ سورة الصّافّات) (٦)۔ (فتاوی حقانيه، ج: ٢، ص: ١٧٤، ط، مكتبه سيد احمد شهيد اكوڑه ختك)



(٦):(حاشية الصاوی علی تفسير الجلالين، سورة الصافات، ج: ٣، ص: ٣٢٢، ط، مطبعة مصطفی البانی الحلبی مصر)

ذبیحہ ابراہیمی کا جنت سے آنا منصوص نہیں

﴿سوال﴾:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو مینڈھا ذبح فرمایا تھا تو وہ جنت سے آیا ہوا مینڈھا تھا تو کیا بعد الذبح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس کا گوشت کھایا تھا یا نہیں اگر کھایا تھا تو جنت کی نعمت جو بعد الموت جنت میں ملے گی دنیا میں کیسے مل گئی۔ اور اگر نہیں کھایا تو طیب وطاہر نعمت کا نہ کھانا بھی اچھا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

اس مینڈے کا جنت سے آنا منصوص نہیں۔ بلکہ اسرائیلیات سے ثابت ہے(۷)۔ نیز بظاہر اس کا کھانا معلوم ہوتا ہے(۸)۔ **لان اضاعة المال حرام**۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر بھی بنی اسرائیل کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ جو امور لایعنی ہوں۔ ان کے متعلق سوالات

---

(۷): **فی الدرالمنثور: وأخرج ابن أبی شیبة، وابن جریر، وابن المنذر، وابن أبی حاتم، عن ابن عباسؓ فی قوله: ﴿وفدینٰه بذبح عظیم﴾. قال: کبش قد رعی فی الجنة أربعین خریفاً.** (الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة الصافات، الآیة: ۱۰۲تا ۱۰۷، ج: ۱۲، ص: ٤٤٩)

وفی الجامع لأحکام القرآن: وقال ابن عباس: هو الکبش الذی تقرب به هابیل: وکان فی الجنة حتی فدی اللّٰه به اسماعیل. وعنه أیضاً: أنه کبش أرسله اللّٰه من الجنة کان قد رعی فی الجنة أربعین خریفاً. (الجامع لأحکام القرآن، سورة الصافات، الآیة: ۱۰۷تا ۱۱۳، ج: ۱۸، ص: ۷۳، ط، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان)

(۸): **فی حاشیة الصاوی: (قوله: فذبحه السید ابراهیم) أی وبقی قرناه معلقین علی الکعبة الی أن احترق البیت فی زمن ابن الزبیر وما بقی من الکبش أکلته السباع والطیور لأن النار لاتؤثر فیما هو من الجنة.** (حاشیة الصاوی علی تفسیر الجلالین، سورة الصافات، ج: ۳، ص: ۳۲۲، ط، مطبعة مصطفی البانی الحلبی مصر)

سے اجتناب کریں۔وھو الموفق .(فتاوی فریدیہ،ج:۱،ص:۴۷۸)



حضرت ابراھیم علیہ السلام کے صدیق ہونے اور ثلاث کذبات کے درمیان تعارض کا جواب

﴿سوال﴾:

مندرجہ ذیل آیت مبارکہ اور حدیث شریف میں تطبیق کیوں کر ہوسکتی ہے۔ جواب مفصل تحریر فرمایئے اور مجھ گنہگار خادم دین کے لئے دعاء بھی ضرور کیجئے۔

آیت قرآنی:﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا﴾(۹)(پارہ۱۶سورۂ مریم)

حدیث مشکوۃ شریف باب الحوض و الشفاعۃ فصل اول میں مرفوعاً آیا ہے:

”قال فلياتون ابراهيم فيقول انى لست هناكم ويذكر ثلث كذبات كذبهن.(۱۰)

---

(۹):(سورة مريم: ٤١)

(۱۰):(مشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب الحوض و الشفاعة، الفصل الأول، ص: ٤٨٨، ط، قديمى كتب خانه كراچى)

عن أنس رضى الله عنه: أن النبىﷺ قال: يحبس المؤمنون يوم القيامة حتى يهموا بذلك فيقولون: لو استشفعنا الى ربنا فيريحنا من مكاننا، فيأتون آدم فيقولون: أنت آدم أبو الناس، خلقك الله بيده، وأسكنك جنته، وأسجد لك ملائكته، وعلمك اسماء كل شىء لتشفع لنا عند ربك حتى يريحنا من مكاننا هذا. قال: فيقول: لست هناكم، قال: ويذكر خطيئته التى أصاب أكله من الشجرة، وقد نهى عنها، ولكن ائتوا نوحاً أول نبى بعثه الله الى أهل الأرض. فيأتون نوحاً

﴿الجواب﴾:

تعارض کی تقریر لکھ کر تطبیق کا سوال با قاعدہ ہوتا۔ غالبًا یہ مراد ہوگی کہ قرآن مجید سے آپ کا صادق کامل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور حدیث میں بعض کذب کا صدور معلوم ہوتا ہے۔ جو صدق کامل کا منافی ہے۔ اگر یہی مراد ہے تو جواب یہ ہے کہ صدق حقیقی اور کذب صوری میں منافات نہیں۔ جن واقعات کو کذب سے تعبیر کیا گیا ہے وہ بھی بالکل صدق ہی ہیں (۱۱)۔ چنانچہ اہل علم جانتے ہیں۔ (النور۔ ص ۷ شوال المکرّم ۵۸ھ) (امداد الفتاوی، ج:۱۱، ص:۱۹۵، ط، زکریا بک ڈپو الہند)



فیقول: لست هناكم، ويذكر خطيئته التى اصاب سؤاله ربه بغير علم، ولكن ائتوا ابراهيم خليل الرحمٰن. قال: فيأتون ابراهيم فيقول: انى لست هناكم، ويذكر ثلاث كذبات كذبهن...الخ. (صحيح البخارى، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة﴾، ص: ١٥٦٠، ١٥٦١، رقم: ٧٤٤٠، ط، دار السلام رياض)

(١١):في المرقات: (ولكن ائتوا ابراهيم خليل الرحمٰن. قال: فيأتون ابراهيم فيقول: انى لست هناكم ويذكر ثلاث كذبات كذبهن) بالتخفيف، أى قالهن كذباً. قال البيضاوى رحمه الله: احدى الكذبات المنسوبات الى ابراهيم عليه الصلاة والسلام قوله: ﴿انى سقيم﴾ [الصافات: ٨٩]. وثانيتها قوله: ﴿بل فعله كبيرهم هذا﴾ [الانبياء: ٦٣]. وثالثها قوله لسارة: هى أختى. والحق أنها معاريض، ولكن لما كانت صورتها صورة الكذب سماها أكاذيب واستنقص من نفسه لها، فان من كان أعرف بالله وأقرب منه منزلة كان أعظم خطراً وأشد خشية وعلى هذا القياس سائر ما أضيف الى الأنبياء من الخطايا. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب الحوض والشفاعة، الفصل الأول، ج: ١٠، ص: ٢٣١، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کے بارے میں ایک استفسار کا جواب

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید دوران تقریر کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان بت فروش اور

وفی فتح الملهم: قال الحافظ: وأما اطلاق ابراهيم الكذب على الأمور الثلاثة فلكونه قال قولاً يعتقده السامع كذباً، لكنه اذا حقق لم يكن كذباً، لأنه من باب المعاريض المحتملة للأمرين، فليس بكذب محض:

فقوله: ﴿انى سقيم﴾ [الصافات، الآية: ۸۹] يحتمل أن يكون أراد أنى سقيم، أى: سأسقم، واسم الفاعل يستعمل بمعنى المستقبل كثيراً، ويحتمل أنه أراد أنى سقيم بما قدر على من الموت، أو سقيم الحجة على الخروج معكم، وحكى النووى عن بعضهم أنه كان تأخذه الحمى فى ذلك الوقت، وهو بعيد، لأنه لو كان كذلك لم يكن كذباً لاتصريحاً ولاتعريضاً.

وقوله: ﴿بل فعله كبيرهم﴾ قال القرطبى: هذا قاله تمهيداً للاستدلال على أن الأصنام ليست بآلهة، وقطعاً لقومه فى قولهم: انها تضر وتنفع، وهذا الاستدلال يتجوز فيه فى الشرط المتصل، ولهذا أردف قوله: ﴿فسئلوهم ان كانوا ينطقون﴾ [الأنبياء، آية: ۶۳] أو انه أسند اليه ذلك لكونه السبب، وعن الكسائى أنه كان يقف عند قوله: ﴿بل فعله﴾ أى: فعله من فعله كائناً ما كان، ثم يبتدئ "كبيرهم هذا"، وهذا خبر مستقل، ثم يقول: ﴿فسئلوهم﴾ الى آخره، ولايخفى تكلفه.

وقوله: "هذه أختى" يعتذر عنه بأن مراده أنها أخته فى الاسلام، كما سيأتى واضحاً. (موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب الايمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، ج: ۲، ص: ۳۵۹، ۳۶۰، ط، دار احياء التراث العربى بيروت لبنان)

بت پرست تھا، اس پر عمرو نے فوراً اعتراض کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان توحید پرست تھا۔ تو کیا زید حق پر ہے یا عمرو؟

(۲) عمرو کا بیان ہے کہ آزر لفظ لغت میں خدا پرست کو کہتے ہیں، کیا عمرو کا یہ بیان صحیح ہے؟

(۳) لابیہ آزر، اَبُ سے مراد چچا یا کوئی اور لواحق ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) کیا قرآن کریم میں کہیں لفظ اَبْ بول کر اس سے مراد چچا لیا ہے یا نہیں؟ ان تمام مسائل کا تحقیقی جواب عنایت فرمائیں؟

﴿الجواب﴾:

قرآن کریم اس کا شاہد ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد مشرک اور بت پرست تھے اور ان کا سارا خاندان اس وقت بت پرست تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بابل اور عراق چھوڑ کر شام کی طرف کوچ کرنا پڑا۔ صرف حضرت لوط علیہ السلام جو ہاران کے بیٹے تھے اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تابع ہوکر ان کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی۔ اور پھر حضرت لوط علیہ السلام سدوم کے علاقے کی طرف مبعوث فرمائے گئے (۱۲)، قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱۲): قال اللّٰہ تبارک وتعالی: فاٰمن له لوط وقال انی مهاجر الی ربی انه هو العزیز الحکیم.

وفی الجامع لأحکام القرآن تحت هذه الآیة: قوله تعالی: ﴿فاٰمن له لوط﴾ ولوط أول من صدق ابراهیم رأی النار علیه برداً وسلاماً. قال ابن اسحاق: آمن لوط بابراهیم وکان ابن أخیه، وآمنت به سارة وکانت بنت عمه. ﴿وقال انی مهاجر الی ربی﴾ قال النخعی وقتادة: الذی قال: ﴿انی مهاجر الی ربی﴾ هو ابراهیم علیه السلام. قال قتادة: هاجر من کوثا وهی قریة من سواد الکوفة الی جران ثم الی الشام، ومعه ابن أخیه لوط بن هاران بن تارخ، وامرأته سارة. قال الکلبی: هاجر من

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَاماً اٰلِهَةً. اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۱۳) (سورۃ الانعام)

آیت کریمہ صاف دلالت کرتی ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا اور وہ اور اس کی قوم گمراہ تھی کیونکہ اس قوم) نے حق کو چھوڑ کر شرک وبت پرستی کا راستہ اختیار کر رکھا تھا۔ علماء انساب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام ''تارخ'' لکھا ہے، ممکن ہے ''تارخ'' نام اور ''آزر'' لقب ہو علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مجاھدؒ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ ''آزر'' ایک بت کا نام تھا (۱۴)، ہوسکتا ہے کہ اس بت کی خدمت میں زیادہ رہنے کی

أرض حران الى فلسطين، وهو أول من هاجر من أرض الكفر. (الجامع لأحكام القرآن، سورة العنكبوت، الآية: ٢٦، ج: ١٦، ص: ٣٥٥، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

وفي تفسير ابن كثير: ولوط بن هاران بن آزر، وهو ابن أخي ابراهيم الخليل، عليهما السلام، وكان قد آمن مع ابراهيم، عليه السلام، وهاجر معه الى ارض الشام، فبعثه اللّٰه تعالىٰ الى اهل سدوم وما حولها من القرى، يدعوهم الى الله عزوجل، ويأمرهم بالمعروف وينهاهم عما كانوا يرتكبونه من المآثم والمحارم والفواحش التي اخترعوها، لم يسبقهم بها أحد من بني آدم ولاغيرهم، وهو اتيان الذكور. وهذا شيء لم يكن بنو آدم تعهده ولاتألفه، ولايخطر ببالهم، حتى صنع ذلك أهل سدوم عليهم لعائن اللّٰه. (تفسير ابن كثير، سورة الأعراف، الآية: ٨٠، ج: ٣، ص: ٤٤٤، ٤٤٥، ط، دار طيبة)

(۱۳): (سورة الانعام: ٧٤)

(۱۴): قال اللّٰه تبارك وتعالىٰ: واذ قال ابراهيم لأبيه آزر أتتخذ اصناما آلهة انى أراك وقومك في ضلال مبين. (سورة الانعام: ٧٤)

في تفسير ابن كثير: قال الضحاك: عن ابن عباسؓ: ان أبا ابراهيم لم يكن اسمه آزر، وانما كان اسمه تارح. رواه ابن ابي حاتم.

وجہ سے خود ان کا لقب بھی آزر پڑ گیا ہو آزر کا معنیٰ خدا پرست ہم نے کسی لغت میں نہیں دیکھا اور اگر بالفرض آزر کا معنیٰ خدا پرست بھی ہو جائے، تو چونکہ وہ بھی (آزر اور اس کی قوم)

وهكذا قال غير واحد من علماء النسب: ان اسمه تارح. وقال مجاهد والسدى: آزر: اسم صنم.

قلت: كأنه غلب عليه آزر لخدمته ذلك الصنم، فالله اعلم.

وقال ابن جرير: وقال آخرون: هو سب وعيب بكلامهم، ومعناه: معوج، ولم يسنده ولا حكاه عن أحد.

وقد قال ابن أبى حاتم: ذكر عن معتمر بن سليمان، سمعت أبى يقرأ: ﴿واذ قال ابراهيم لأبيه آزر﴾ قال: بلغنى أنها أعوج، وأنها أشد كلمة قالها ابراهيم، عليه السلام.

ثم قال ابن جرير: والصواب أن اسم أبيه آزر، ثم أورد على نفسه قول النسابين أن اسمه تارح، ثم أجاب بأنه قد يكون له اسمان كما لكثير من الناس، أو يكون أحدهما لقبا، وهذا الذى قاله جيد قوى والله أعلم.

وفى حاشية تفسير ابن كثير: وقد اعترض على قول ابن جرير الطبرى ومحاولته الجمع، المحدث أحمد شاكر۔ رحمه الله۔ فى بحث له فى آخر كتاب "المعرب" للجواليقى قال فى خاتمته: والحجة القاطعة فى نفى التأويلات التى زعموها فى كلمة: آزر، وفى ابطال ما سموه قراء ات، تخرج باللفظ عن أنه علم لوالد ابراهيم: الحديث الصحيح الصريح فى البخارى: عن النبى ﷺ قال: يلقى ابراهيم أباه آزر يوم القيامة، وعلى وجه آزر قترة وغبرة، فيقول له ابراهيم: الم أقل لك: لاتعصنى؟ فيقول أبوه: فاليوم لاأعصيك....الى آخر الحديث، وفى البخارى (۴/ ۱۳۹ من الطبعة السلطانية) وفتح البارى (۶/ ۲۷۶ من طبعة بولاق) وشرح العينى (۱۵/ ۲۴۳، ۲۴۴ من الطبعة المنيرية)، فهذا النص يدل على أنه اسم العلم، وهو لايحتمل التأويل و لاالتحريف. (تفسير ابن كثير، سورة الانعام، الآية: ۷۴، ج: ۳، ص: ۲۸۸، ۲۸۹، ط، دار طيبة)

اپنے آپ کو خدا پرست سمجھتے تھے، باطل معبودوں کو خدائی کا درجہ دے کر خدائی صفات اور اختیارات ان کے سپرد کر رکھے تھے، اسی وجہ سے وہ اپنے آپ کو خدا پرست کہتے تھے، لیکن اس سے یہ ثابت ہوتا کہ وہ موحد بھی تھا جبکہ قرآنی نصوص اس کی بت پرستی اور شرک کو ظاہر کرتے ہیں۔ ''اِنِّیۤ اَرٰىکَ وَقَوْمَکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ''.

اس سے صریح اور صاف گواہی کیا ہوگی کہ اشرف المخلوقات انسان اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے پتھروں کو خدائی کا درجہ دے کر ان کے سامنے سربسجود ہو جائے اور ان سے مرادیں مانگنا شروع کر دے۔ میرے نزدیک تو اس مسئلہ میں زید حق پر ہے۔

(۲) سوال نمبر (۱) کے جواب میں اس کا جواب بھی ہو گیا کہ آزر کا معنیٰ لغت میں خدا پرست ہم نے نہیں دیکھا بلکہ آزر ایک بت کا نام تھا، اور بقول مجاھدؒ اگر اس کا معنیٰ خدا پرست ہو بھی جائے تو اس سے اس کا توحید پرست ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

(۳) اَبْ کا اطلاق مجازاً چچا پر ہو سکتا ہے مگر اس کے لیے قرینہ ہونا چاہئے کہ یہاں اب سے اپنا حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہے، جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ؟ تو بیٹوں نے جواب میں کہا: نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِکَ اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحَاقَ اِلٰھاً وَّاحِدًا (۱۵). تو یہاں اسمٰعیل علیہ السلام کے یعقوب علیہ السلام کا باپ کہا گیا ہے حالانکہ وہ یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے کیونکہ قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ اسمٰعیلؑ اور اسحٰق علیہ السلام دونوں بھائی تھے اور

وفي القرطبي: قال محمد بن اسحاق الكلبي والضحاک: ان آزر ابو ابراهيم عليه السلام، وهو تارح، مثل اسرائيل ويعقوب.

قلت: فيكون له اسمان كما تقدم. (الجامع لأحكام القرآن، سورة الانعام، الآية: ۷٤، ج: ۸، ص: ٤۳۳، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۱۵): (سورة البقرة: ۱۳۳)

یعقوبؑ اسحٰق کے بیٹے تھے(۱۶)۔مگر ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام علماء انساب نے ''تارخ'' لکھا ہے اور جسے قرآن کریم نے آزر کے نام یا لقب سے یاد کیا ہے لیکن یہ کہیں تصریح نہیں کہ ''تارخ'' اور ''آزر'' کسی تیسرے شخص کے بیٹے تھے۔سورۃ الانعام کی مذکورہ آیت کے بعد اب سورۃ توبہ پارہ۹ کی آیت ملاحظہ فرمائیں: جولوگ ''آزر'' کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی یہ تمامتر کوشش صرف اس لیے ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے باپ موّحد تھے مشرک نہ تھے اور ''آزر'' کو قرآن کریم نے مشرک کہا ہے اس لیے وہ دوسرے شخص تھے،مگر ان کی یہ کوشش ناکام ہے کیونکہ قرآن کریم خود تصریح کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا باپ مشرک تھا۔وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (۱۷). (الایہ) سورۃ مریم میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے قبول حق سے اعراض کیا درضد وعناد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قتل کی دھمکیاں دینے لگا تو آپؑ نے والدین کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا: سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (۱۸). یعنی میں خدا سے تیرے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔اس وعدہ کے موافق آپ علیہ الصلاۃ والسلام برابر استغفار کرتے رہے، چنانچہ دوسری جگہ وَاغْفِرْ لِاَبِیْ (۱۹) فرمانے کی تصریح موجود ہے۔اس کا مطلب یہ

---

(۱۶):فی التفسیر المأمون: وقوله: ﴿اذ قال لبنيه ما تعبدون من بعدی﴾ أی: من بعد وفاتی. ﴿قالوا نعبد الٰهک واله اٰبآئک ابراهيم واسماعيل واسحاق﴾. قال ابن کثير: وهذا من باب التغليب، لأن اسماعيل عمه. قال النحاس: والعرب تسمی العم أبا. نقله القرطبی. (التفسير المأمون علی منهج التنزيل والصحيح المسنون، سورة البقرة، الآية: ۱۳۳، ج: ۱، ص: ۴۲۲)

(۱۷):(سورة التوبة: ۱۱۴)

(۱۸):(سورة مريم: ۴۷)

(۱۹):(سورة الشعراء: ۸۶)

نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک مشرک حالت شرک پر قائم رہتے ہوئے مغفرت چاہتے تھے، نہیں! بلکہ غرض یہ تھی کہ اللہ اس کو توفیق دے کہ حالت شرک سے نکل کر اسلام کی آغوش میں آجائے اور قبول اسلام اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا سبب بنے۔ **ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ** (۲۰). حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کو قرآن میں پڑھ کر بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ ہم بھی اپنے مشرک والدین کے حق میں استغفار کریں۔ اس کا جواب حق تعالیٰ نے یہ دیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ کی بناء پر صرف اس وقت تک اپنے باپ کے لیے استغفار کیا جب تک آپؑ پر یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے کفر وشرک اور خدا کی دشمنی پر ہی مرنا ہے کیونکہ مرنے سے پہلے احتمال تھا کہ شاید توبہ کر کے مسلمان ہو جائے اور بخشا جائے، پھر جب کفر وشرک پر خاتمہ ہونے سے معاملہ صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بالکلیہ بیزار ہو گئے اور دعا واستغفار ترک کر دیا (۲۱)۔

---

(۲۰):عن عمرو بن العاص قال اتیت النبی ﷺ فقلت ابسط یمینک فلابایعک فبسط یمینه فقبضت یدی فقال مالک یا عمرو قلت اردت ان اشترط قال تشترط ماذا قلت ان یغفرلی قال اما علمت یا عمرو ان الاسلام یھدم ما کان قبلهٗ وان الھجرۃ تھدم ما کان قبلھا وان الحج یھدم ما کان قبلهٗ رواه مسلم. (مشکاۃ المصابیح، کتاب الایمان، ص: ۱٤، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

(۲۱):فی الدرالمنثور: وأخرج ابن أبی حاتم، وأبو الشیخ، عن محمد بن کعب قال: لما مرض أبو طالب أتاه النبی ﷺ فقال المسلمون: هذا محمد ﷺ یستغفر لعمه، وقد استغفر ابراهیم لأبیه. فاستغفروا لقراباتهم من المشرکین، فأنزل اللّٰه: ﴿ما کان للنبی والذین اٰمنوا أن یستغفروا للمشرکین﴾. ثم أنزل اللّٰه تعالیٰ: ﴿وما کان استغفار ابراهیم لأبیه الا عن موعدۃ وعدها ایاه﴾. قال: کان یرجوه فی حیاته، ﴿فلما تبین له انه عدو للّٰه تبرأ منه﴾. (الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، سورۃ التوبة، الآیتان: ۱۱۳، ۱۱٤، ج: ۷، ص: ۵۵۱، ۵۵۲)

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں عرض کریں گے کہ خداوند تیرا وعدہ ہے کہ تو مجھے رسوانہیں کرے گا مگر اس سے بڑی رسوائی کیا ہوگی کہ آج میرا باپ سب کے سامنے دوزخ میں پھینکا جائے اسی وقت آپؑ کے باپ کی صورت مسخ ہوکر ضبع (کفتار) کی سی ہوجائے گی اور فرشتے گھسیٹ کر اسے جہنم میں ڈال دیں گے (۲۲)۔(تفسیر رفیع الشان)

فہم کامل اور عقل سلیم رکھنے والے حضرات خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ حشر ایک مشرک کا ہوتا ہے یا موحد کا؟ اتنا جواب شافی ہوگا۔ فقط واللہ اعلم (فتاوی حقانیہ، ج:۱،ص: ۳۱۶، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)



---

(۲۲):فی الدر المنثور: وأخرج عبد بن حميد، وابن المنذر، وابن أبي حاتم، عن قتادة في قوله: ﴿ولاتخزني يوم يبعثون﴾. قال: ذكرنا لنا أن نبي الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ليجيئن رجل يوم القيامة من المؤمنين آخذاً بيد أب له مشرك حتى يقطعه النار، ويرجو أن يدخله الجنة، فيناديه مناد: انه لايدخل الجنة مشرك. فيقول: رب، أبي، وكتبت ألا تخزيني. قال: فما يزال متشبثا به حتى يحوله الله في صورة سيئة وريح منتنة، في صورة ضبعان، فاذا رآه كذلك تبرأ منه وقال: لست بأبي. قال فكنا نرى أنه يعني ابراهيم، وما سمي به يومئذ.

وأخرج البخاري، والنسائي، عن أبي هريرةؓ، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: يلقى ابراهيم أباه آزر يوم القيامة وعلى وجه آزر قترة وغبرة، فيقول له ابراهيم: ألم أقل لك لاتعصني؟ فيقول: أبوه: فاليوم لا أعصيك. فيقول ابراهيم رب، انك وعدتني الا تخزيني يوم يبعثون، فأي خزي أخرى من أبي الأبعد. فيقول الله: اني حرمت الجنة على الكافرين. ثم يقال: يا ابراهيم، ما تحت رجليك؟ فاذا هو بذيخ ملتطخ، فيؤخذ بقوائمه فيلقى في النار. (الدر المنثور في التفسير بالمأثور، سورة الشعراء، الآية: ۸۷، ج: ۱۱، ص: ۲۷۱، ۲۷۲)

حضرات انبیاء علیہم السلام کا ابتداء عمر ہی سے کفر وشرک سے محفوظ ہونا اورحضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقولہ ''ہذا ربی'' کی وضاحت

﴿سوال﴾:

حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ابتداء ہی سے موحد ہوتے ہیں یا قرائن ودلائل دیکھ کر بعد میں توحید کے قائل ہوتے ہیں؟ اس بارے میں اہل سنت والجماعت کا کیا عقیدہ ہے؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

بعض لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مقولہ ''ھذا ربی'' (جو قرآن مجید میں ہے) سے اشکال ہوتا ہے اور وہ لوگ اس آیت کی وجہ سے اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ابتداء عمر میں (معاذ اللّٰہ ثم معاذ اللّٰہ) موحد نہ تھے، لہٰذا اس بارے میں وضاحت کی سخت ضرورت ہے، بینوا توجروا۔

﴿الجواب﴾ باسمہ سبحانہ وتعالی حامداً ومصلیاً ومسلماً وھو الموفق:

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے موحد ہوتے ہیں، قبل نبوت اور بعد نبوت کفر وشرک بلکہ شائبہ کفر وشرک سے بھی بالکل پاک صاف اور منزہ ہوتے ہیں (۲۳)،

(۲۳): فی الجامع لأحکام القرآن: واختلف العلماء فی هذا الباب: هل وقع من الأنبیاء — صلوات اللّٰه علیهم أجمعین — صغائر من الذنوب یؤاخذون بها، ویعاقبون علیها، أما لا؟ بعد اتفاقهم علی أنهم معصومون من الکبائر، ومن کل رذیلة فیها شین ونقص، أجماعاً عند القاضی أبی بکر. وعند الأستاذ أبی اسحاق أن ذلک مقتضی دلیل المعجزة، وعند المعتزلة أن ذلک مقتضی دلیل العقل علی أصولهم.

فقال الطبری وغیره من الفقهاء والمتکلمین والمحدثین: تقع الصغائر منهم، خلافاً للرافضة حیث قالوا: انهم معصومون من جمیع ذلک، واحتجوا بما وقع من

فتاوی رحیمیہ میں ایک جگہ احقر نے تحریر کیا ہے۔ نبوت اور کفر آپس میں ضد ہیں یہ دونوں ایک ذات میں جمع نہیں ہوسکتے، لہٰذا جو نبی ہوگا وہ کسی حال میں کفر کے ساتھ متصف نہیں

ذلک في التنزيل، وثبت من تضلهم من ذلک في الحديث، وهذا ظاهر لاخفاء فيه.

وقال جمهور من الفقهاء من أصحاب مالک وأبي حنيفة والشافعي: انهم معصومون من الصغائر كلها كعصمتهم من الكبائر أجمعها، لأنا أمرنا باتباعهم في أفعالهم وآثارهم وسيرهم أمراً مطلقاً من غير التزام قرينة، فلو جوزنا عليهم الصغائر لم يكن الاقتداء بهم، اذ ليس كل فعل من أفعالهم يتميز مقصده من القربة والاباحة، أو الحظر أو المعصية، ولايصح أن يؤمر المرءُ بامتثال أمر لعله معصية، لاسيما على من يرى تقديم الفعل على القول اذا تعارضا من الأصوليين.

قال الأستاذ أبو اسحاق الاسفرايني: واختلفوا في الصغائر، والذي عليه الأكثر أن ذلک غير جائز عليهم، وصار بعضهم الى تجويزها، ولا أصل لهذه المقالة. (الجامع لأحكام القرآن، سورة البقرة، الآية: ۳۵، ج: ۱، ص: ۴۵۸، ۴۵۹، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

وفي الموسوعة الفقهية: والأنبياء بعد النبوة من الذنوب الظاهرة كالكذب ونحوه، والذنوب الباطنة، كالحسد والكبر والرياء والسمعة وغير ذلک، لأنه ثبت أن الرسول هو المثل الأعلى الذي يجب الاقتداء به في اعتقاداته وأفعاله وأخلاقه، اذ هو الأسوة الحسنة بشهادة اللّٰه له، الا ما كان من خصائصه بالنص، فوجب أن تكون كل اعتقاداته وأفعاله وأقواله وأخلاقه الاختيارية بعد الرسالة موافقة لطاعة اللّٰه تعالى، ووجب أن لايدخل في شيء من اعتقاداته وأفعاله وأقواله وأخلاقه معصية اللّٰه تعالىٰ، لأن اللّٰه جلّ شانه: أمر الأمم بالاقتداء برسلهم فقال تعالى: ﴿لقد كان لكم فيهم اسوة حسنة لمن كان يرجو اللّٰه واليوم الآخر﴾ وقال في حق نبينا ﷺ: ﴿لقد كان لكم فيهم اسوة حسنة لمن كان يرجو اللّٰه واليوم الآخر﴾ فاذا جاز أن يفعل الرسل بعد الرسالة والأمر بالاقتداء بهم المحرمات أو المكروهات أو خلاف الأولى: لكنا مأمورين به، وهو سبحانه لايأمر بمحرم ولا مكروه ولا خلاف الأولى،

ہوسکتا اور جو کافر وہ کسی حال میں نبی نہیں ہوسکتا (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۳۹۱) (جدید ترتیب میں اسی باب میں اس فتویٰ کو، کوئی شخص حضور کو نومسلم لکھے تو کیا حکم ہے؟ عنوان سے دیکھے۔ ازمرتب) یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے جسے عقائد وکلام کی کتابوں میں بیان کیا ہے، چنانچہ شرح فقہ اکبر میں ہے:

والانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام ینزھون عن الصغائر والکبائر والقبائح یعنی قبل النبوۃ وبعدھا.

یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قبل نبوت اور بعد نبوت صغائر، کبائر، کفر اور قبائح سے بالکل منزہ ہوتے ہیں۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۶، ۱۷)(۲۴)۔

قال تعالی: ﴿ان اللّٰہ لایأمر بالفحشاء﴾، وبذلک یثبت أن الرسل علیھم الصلاۃ والسلام بعد نبوتھم وبعد الأمر بالاقتداء بھم معصومون عن الوقوع فی المعاصی وھذا ما یسمی: عصمۃ الرسل.

أما عصمتھم قبل النبوۃ فقد اختلف فیھا، فمنعھا قوم، وجوزھا آخرون، والصحیح تنزیھم من کل عیب...الخ. (الموسوعۃ الفقھیۃ، ج: ۳۰، ص: ۱۳۷، ۱۳۸)

وفی النبراس: ان الانبیاء معصومون عن الکذب فی التبلیغ وغیرہ خصوصاً فیما یتعلق بامر الشرائع وتبلیغ الاحکام وارشاد الامۃ....وھو انھم معصومون عن الکفر قبل الوحی وبعدہ بالاجماع. (النبراس شرح شرح العقائد، ص: ۲۸۳)

(۲۴): فی شرح الفقہ الأکبر: (والانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام کلھم) أی الشامل لرسلھم ومشاھیرھم وغیرھم ولھم آدم علیہ الصلاۃ والسلام علی ماثبت بالکتاب والسنۃ واجماع الامۃ فما نقل عن بعض من انکار نبوتہ یکون کفرا....(منزھون) أی معصومون (عن الصغائر والکبائر) أی من جمیع المعاصی (والکفر) خص لانہ أکبر الکبائر ولکونہ سبحانہ لایغفر أن یشرک بہ ویغفر ما دون

شرح عقائد نسفی میں ہے:

وفی عصمتهم عن سائر الذنوب تفصیل وهو انهم معصومون عن الكفر قبل الوحی وبعده' بالاجماع وكذا عن تعمده الكبائر عند الجمهور. (شرح عقائد نسفی ص ۹۸)(۲۵)۔

عقائد اسلام میں ہے:

(وہ یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سب راستباز اور نیکوکار اور کبیرہ وصغیر گناہ سے پاک تھے) تفصیل اس کی یہ ہے کہ کل انبیاء علیہم السلام وحی آنے کے بعد نبی ہونے کے بعد کفر اور شرک اور جمیع کبائر سے خواہ عمداً ہوں خواہ سہواً..... معصوم تھے...الیٰ قولہ...مگر کفر اور شرک سے بالاتفاق معصوم تھے کسی نبی سے قبل نبوۃ بھی کفر اور شرک سرزد نہیں ہوا الخ۔ (عقائد اسلام ص ۳۸، ص ۳۹، باب نمبر۴ مصنفہ علامۂ زمن مولانا ابومحمد عبدالحق محدث دہلوی ومفسر تفسیر حقانی)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی مصنفہ ''عقائد اسلام'' میں ہے۔

ذلک لمن یشاء.....ثم هذه العصمة ثابتة للأنبياء قبل النبوة وبعدها على الاصح. (شرح الفقه الأكبر، بحث في أن الانبياء منزهون عن الكبائر والصغائر، ص: ٥٤، ٥٥، ط، دار الكتب العربية الكبرى مصر)

(۲۵): فی شرح العقائد النسفية: ان الأنبياء معصومون عن الكذب، خصوصاً فيما يتعلق بأمر الشرائع، وتبليغ الأحكام، وأرشاد الأمة، أما عمداً فبالاجماع، وأما سهواً فعند الأكثرين.

وفي عصمتهم عن سائر الذنوب تفصيل، وهو: أنهم معصومون عن الكفر قبل الوحي، وبعده بالاجماع، وكذا عن تعمد الكبائر عند الجمهور...الخ. (شرح العقائد النسفية، مبحث عصمة الأنبياء، ص: ٣٢٥، ٣٢٦، ط، مكتبة البشرى كراتشي)

عقیدۂ چہارم:

تمام انبیاء کرام خدا کے پاک اور برگزیدہ بندہ صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے معصوم تھے انبیاء کی عصمت اور طہارت اور نزاہت کا اعتقاد جزء ایمان ہے اگر انبیاء کرام معصوم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ مطلقاً اور بے چون و چرا ان کی اطاعت اور متابعت کا حکم نہ دیتا اور نہ ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتا اور نہ انبیاء کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو اللہ تعالیٰ اپنی ہاتھ پر بیعت کرنا قرار دیتا۔

وَمَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ(۲۶) اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ فَوۡقَ اَیۡدِیۡھِم(۲۷).

جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔
تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

معصوم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا مصطفےٰ اور مرتضیٰ یعنی اخلاق اور عادات اور افعال اور ملکات اور تمام احوال میں من کل الوجوہ خدا تعالیٰ کا برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ہو اور اس کا باطن مادۂ معصیت سے بالکلیہ پاک ہو یعنی مادۂ شیطانی ونفسانی سے اس کا قلب بالکلیہ پاک اور منزہ ہو، کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء کرام کو مرتضیٰ اور مصطفین الاخیار اور عباد مخلصین فرمایا ہے، جس سے مراد من کل الوجوہ ارتضاء اور اصطفاء اور اخلاص کامل ہے اور من کل الوجوہ پاک وصاف اور خدا کا پسندیدہ اور بلاشرکت غیر خالص اللہ کا بندہ وہی ہوسکتا ہے جس کا باطن نفس اور شیطان کی

(۲۶): (سورۃ النساء: ۸۰)

(۲۷): (سورۃ الفتح: ۱۰)

بندگی سے بالکلیہ پاک ہو، اس اسی مادۂ معصیت سے بالکلیہ طہارت اور نزاہت کا نام عصمت ہے۔ (عقائد اسلام ص ۴۵، ص ۴۶ حصہ اول)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی علیہ الرحمہ نے اپنی ایک اور تصنیف ''علم الکلام'' میں تحریر فرمایا ہے۔

''ایمان واسلام سے ان کا قلب اس درجہ لبریز ہو کہ ودجل کے لئے جزو لایتجزیٰ کی مقدار بھی اس میں جگہ نہ ہو، حاشا ایسا ہرگز ہرگز نہ ہو کہ جس کو خود دجال کہتے ہوں اسی سے قتال وجدال کو حرام بتلاتے ہوں اور نہایت تضرع سے اس کے بقاء کی دعا کرتے ہوں۔'' (علم الکلام ص ۲۰۱ خصائص نبوت)

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ابتداہی سے کفر وشرک بلکہ شائبہ کفر وشرک سے بھی پاک صاف اور منزہ ہوتے ہیں، اور یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے عالم ازل میں اپنی عبادت اور توحید اور اس کی طرف دعوت دینے کا بہت پختہ اور مضبوط عہد لیا ہے، قرآن مجید میں ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ.

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا. لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا. (قرآن مجید سورۂ احزاب آیت نمبر ۷۔ نمبر ۸ پارہ نمبر ۲۱ رکوع نمبر ۱۷)

ترجمہ۔ اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب کہ ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا (کہ احکام الٰہیہ کی اتباع کریں جن میں خلق اللہ کو تبلیغ ودعوت اور باہمی تعاون وتناصر بھی داخل ہے) اور آپ سے بھی

(اقرار لیا) اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم (علیہم السلام) سے بھی اور (یہ کوئی معمولی عہد و اقرار نہیں تھا بلکہ) ہم نے ان سب سے خوب پختہ عہد لیا تا کہ (قیامت کے روز) ان سچے لوگوں سے (یعنی انبیاء علیہم السلام سے) ان کے سچ کی تحقیقات کرے اور کافروں کے لئے جو صاحب وحی کی اتباع سے منحرف ہیں) اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (معارف القرآن، خلاصہ تفاسیر ص ۸۹ ج ۷)

تفسیر جلالین میں ہے:

(و) اذكر (اذاخذنا من النبيين ميثاقهم) حين اخرجوا من صلب آدم كالذر جمع ذرة وهي اصغر النمل (ومنك ومن نوح وابراهيم وموسىٰ و عيسىٰ ابن مريم) بان يعبدالله ويدعو الى عبادته وذكر الخمسة من عطف الخاص على العام (واخذنا منهم ميثاقاً غليظاً) شديداً بالوفاء حملوه وهو اليمين بالله تعالى. الخ (جلالين مع صاوى ص ۲۵۲ ج ۳)

صاوی حاشیہ جلالین میں ہے:

(قوله بان يعبدوا الله) اى يوحدوه وهو تفسير للميثاق (قوله يدعوا الى عبادته) اى يبلغوا شرائعه للخلق فعهد الانبياء ليس كعهد مطلق الخلق....(قوله من عطف الخاص على العام) اى والنكتة كونهم اولى العزم ومشاهير الرسل وقدمه صلى الله عليه وسلم لمزيد شرفه وتعظيمه. (صادى على جلالين ص ۲۵۲ ج ۳)

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے عالم ازل میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو میثاق لیا اس کو بیان فرمایا ہے اور انبیاء علیہم السلام میں بھی جو اولوالعزم اور مشہور ہیں ان کا

خاص طور پر ذکر فرمایا جن میں خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰہ والسلام بھی ہیں۔ اب غور فرمایئے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حضرات انبیاء علیہم السلام سے ہی مضبوط عہد لیا ہو (اور ان حضرات کا عہد عام مخلوق کی طرح نہیں جیسا کہ صاوی کی عبارت سے واضح ہے) کیا دنیا میں تشریف آوری کے بعد اس کے خلاف ان سے متصور ہوسکتا ہے؟ اور کیا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بدءِ خلقت سے موحد نہیں ہوتے؟ حاشا وکلا اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا!

لہٰذا اس آیت کریمہ کی روشنی میں بلا تکلف یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی بدءِ خلقت ہی سے موحد ہوتے ہیں اور ابتداء ہی سے کفر وشرک سے بالکل پاک صاف اور منزہ ہوتے ہیں، توحید اور اللہ کی طرف دعوت دینے کے لئے ان کو دنیا میں مبعوث کیا جاتا ہے۔

لہٰذا سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اولو العزم نبی ہیں آپ بھی اپنی بدءِ خلقت سے موحد بلکہ موحد اعظم تھے۔ **ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ عالمین** آیت کریمہ بھی ایک تفسیر کے مطابق اس پر دال ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے **اذجآء ربہ بقلب سلیم.** اور قلب سلیم کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ کفر سے پاک ہو (تفسیر رازی) یہ آیت بھی ہمارے دعویٰ پر دال ہے۔

روح المعانی میں ہے:

(ولقد اٰتینا ابراھیم رشدہ) ای الرشد، الائق بہ وبامثالہ من الرسل الکبار وھو الرشد الکامل اعنی الاھتداء الی وجوہ الصلاح فی الدین والدنیا و الارشاد بالنوامیس الالھیۃ.....(من قبل) ای من قبل موسیٰ وھارون وقیل من قبل البلوغ حین خرج من السرب وقیل من قبل ان یولد حین کان فی صلب آدم علیہ السلام الخ. (روح المعانی ۱۷/ ۵۸)

تفسیر رازی میں ہے:

(الحجه السادسة) انه تعالی قال فی صفة ابراهیم علیه السلام اذجاء ربه بقلب سلیم واقل مراتب القلب السلیم ان یکون سلیماً عن الکفر وایضاً مدحه فقال ولقد اتینا ابراهیم رشده من قبل وکا به عالمین ای اتینا رشده من قبل من اول زمان الفکرة وکنا به عالمین ای بطهارته وکماله ونظیره قوله تعالی اللّٰه اعلم حیث یجعل رسالته. (تفسیر امام رازی ٤/ ١١٠ تحت الآیة فلما جن علیه اللیل رأی کوکبا)

سوال میں جس آیت کریمہ سے اشکال کیا گیا ہے وہ آیت اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں ہے اور معاذ اللہ آپ نے اعتقاد ''ھذا ربی'' نہیں فرمایا ہے، مفسرین اس کے مختلف جواب تحریر فرماتے ہیں، مثلاً آپ نے یہ بطور استفہام انکاری فرمایا ہے، اور حرف استفہام محذوف ہے، یا آپ نے بطور استہزا فرمایا ہے، یا قوم کے اعتقاد اور زعم کے اعتبار سے فرمایا کہ تمہارے زعم کے موافق یہ کوکب میرا معبود ہے مگر ابھی تھوڑی دیر میں اس کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے، چنانچہ وہ غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا'' **لا احب الافلین**'' میں غروب ہونے والی چیزوں سے محبت نہیں رکھتا اور جسے خدا یا معبود بنایا جائے وہ سب سے زیادہ محبت وعظمت کا مستحق ہوتا ہے، جب آپ نے اس سے محبت کی نفی فرمائی تو مطلب یہ ہوا کہ میں اسے رب نہیں سمجھتا، اس لئے کہ جس چیز میں تغیر پیدا ہوا اور وہ فنا ہو جائے وہ معبود بننے کے قابل نہیں۔

مناظرہ میں فریق مقابل کی بات کی تردید کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اولاً اس کی بات موافقت کے انداز میں نقل کی جائے پھر دلائل قائم کر کے اس کی تردید کی جائے، گاہے یہ طریقہ زیادہ مؤثر ہوتا ہے اور فریق مقابل جلد اپنی بات سے رجوع کر لیتا ہے، یہاں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی طریقہ اختیار فرماتے ہوئے ''ھذا ربی''

فرمایا، پھر لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ فرما کر اس کی تردید فرمائی جیسا کہ آئندہ مفسرین کے اقوال سے ظاہر ہوگا۔

چاند اور سورج دیکھ کر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح ان کی تردید فرمائی اور آخر میں "انی بری مما تشرکون"۔ (بے شک میں بیزار ہوں ان تمام چیزوں سے جن کو تم شریک کرتے ہو) فرما کر ان تمام سے براءت پیش فرمائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس جملہ میں شریک کی نسبت قوم کی طرف فرمائی، ان کی طرف نسبت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قوم شرک میں مبتلا تھی، آپ شرک و کفر سے بالکل پاک وصاف تھے۔

قرآن مجید میں اس مناظرہ سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت کی جو تردید فرمائی ہے اس کو بیان فرمایا ہے، ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَاماً اٰلِهَةً. اِنِّیْۤ اَرٰکَ وَقَوْمَکَ فِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ. (قرآن مجید سورہ انعام پ ۷)

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے، بے شک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح غلطی میں دیکھتا ہوں۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

یہ تردید بھی واضح دلیل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا "ھذا ربی" کہنا اعتقاداً نہیں ہوسکتا، آپ کو اپنے رب کی معرفت اس سے قبل حاصل تھی، تفسیر رازی میں ہے۔

(الحجة الثانية) ان ابراهيم عليه السلام كان قد عرف ربه قبل هذه الواقعة بالدليل و الدليل على صحة ما ذكرنا ه انه تعالى اخبر عنه انه قال هذا الواقعة لابيه آزر أتتخذ اصناماً الهة انى اراك وقومك فى ضلل مبين.

(تفسیر رازی ٤/١١٠)

اب مفسرین ''ھذا ربی'' کے متعلق جو جوابات تحریر فرماتے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں۔
تفسیر امام رازی میں ہے:

فثبت بهذه الدلائل الظاهرة انه لايجوز ان يقال ان ابراهيم عليه السلام قال على سبيل الجزم هذا ربى واذا بطل هذا بقى ههنا احتمالان (الاول) ان يقال هذا كلام ابراهيم عليه السلام بعد البلوغ ولكن ليس الغرض منه اثبات ربوبية الكواكب بل الغرض منه احد امور سبعة (الاول ان يقال ان ابراهيم عليه السلام لم يقل هذا ربى على سبيل الاخبار بل الغرض منه انه كان يناظر عبدة الكواكب وكان مذهبهم ان الكواكب ربهم والههم فذكر ابراهيم عليه السلام ذلك القول الذى قالوه بلفظهم وعبارتهم حتى يرجع عليه فيبطله ومثاله ان الواحد منا اذا ناظر من يقول بقدم الجسم فيقول الجسم قديم فاذا كان كذٰلک فلم نراه ونشاهده مركباً متغيراً فهو انما قال الجسم قديم اعادة لكلام الخصم حتى يلزمه المحال عليه فكذا ههنا قال هذا ربى والمقصود حكاية قول الخصم ثم ذكر عقبيه ما يدل على فساده وهو قوله لا احب الافلين وهذا الوجه هو المعتمد فى الجواب والدليل عليه انه تعالى دل فى اول الآية على هذه المناظرة بقوله تعالى وتلك حجتنا اتينا ابراهيم عليه قومه (والوجه الثانى فى الشاويل) ان نقول قوله هذا ربى معناه هذا ربى فى زعمكم واعتقادكم.... (والوجه الثالث) ان المراد منه الاستفهام على سبيل الانكار الا انه اسقط حرف الاستفهام استغناء ا

عنه لدلالة الكلام عليه (والوجه الرابع) ان يكون القول مضمراً فيه والتقدير قال "يقولون هذا ربى" واضمارا نقول كثير. الى قوله (والوجه الخامس) ان يكون ابراهيم ذكر هذا الكلام على سبيل الاستهزاء كما يقال لذليل ساد قوماً هذا سيدكم على سبيل الاستهزاء. الخ. (تفسير امام رازى ٤/١١١ـ ١١٢، تحت الاية فلما جن عليه الليل رأى كوكبا)

چھٹا اور ساتواں جواب طوالت کے خوف سے نقل نہیں کیا، جن کو شوق ہو تفسیر میں مطالعہ فرمائیں۔

تفسیر روح المعانی میں ہے:

(قال هذا ربى) استئناف مبنى على سوال نشأ من الكلام السابق وهذا منه عليه السلام على سبيل الفرض وارخاء العنان مجاراة مع ابيه وقومه الذين كانوا يعبدون الاصنام والكواكب. الىٰ قوله. وقيل فى الكلام استفهاما انكاريا محذوفاً وحذف اداة الاستفهام كثير فى كلامهم...وقيل انه مقول على سبيل الاستهزاء كما يقال للذليل ساد قوما هذا سيدكم على سبيل الاستهزاء وقيل انه عليه الصلوٰة والسلام اراد ان يبطل قولهم بربوبية الكواكب... الخ. (تفسير روح المعانى ١٩٨/٧)

تفسیر تبصیر الرحمان وتیسیر المنان المعروف بہ "تفسیر مہائمی" میں ہے:

(فلما جن) اى اظلم (عليه اليل راى كوكبا) الزهرة او المشترى (قال) لقومه ارخاء للعنان معهم باظهار موافقته لهم اولاً ثم ابطال قولهم بالاستدلال لانه اقرب لرجوع

الخصم (هذا ربی فلما افل)وهو دناء ة فی الالهية بل تمنع من الـميـل الی صاحبها فضلاً عن اتخاذه الهاً اومعبوداً فضلا عما يفتقر اليه. (تفسیر مهائمی ۱/۲۲۵)

تفسیر بیان القرآن میں ہے:

امر دوم ابراہیم علیہ السلام ہوش سنبھالنے ہی کے وقت سے توحید کے عارف ومحقق تھے۔ الیٰ قولہ۔ فلما جن...پھر جب رات کی تاریکی ان پر (اسی طرح اور سب پر) چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا کہ چمک رہا ہے، آپ نے (اپنی قوم سے مخاطب ہوکر) فرمایا کہ (تمہارے زعم کے موافق) یہ میرا (اور تمہارا) رب (اور میرے احوال میں متصرف) ہے (بہت اچھا اب تھوڑی دیر میں حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے، چنانچہ تھوڑے عرصہ کے بعد وہ افق میں جا چھپا، سو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہوجانے والوں سے (جو کہ ایسی حالت کے ساتھ موصوف ہوں کہ وہ حالت بوجہ حدوث کے خود دلالت کررہی ہے کہ یہ خود بوجہ محل حوادث ہونے کے محدث کا محتاج ہے محبت نہیں رکھتا (اور محبت لوازم اعتقاد ربوبیت سے ہے پس حاصل یہ ہوا کہ میں رب نہیں سمجھتا، پھر (اسی شب میں یا کسی دوسری شب میں) جب چاند کو دیکھا کہ چمکتا ہوا نکلا ہے تو (پہلی ہی کی طرح) فرمایا کہ (تمہارے زعم کے موافق) یہ میرا (اور تمہارا) رب (اور متصرف فی الاحوال ہے) (بہتر اب تھوڑی دیر میں اس کی کیفیت بھی دیکھنا، چنانچہ وہ بھی غروب ہوگیا) سو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرا رب (حقیقی) ہدایت نہ کرتا رہے۔ (جیسا کہ اب تک ہدایت کرتا رہتا ہے) تو میں بھی (تمہاری طرح) گمراہ ہوجاؤں، پھر (یعنی اگر) چاند کا قصہ اسی قصہ کوکب کی شب کا تھا تب تو کسی اور شب کی صبح کو اور

اگر چاند کا قصہ اسی قصۂ کوکب کی شب کا نہ تھا تو قصۂ قمر کی صبح کو یا اس کے علاوہ کسی اور شب کی صبح کو جب آفتاب کو دیکھا (کہ بڑی آب وتاب سے چمکتا ہوا (نکلا ہے) تو (پہلی دوبار کی طرح پھر) فرمایا کہ (تمہارے زعم کے موافق) یہ میرا (تمہارا) رب (اور متصرف فی الاحوال) ہے (اور) یہ تو سب (مذکورہ ستاروں میں) بڑا ہے اس پر خاتمہ کلام کا ہوجاوے گا، اگر اس کی ربوبیت باطل ہوگئی تو چھوٹوں کی بدرجۂ اولیٰ باطل ہوجاوے گی، غرض شام ہوئی تو وہ بھی غروب ہوگیا) سو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار (اور نفور) ہوں (یعنی براءت ظاہر کرتا ہوں) اعتقاداً تو ہمیشہ سے بیزار ہی تھے)

تفسیر معارف القرآن میں ہے:

فلما جن علیه اللیل رأی کوکباً قال هذا ربی. یعنی ایک رات جب تاریکی چھاگئی اور ایک کوکب یعنی ستارے پر نظر پڑی تو اپنی قوم کو سنا کر کہا کہ یہ ستارہ میرا رب ہے، مطلب یہ تھا کہ تمہارے خیالات اور عقائد کی رو سے یہی میرا اور تمہارا رب یعنی پالنے والا ہے، اب تھوڑی دیر میں اس کی حقیقت دیکھ لینا چنانچہ کچھ دیر کے بعد وہ غروب ہوگیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قوم پر حجت قائم کرنے کا واضح موقع ہاتھ میں آیا، اور فرمایا **لااحب الافلین**، **آفلین** کا یہ لفظ افول سے بنا ہے جس کے معنی ہیں غروب ہونا۔

مطلب یہ ہے کہ میں غروب ہوجانے والی چیزوں سے محبت نہیں رکھتا اور جس کو خدا یا معبود بنایا جائے، ظاہر ہے کہ وہ سب سے زیادہ محبت وعظمت کا مستحق ہونا چاہیئے۔ الیٰ قولہ۔ اس کے بعد پھر کسی دوسری رات میں چاند چمکتا ہوا نظر آیا تو پھر اپنی قوم کو سنا کر وہی طریقہ اختیار فرمایا اور کہا کہ

تمہارے عقائد کے مطابق یہ میرا رب ہے مگر اس کی حقیقت بھی کچھ دیر کے بعد سامنے آجائے گی، چنانچہ جب چاند غروب ہوگیا تو فرمایا کہ اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا رہتا تو میں بھی تمہاری طرح گمراہوں میں داخل ہوجاتا، اور چاند ہی کو اپنا معبود اور رب سمجھ بیٹھتا، لیکن اس کے طلوع وغروب کے بدلنے والے حالات نے مجھے متنبہ کردیا کہ یہ ستارہ بھی قابل عبادت نہیں۔

اس آیت میں اس کی طرف بھی اشارہ کردیا کہ میرا رب کوئی دوسری شی ہے جس کی طرف مجھے ہدایت ہوتی رہتی ہے۔

اس کے بعد ایک روز آفتاب کو نکلتے ہوئے دیکھا تو پھر قوم کو سنا کر اسی طریقہ پر فرمایا کہ (تمہارے خیال کے مطابق) یہ میرا رب ہے، اور یہ تو سب سے بڑا ہے مگر اس بڑے کی حقیقت وحیثیت بھی عنقریب تمہارے سامنے آجائے گی چنانچہ آفتاب بھی اپنے وقت پر غروب ہوگیا تو قوم پر آخری حجت تمام کرنے کے بعد اب اصل حقیقت واضح طور پر بیان فرمادیا کہ "**یا قوم انی بری مما تشرکون**" یعنی اے میری قوم تمہارے ان مشرکانہ خیالات سے بیزار ہوں کہ تم نے خدا تعالیٰ کی مخلوقات کو ہی خدائی کا شریک بنا رکھا ہے....الخ۔ (معارف القرآن ۳/۳۸۱، از مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

عقائد اسلام میں علامہ ابو محمد عبد الحق صاحب تفسیر حقانی دہلویؒ فرماتے ہیں۔

"اور ابراہیم علیہ السلام نے **ھذا ربی** استہزاء کفار کو الزام دینے کے لئے فرمایا تھا نہ کہ اعتقاداً، **کما قال تعالیٰ ولقد اتینا ابراھیم رشدہ' من قبل الایة** کہ ہم نے اول عمر سے ابراہیم کو رشد عطا کیا تھا، پس رشد کی یہ منافی ہے کہ آفتاب کو خدا سمجھیں۔ (عقائد اسلام ص ۴۰ باب ا، فصل نمبر ۴)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ''ھذا ربی'' کا مطلب واضح ہوگیا، لہٰذا اس آیت کے ذریعہ کسی طرح اشکال درست نہیں ہوسکتا اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے موحد تھے، ادنی درجہ کا شک وشبہ کرنے کی بھی گنجائش نہیں رہی، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاوی رحیمیہ، ج:۳،ص:۱۱۴تا۱۲۰، ط، دارالاشاعت کراچی)



جنت میں حضرت ابراہیم وآدم علیہما السلام کی ڈاڑھی؟

﴿سوال﴾:

ایک صاحب کہتے ہیں کہ جنت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کی ڈاڑھی ہوگی، کیا یہ بات صحیح ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حدیث شریف میں ہے کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے، تو حضرت آدم علیہ السلام کے قد کی طرح ان کا قد ہوگا، یعنی ساٹھ ذراع ہوگا، حسن حضرت یوسف جیسا ہوگا اور عمر۳۳رسال ہوگی۔ (اتنی ہی عمر میں حضرت عیسیٰ کو نبوت ملی ہے) اور زبان ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی یعنی عربی ہوگی، سب بے ریش ہوں گے، سر کے علاوہ بدن کے کسی حصہ پر بال نہ ہوں گے اور آنکھیں سرمگیں ہوں گی (۲۸)، لہٰذا یہ بات کہ حضرت ابراہیم وآدم علیہما السلام کو ڈاڑھی ہوگی، صحیح نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی فلاحیہ، ج:۱،ص:۲۰۹، ۲۱۰)



(۲۸): عن أنس بن مالک رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ: یدخل أهل الجنة الجنة علی طول آدم علیه السلام ستون ذراعاً بذراع الملک علی حسن یوسف علی میلاد عیسی ثلاث وثلاثین سنة، وعلی لسان محمد ﷺ، جرد مرد

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ختنہ کی حقیقت

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: واقعہ مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ختنہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ان کی دو بیویاں تھیں، ایک بیوی سے زیادہ محبت تھی، دوسری بیوی نے حسد میں اپنی سوکن کی ناک کاٹ ڈالی، تا کہ خوبصورتی میں کمی آجائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی محبت کم ہو جائے: لیکن اس سے خوب صورتی بڑھ جاتی ہے اور اس طرح سے ان سے محبت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ دوسری دفعہ کان کاٹ ڈالی، اس سے اور زیادہ خوبصورتی بڑھ جاتی ہے، اور ان کی محبت میں اضافہ ہو جاتا ہے، عاجز آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عضو مخصوص کے سرے کو کاٹ ڈالتی ہے، اس طرح سنت ابراہیمی اور عورتوں کے کان ناک میں سوراخ کرنے کا رواج پایا، تو یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ جواب باصواب سے مطمئن فرمائیں۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

سوال میں مذکورہ واقعہ من گھڑت ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے: بلکہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ختنہ کرنے کا حکم فرمایا، جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنا ختنہ اپنے ہاتھوں سے کیا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۴۰۱، جدید ڈابھیل ۴/۵۱۴)

أن رسول اللهﷺ قال: اختتن ابراهيم عليه السلام بعد ثمانين سنة، واختتن بالقدوم مخففه. (بخاری شریف، کتاب الاستیذان، باب الختان بعد ما کبر، النسخة الهندية

مكحلون. (موسوعة ابن أبى الدنيا، كتاب صفة الجنة، باب لسان أهل الجنة، ج: ۳، ص: ۳۸۳، ط، دار اطلس الخضراء الرياض)

۹۳۱/۲، رقم: ۵۵، ٦،ف: ٦٢٩٨، مسلم شریف، کتاب الفضائل، باب من فضائل ابراهيم الخليل، النسخة الندية ٢٦٥/٢، بيت الأفكار، رقم: ٢٣٧٠)فقط واللّٰه سبحانه وتعالىٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱٦۹، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



جس چھری سے حضرت اسماعیل کو ذبح کیا گیا، وہ کہاں گئی؟

﴿سوال﴾:

اور ایک بات چھری کی ہے کہ جس چھری سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیا گیا، وہ کہاں گئی؟ بعض لوگ کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری پھینکی اور وہ دریا میں گری، جس نے مچھلی کو ذبح کیا، اس لیے مری ہوئی مچھلی کھانا جائز ہے، اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس جگہ پتھر تھا، اس پر پھینکی، تو اس پتھر کے ٹکڑے ہو گئے تھے، تو دونوں میں سے کون سی بات بخاری شریف سے ثابت ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

مذکورہ باتیں لایعنی اور فضول ہیں، جن کا قربانی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، قربانی کا مقصد یہ ہے کہ دین وایمان کے لیے اپنے جان ومال، اولاد اور بیوی کی قربانی پیش کرو، ذبح کر کے نہیں بل کہ دین وایمان کی نشر واشاعت کے لیے، ہمیشہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو پیش پیش رکھو، جذبات قربانی کے ہونے چاہئیں۔

چھری کیسی تھی؟ کتنے انچ کی تھی؟ تانبے کی تھی یا پیتل کی؟ یہ سب بے ہودہ اور لایعنی باتیں ہیں، جن کا اصل واقعہ کے ساتھ کوئی متعلق نہیں ہے، ایسی باتوں سے اپنے آپ کو بچائیں، یہ سب بے کار لوگوں کے کام ہیں، اللہ تعالیٰ ہم تمام کو بے کار کاموں میں وقت

ضائع کرنے سے بچائے اور دین کی سمجھ عطا فرمائے (۲۹)، آمین۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب

(فتاوی فلاحیه، ج: ۱، ص: ۵۵۱)



حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کون تھیں؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ کے بیٹے تھے؟ اور حضرت ہاجرہ شہزادی تھیں یا باندی؟ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حضرت ہاجرہ باندی تھیں اس سے یہ شبہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک باندی کے بطن سے پیدا ہوئے کیا یوں کہنا انبیاء کے حق میں ان کی تعظیم کے منافی نہیں ہے؟ جیسا کہ باندی کا بچہ کہنا خلاف مروت بلکہ انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے، امید ہے کہ اس سلسلے میں آپ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

صورت مسئولہ میں حضرت اسماعیل السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ ہی تھیں جو ایک ظالم بادشاہ کی باندی تھیں، اس نے حضرت سارہ کو ہدیہ کے طور پر دیا اور حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہدیہ کر دیا، انہی کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ البتہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا حضرت ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عظمت وعزت کا معیار تقوی اور اخلاص کو بنایا ہے، جس بندے کے دل میں جس قدر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا وہ اسی قدر زیادہ عظمت وعزت والا ہوگا

---

(۲۹): عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه. (جامع الترمذی، باب من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه، ص: ۵۳۱، رقم: ۲۳۱۷، ط، دار السلام ریاض)

یہ بات طے شدہ ہے کہ اپنے زمانے کے اعتبار سے انبیاء سے بڑھ کر کوئی متقی نہیں ہو سکتا لہٰذا انبیاء ہی سب سے عظیم اور شرافت والے ہونگے، حاصل یہ کہ یہ کوئی منافی عظمت کی بات نہیں ہے۔

لما فی القرآن الکریم: یایها الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم. الایة (الحجرات: ۱۳)

وفی البدایة والنهایة (۱/۱۴۴): قالت سارة لابراهیم علیه السلام ان الرب قد احرمنی الولد فادخل علی امتی هذه لعل اللّٰہ یرزقنی منها ولدا فلما وهبتها له دخل بها ابراهیم علیه السلام فحین دخل بها حملت منه.....

وفی المنتظم (۱/۱۵۴): قال ابن اسحاق وکانت هاجرة جاریة ذات هیئة فوهبتها سارة لابراهیم وقالت انی اراها وضیئة فخذها لعل اللّٰہ ان یرزقک منها ولدا وکانت سارة قد منعت الولد فوقع علیها فولدت له اسماعیل. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۲۹)



حضرت یوسف علیہ السلام کتنے خوبصورت تھے؟

﴿سوال﴾:

ہمارے ایک چھوٹے سے شہر میں ایک چھوٹا سا درس ہے اور وہاں ایک تقریب میں ایک مولوی صاحب نے کہا کہ کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بہت خوبصورت تھے اس لئے آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں۔

﴿الجواب﴾:

درج ذیل روایات واحادیث سے حضرت یوسف علیہ السلام کا بہت خوبصورت ہونا معلوم ہوتا ہے۔مستدرک حاکم میں ہے:

عن انس (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه) عن النبی ﷺ قال اعطی یوسف وامه شطر الحسن هذا حدیث صحیح. (ج، ۲: ص ۵۷)

۲: دوسری حدیث شریف میں ہے:

عن ابی سعید الخدری (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه) قال سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول وهو یصف یوسف حین راٰه فی السماء الثالثه...... قال رأیت رجلا صورته کصورة القمر لیلة البدر، قلت یا جبریل من هذا قال هذا اخوک یوسف (علیه السلام). قال ابن اسحاق وکان اللّٰہ اعطی یوسف من الحسن والهیئة مالم یعطه أحدا من العالمین قبله ولابعده حتی کان یقال واللّٰہ اعلم انه اعطی نصف الحسن وقسم النصف الاخر بین الناس اه کذا فی الحاکم. ج ۲: ص ۵۷۱.

۳: آیت کریمہ فَلَمَّا رَأَیْنَهٗ اَکْبَرْنَهٗ (الی اخر الاٰیة) بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ۱، ص: ۳۲۱، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



کیا حضرت یوسف علیہ السلام کا خوبصورت ہونا ثابت ہے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مولوی صاحب درس دے رہے تھے۔ دوران درس انہوں نے کہا کہ کہیں قرآن وحدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام خوبصورت تھے۔ کیا یہ بات درست ہے؟ اگر یہ بات درست ہے تو آج تک ہم نے جو حسن کے چرچے سنے تھے ان کی کیا حیثیت ہے اور وہ کہاں سے ثابت ہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت یوسف علیہ السلام کا خوبصورت ہونا نصوص صریحہ سے ثابت ہے اور جو شخص یوں کہے کہ آپ کا خوبصورت ہونا ثابت نہیں یہ جملہ اس کی لاعلمی پر دلالت کرتا ہے۔

لقوله تعالی (یوسف: ۳۱) فَلَمَّا رَأَیْنَهٗ اَکْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ.

وفی تفسیر ابن عباس (ص ۲۵۰): وقطعن ایدیهن بالسکین من الدهشة والتحیر مما رأین من حسن یوسف.

وفی روح المعانی (۱۲/ ۲۲۹): فلما رأینه اکبرنه ای اعظمنه ودهشن برؤیة جماله الفائق الرائع الرائق فان فضل جماله علی جمال کل جمیل کان کفضل القمر لیلة البدر علی سائر الکواکب....... واخرج ابن جریر وغیره

ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ انه قال رأیت یوسف لیلة المعراج کالقمر لیلة البدر.

وفی المشکوة (ص ۵۲۸): عن انس رضی اللّٰه تعالی علیه وسلم ان رسول اللّٰه ﷺ قال اتیت البراق وذکر قصة المعراج وفیه فاذا انا بیوسف هو قد اعطی شطر الحسن.

(نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۳۳)



حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت میں شیر خوار بچے کا گواہی دینا

﴿سوال﴾:

حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف زلیخا نے جو بے بنیاد الزام تراشی کی تھی تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی برأت میں جس نے گواہی دی تھی اور جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہے کہ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا. (سورة یوسف آیت ۲۶) تو یہ شاہد کون تھا؟ کوئی بالغ آدمی تھا یا چھوٹا بچہ؟

﴿الجواب﴾:

وہ گواہ نابالغ اور شیر خوار بچہ تھا (۳۰)۔ ”تفسیر بیان القرآن“ میں ہے:

---

(۳۰): فی الدرالمنثور: وأخرج ابن جریر، وابن أبی حاتم، وأبو الشیخ، عن ابن عباسؓ فی قوله: ﴿وشهد شاهد من أهلها﴾ قال: صبی فی المهد.

وأخرج ابن جریر، وأبو الشیخ، عن الضحاک: ﴿وشهد شاهد من أهلها﴾. قال: صبی أنطقه اللّٰه کان فی الدار.

وأخرج ابن أبی شیبة، وابن جریر، وابن المنذر، وأبو الشیخ، عن سعید بن جبیر فی قوله: ﴿وشهد شاهد من أهلها﴾. قال: کان صبیا فی مهده. (الدرالمنثور فی

''اس موقع پر اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے جو کہ شیر خوار بچہ تھا اور یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے معجزہ سے بول پڑا تھا، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی برأت اور نزاہت پر شہادت دی''۔ (تفسیر بیان القرآن ج۵ص۶۷سورۃ یوسف)۔ (فتاوی حقانیہ، ج:۲،ص:۱۸۱، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)



حضرت یوسف علیہ السلام کا زلیخا سے نکاح ہوا یا نہیں؟

﴿سوال﴾:

حضرت یوسف علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت زلیخا سے نکاح ہوا یا نہیں؟ سوال کا سبب یہ ہے کہ ایک قاضی صاحب نے نکاح کی بعد دعا میں جملہ کہا **اللّٰھم الف بینھما کما الفت بین یوسف و زلیخا** تو نکاح ہوا ہے یا نکاح خوانوں نے اپنی طرف سے جوڑ ملادیا ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿الجواب﴾:

بعض معتبر تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح زلیخا سے ہوا ہے چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تفسیر معارف القرآن میں ہے:

''بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی زمانہ میں زلیخا کے شوہر قطفیر کا انتقال ہوگیا تو شاہ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی شادی کردی''...الخ۔ (معارف القرآن ج۵ص۷۷)

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ اپنی تفسیر معارف

التفسیر بالمأثور، سورۃ یوسف، الآیۃ: ۲۶ ج: ۸، ص: ۲۳۲)

القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

''عزیز مصر کے انتقال کے بعد بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کی عزیز مصر کی بیوی زلیخا سے شادی کردی جس سے دولڑکے پیدا ہوئے ایک افرائیم دوسرے میشا تفصیل کے لئے دیکھو تفسیر قرطبی ج ۹ ص ۲۱۳۔ وزاد المسیر ج ۴ ص ۲۳۴، وتفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۸۲۔ (معارف القرآن ج ۵ ص ۶۴۲ سورۂ یوسف مطبوعہ لاہور)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

یوسف علیہ السلام نے ایک سو دس سال یا ایک سو سات سال کی عمر میں وفات پائی، اور عزیز مصر کی عورت کے بطن سے ان کے دولڑکے پیدا ہوئے اور ایک لڑکی، لڑکوں کا نام افرائیم اور میشا تھے اور لڑکی کا نام رحمت تھا جو حضرت ایوب علیہ السلام کے عقد میں آئیں...الخ (۳۱)۔ (معارف

---

(۳۱):في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: قال ابن زيد: كان لفرعون ملك مصر خزائن كثيرة غير الطعام، فسلم سلطانه كله اليه، وهلك قطفير تلك الليالي، فزوج الملك يوسف راعيل امرأة العزيز، فلما دخل عليها قال: أليس هذا خيراً مما كنت تريدين؟ فقالت: أيها الصديق، لا تلمني، فاني كنت امراة حسناء ناعمة كما ترى، وكان صاحبي لايأتي النساء، وكنت كما جعلك الله من الحسن، فغلبتني نفسي. فوجدها يوسف عذراء فأصابها، فولدت له رجلين: افرائيم بن يوسف، ومنشاء بن يوسف. (الجامع لأحكام القرآن، سورة يوسف، الآية: ۵۵، ج: ۱۱، ص: ۳۸۱، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

وفي تفسير ابن كثير: وقال محمد بن اسحاق لما قال يوسف للملك: ﴿اجعلني على خزائن الأرض اني حفيظ عليم﴾، قال الملك: قد فعلت: فولاه فيما ذكروا عمل اطفير، وعزل اطفير عما كان عليه، يقول الله عزوجل: ﴿وكذلك مكنا ليوسف في الأرض يتبوأ منها حيث يشاء نصيب برحمتنا من نشاء ولانضيع

القرآن ج۶ ص۲۷۲)۔فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی رحیمیہ، ج:۳، ص: ۱۰۶، ط، دارالاشاعت کراچی/ فتاوی حقانیہ، ج:۲، ص:۱۴۴، ۱۴۵، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک/نجم الفتاوی، ج:۱، ص:۲۳۳، ۲۳۴)



أجر المحسنين﴾ فذكر لي - والله أعلم - ان اطفير هلک في تلک الليالي، وأن الملک الريان بن الوليد زوج يوسف امراة اطفير: راعيل، وأنها حين دخلت عليه قال: أليس هذا خيرا مما كنت تريدين؟ قال: فيزعمون أنها قالت: أيها الصديق، لاتلمني، فاني كنت امراة كما ترى حسناء جميلة، ناعمة في ملک ودنيا، وكان صاحبي لايأتي النساء، وكنت كما جعلک الله في حسنک وهيئتک على ما رأيت، فيزعمون أنه وجدها عذراء، فأصابها له رجلين أفرائيم بن يوسف، وميشا بن يوسف. وولد لأفرائيم نون، والد يوشع بن نون، ورحمة امرأة أيوب عليه السلام.

(تفسير ابن كثير، سورة يوسف، الآية: ٥٧، ج: ٤، ص: ٣٩٦، ٣٩٧، ط، دار طيبه)

وفي زاد المسير: قال مجاهد: أسلم الملک على يد يوسف. وقال أهل السير: أقام في بيت الملک سنة، فلما انصرمت، دعاه الملک، فتوجه، ورداه بسيفه، وأمر له بسرير من ذهب، وضرب عليه كلة من استبرق، فجلس على السرير كالقمر، ودانت له الملوک، ولزم الملک بيته، وفوض أمره اليه، وعزل قطفير عما كان عليه، وجعل يوسف مكانه، ثم ان قطفير هلک في تلک الليالي، فزوج الملک بأمراة قطفير، فلما دخل عليها، قال: أليس هذا خيرا مما تريدين؟ فقالت: أيها الصديق لاتلمني، فاني كنت امرأة حسناء في ملک ودنيا، وكان صاحبي لايأتي النساء، فغلبتني نفسي، فلما بنى بها ويوسف وجدها عذراء، فولدت له ابنين، افرايیم، وميشاء، واستوسق له ملک مصر. (زاد المسير في علم التفسير، سورة يوسف، الآية: ٥٥، ج: ٤، ص: ٢٤٤، ط، المكتب الاسلامي)

کیا حضرت زلیخا زانیہ تھیں؟ العیاذ باللہ

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں : ایک عالم صاحب نے اپنی تقریر میں یہ بات کئی مرتبہ قرآن کا ترجمہ کرتے ہوئے فرمائی کہ حضرت زلیخا زانیہ تھی، زانیہ نبی کی بیوی نہیں ہوسکتی، نہ جانے کتنوں سے اس نے زنا کیا ہوگا۔ گزارش یہ ہے کہ یہ بتایا جائے ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے عالم کو مستقل امام بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس کی امامت درست ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالی

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضرت زلیخا کے ''العیاذ باللہ'' زانیہ ہونے کا ثبوت کسی بھی صحیح روایت یا تفسیر میں نہیں ہے۔ نیز قرآن کریم میں '' ولقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان رابرھان ربہ الآیۃ'' سے واضح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی وسوسہ آ گیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نبی کی حفاظت کسی بھی ذریعہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شکل ان کے سامنے ممثل کردی گئی، یا ان کا منصب نبوت ان کے سامنے برہان اور حجت بن کر آ گیا تھا، نیز اکثر مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی حضرت زلیخا کے ساتھ ہوگئی تھی اور یہ بات بھی بنص قرآن ہے کہ کسی نبی کے نکاح میں زانیہ عورت نہیں آسکتی۔

اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ. الآية

لہٰذا جس نے بھی حضرت زلیخا کو زانیہ کہا ہے وہ صحیح نہیں ہے، اس کو ایسی بے ثبوت باتوں سے توبہ کرلینی چاہئے، اگر کہنے والے نے کہیں سے سن کر یا کسی کتاب میں دیکھ کر نقل

کردیا ہے تو وہ فاسق نہیں ہے، مگر اس کا محض بے ثبوت ہونا معلوم ہوجانے کے بعد پھر کبھی بیان نہ کرنا لازم ہے، اس کے بعد اگر پھر بھی زانیہ ہونے کا الزام لگائے گا تب فسق کا حکم لگایا جاسکتا ہے اوراسی وقت امامت کا مسئلہ بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔

أخرج غير واحد عن ابن عباس رضى الله عنه ما زنت امرأة نبى قط. (روح المعانى، سورة التحريم: ١٠، الجزء الثامن والعشرون، مكتبه زكريا ٢٤١/١٥)

أخرج ابن عساكر عن أشرس الخراسانى رضى الله عنه يرفعه الى النبى ﷺ أنه قال: مابغت امرأة نبى قط. (الدرالمنثور، سورة التحريم: ١٠، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ٣٧٧/٦)

ما بغت امرأة نبى قط، وهذا اجماع من المفسرين فيما ذكر القشيرى. (تفسير قرطبى، سورة التحريم: ١٠، مكتبه دارلكتب العلمية بيروت ١٣١/١٨)

انه لما مات زوجه امرأته زليخا فوجدها عذرا: لأن زوجها كان لايأتى النساء، فولدت ليوسف عليه السلام رجلين، وهما أفرايم ومنشا. (البداية والنهاية، ذكر ما وقع من الأمور العجيبة فى حياة اسرائيل، مكتبه دارالفكر بيروت ١/ ٢١٠) فقط والله سبحانه اعلم بالصواب ـ (فتاوى قاسميه، ج: ٢، ص: ١٧٨، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند)



حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے حیلے کی حقیقت

﴿سوال﴾:

سورۃ یوسف آیت ۷۰ میں ہے کہ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ، اس میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو چور ٹھہرایا گیا ہے جو دراصل بے گناہ تھے، اور سورۃ نساء آیت میں ارشاد ربانی ہے: وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْئًا. فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا. اس آیت سے بے گناہ پر الزام لگانا گناہ معلوم ہورہا ہے، لہٰذا یوسف علیہ السلام نے کیوں ایسا کام کیا؟

﴿الجواب﴾:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھنے کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ وحی الٰہی کے تابع تھا جس کی بعد میں اللہ تعالیٰ نے كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ (۳۲) کے ساتھ تعبیر کر کے تحسین بھی فرمائی، لہٰذا اس میں حضرت یوسف علیہ السلام پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔

لما قال احمد الصاویؒ: كذلك كدنا ليوسف علمناه الاحتيال. اى فما وقع من يوسف فى تلك الواقعة بوحي من الله تعالىٰ وحينئذ فلا يقال كيف نادىٰ علىٰ اخوته بالسرقة واتهمهم بها مع انهم بريئون. (تفسير صاوى ج ۲ ص۲۵۲ سورة يوسف)۔ (فتاوى حقانيه، ج: ۲، ص: ۱۴۵، ط، مكتبه سيد احمد شهيد اكوڑه خٹك)



(۳۲):(سورة يوسف: ۷۶)

کیا شاہد یوسف نے شیرخوارگی کی حالت میں گواہی دی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آپ کی تصنیف ''انوار ہدایت'' میں ص: ۲۱۰ / پر تین شیر خوار بچوں کا ذکر ہے، جنہوں نے ماں کی گود میں کلام کیا، معلوم یہ کرنا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی شہادت جس بچہ نے دی تھی، اس کی کیا عمر تھی؟ اس بچہ کا تذکرہ بھی تو احادیث میں آیا ہوگا؟ اس کے بارے میں کیا تحقیق ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

آنجناب نے ''انوار ہدایت'' کے اس مسئلہ پر اشکال کیا ہے، جس میں تین بچوں کے شیر خواری کی حالت میں گویائی کا ذکر ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ ان میں شاہد یوسف کا ذکر نہیں، درحقیقت بات یہ ہے کہ جن تین بچوں کا ہم نے ''انوار ہدایت'' کے اندر ذکر کیا ہے، ان کا شیر خواری کی حالت میں گفتگو کرنا صحیح روایات سے ثابت ہے، کسی کا ان میں اختلاف نہیں ہے۔ اور شاہد یوسف کے بارے میں بڑا اختلاف ہے، بعض لوگوں نے شیر خوار بچہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے، جیسا کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن جبیر اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے، لیکن اکثر محدثین شاہد یوسف کے صبی ہونے کے منکر ہیں، بلکہ وہ ایک رجل حکیم تھے۔ اور بادشاہ کے وزراء ان سے مشورہ لیا کرتے تھے، جیسا کہ ''تفسیر قرطبی، تفسیر خازن، تفسیر کبیر'' وغیرہ میں اس وضاحت ہے۔

الرابع: أنه رجل حكيم ذوعقل كان الوزير يستشيره في أموره، وكان من جملة أهل المرأة، وكان مع زوجها الى قوله: هذا قول الحسن، وعكرمه وقتادة والضحاك ومجاهد أيضا، والسدي قال: كان ابن عمها، وروى عن ابن

عباس وهو الصحيح في الباب. (تفسير قرطبي، سورة يوسف: ۲۹، مكتبه دارلكتب العلمية ۹/ ۱۱٤، تفسير خازن، سورة يوسف ذكر قصة ذهاب اخوة يوسف بيوسف عليه السلام، مكتبه دارالمعرفة بيروت ۳/ ۱۵، تفسير كبير ۱۸/ ۱۲۳)

احقر نے ''انوار ہدایت'' میں شاہد یوسف کو صبی کی گویائی کے بارے میں: اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اس میں اس طرح کا اختلاف ہے۔ نیز ''تفسیر روح المعانی، سورۃ یوسف: ۲۸، مکتبہ زکریا جزو: ۱۲، ۷/ ۳۳۱'' میں گیارہ بچوں کا ذکر ہے، جو حسب ذیل ہیں:

(۱) حضور اکرم ﷺ (۲) حضرت یحییٰ علیہ السلام (۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام (۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۵) حضرت مریم علیہا السلام (٦) وہ بچہ جس نے جریج کی برأت کی گواہی دی تھی (۷) شاہد یوسف (۸) اصحاب اُخدود کے واقعہ میں گفتگو کرنے والا بچہ (۹) وہ بچہ جس کے سامنے ایک باندی کا گذر ہوا، جس کو زانیہ کہا جارہا تھا، وہ کچھ نہیں بول رہی تھی، اس بچہ نے اس کی برأت کی گواہی دی (۱۰) زمانۂ فرعون میں ماشطہ کا بچہ (۱۱) وہ بچہ جس نے حضور ﷺ کے دور میں گفتگو کی، ان کا ذکر صاحب روح المعانی نے اشعار میں کیا ہے:

تكلم في المهد النبي محمد	ويحيى وعيسىٰ والخليل ومريم
ومبرى جريج ثم شاهد يوسف	وطفل لذى الأخدود يرويه مسلم
وطفل عليه مبر بالأمة التى	يقال لها تزنبي ولم تتكلم
وماشطة في عهد فرعون طفلها	وفي زمن الهادى المبارك يختم

(روح المعانی، سورۂ یوسف، زکریا، جز ۱۲، ج ۷، ۲/ ۳۳۱۔ ۳۳۲) فقط

واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیه، ج: ۲، ص: ۱۷۰، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند)



حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصہ سے سجدہ تعظیمی کا جواز ثابت کرنا درست نہیں

﴿سوال﴾:

یوسف علیہ السلام کے قصہ میں آیا ہے: ﴿وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ (سورۂ یوسف، آیت: ۱۰۰) جلالین میں ہے: ﴿وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ **سجود انحناء لا وضع جبهة وکان تحیتهم فی ذلک الزمان کالسلام والمصافحة والقیام فی زماننا، وعن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما معناه خروا لأجله سجدا للّٰه شکرًا** صاحب جلالین ومحشی سجدہ کے معنی انحناء کے لیتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں سجدہ کا لفظ صریح ہے، پھر اس کی تاویل کی ضرورت نہیں تھی، اور چونکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول اس کے معارض ہے اس لیے بھی وہ قابل تسلیم نہ ہونا چاہیے، بناء علیہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول جو قرآن مجید کے موافق ہے اسی کا راجح ہونا متحقق ہوتا ہے، لیکن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول شکرا للّٰه قرآن مجید کے اس مضمون سے معارض معلوم ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کی زبانی فرماتا ہے: ﴿یٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُؤْیَایَ﴾ (سورۂ یوسف، آیت: ۱۰۰) اور رویای کے بیان میں یہ الفاظ ہیں: ﴿رایتهم لی ساجدین﴾ (سورۂ یوسف، آیت: ۴) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے شکریہ کا نہیں تھا بلکہ یوسف علیہ السلام ہی کو کیا گیا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو تعظیمی سجدہ کا بین ثبوت ہے اگر کہا جاوے کہ اگلے زمانہ میں تعظیمی سجدہ جائز تھا اور شریعت اسلام میں ناجائز ہوا تو اس کے ثبوت میں قرآنی دلیل چاہئے، قرآن مجید میں جہاں تک

عبادت غیر اللہ کی نہی میں آیات وارد ہیں ان سے تعظیم کی نہی مصرح نہیں ہوسکتی۔

﴿الجواب﴾:

اس میں کچھ بحث کی ضرورت نہیں ہے کہ مراد سجدہ سے سجدۂ انحناء ہے یا وضع جبہہ کیونکہ اب شریعت اسلام میں دونوں ممنوع ہیں، اور پہلی شریعت کے احکام وہ ثابت رہتے ہیں جن کا شریعت اسلام میں انکار نہ کیا گیا ہو، اور جب شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ میں اس کا انکار وارد ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو پہلے انبیاء علیہم السلام کا حکم باقی نہیں رہے گا۔ (۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج:۱۸، ص:۵۰۸، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند)



حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی انبیاء تھے یا نہیں؟

﴿سوال﴾:

سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا تفصیلی واقعہ ذکر ہے، لیکن اس سورت میں ان کے بھائیوں کی نبوت کا کوئی تذکرہ نہیں، لہٰذا اب پوچھنا یہ ہے کہ وہ انبیاء تھے یا نہیں؟

---

(۳۳): عن قیس بن سعد رضی اللّٰہ تعالی عنہ قال اتیت الحیرۃ فرایتھم یسجدون لمرزبان لھم فقلت لرسول اللّٰہ ﷺ احق ان یسجد لہ فاتیت رسول اللّٰہ ﷺ فقلت انی اتیت الحیرۃ فرایتھم یسجدون لمرزبان لھم فانت احق بان یسجد لک فقال لی ارایت لو مررت بقبری اکنت تسجد لہ فقلت لا فقال لاتفعلوا لو کنت امر احدا ان یسجد لاحد لامرت النساء ان یسجدن لازواجھن لما جعل اللّٰہ لھم علیھن من حق رواہ ابوداؤد ورواہ احمد عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ. (مشکاۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب عشرۃ النساء، ص: ۲۸۲، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں، بعض حضرات ان کے نبوت کے قائل ہیں، لیکن علماء نے اس رائے کو ضعیف قرار دیا ہے اور صحیح رائے جمہور علماء کی ہے کہ وہ انبیاء نہیں تھے۔

والدلیل علی ذلک:

فان قیل: کیف یلیق هذا بهم وهم أنبیاء؟ قلنا: من الناس من أجاب عنه بأنهم کانوا فی هذا الوقت مراهقین، وما کانوا بالغین، وهذا ضعیف...... ومنهم من أجاب بأن هذا من باب الصغائر، وهذا أیضاً بعید...... بل الجواب الصحیح أن یقال: أنهم ما کانوا أنبیاء. (۳۴)

ترجمہ: اگر کہا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف منصوبہ ان کی شانکے ساتھ کیسے لائق تھا، حالانکہ وہ انبیاء تھے؟ ہم کہتے ہیں: بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اس وقت وہ (حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی) بلوغ کے قریب تھے اور ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے، لیکن یہ جواب ضعیف ہے..... بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ عمل صغیرہ گناہوں کے زمرے میں آتا ہے، یہ جواب بھی حقیقت حال سے دور ہے..... بلکہ صحیح جواب یہی ہے کہ وہ انبیاء نہیں تھے۔ فقط واللہ اعلم۔ (فتاوی عثمانیہ، ج:۱، ص:۱۱۲،۱۱۳، ط، العصر اکیڈمی پشاور)



(۳۴):(مفاتیح الغیب، سورۃ یوسف، الآیة:: ۱۰، ج: ۱۸، ص: ۹۷، ط، دار الکفر)

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے نہ پڑنے سے متعلق تحقیق فتویٰ

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئہ ذیل کے بارے میں: سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑے تھے یا نہیں؟ اور کتنے دنوں تک پڑے رہے اور کتنے دنوں میں صحت ملی تھی؟ یہ واقعہ صحیح ہے یا غلط؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ قصہ بیان کرنا ٹھیک نہیں ہے، تو اگر یہ قصہ صحیح ہے تو ان کی حیات کے بارے میں بیان کیوں نہ کیا جائے؟ جب کہ مثال یہ دی جاتی ہے کہ ایوب علیہ السلام سے بہت کچھ امتحان ہوئے اور بہت دن بیمار رہے، لیکن نماز کبھی بھی نہیں چھوڑی، تو یہ مثال دینا ٹھیک ہے یا نہیں؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

قرآن اور حدیث میں حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کے مصیبت اور بلا میں مبتلا ہونے کا اجمالی ذکر موجود ہے، ان کو کافی تکلیفیں اٹھانی پڑیں، راجح قول کے مطابق تیرہ سال تک آزمائش اور مصیبت میں مبتلا رہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مصیبت سے نجات عطا فرمائی ہے، لیکن ان کے بدن میں کیڑے پڑ جانے سے متعلق کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے، بلکہ بعض روایات میں اس کا انکار موجود ہے۔ اور جن روایات میں کیڑے پڑنے کا ذکر ہے وہ نہایت کمزور اور اسرائیلی روایات میں سے ہیں، اس لئے ان روایات پر نہ اعتماد کرنا چاہئے اور نہ ہی عوام میں ایسی روایات بیان کرنی چاہئے۔ اور جن علماء نے ایسی روایات بیان کرنے کی نکیر فرمائی ہے وہ درست ہے۔

قال ابن العربی القاضی أبوبکر: ولم یصح عن أیوب علیه السلام فی أمره الا ما أخبرنا اللّٰه عنه فی کتابه فی آیتین.

الأولـى قـولـه تـعالى: ﴿وايوب اذ نادى ربه انى مسنى الضر. الأنبياء: ۸۳﴾ **والثـانية: انـى مسنى الشيطان بنصب وعذاب. الآية. وأمـا الـنبـیﷺ فلم يصح عنه أنه ذكره واحد الا قوله بينـا أيوب يغتسـل اذخـر عـليــه رجل من جراد من ذهب. الحديث** (بخارى شريف، كتاب التوحيد، باب قول الله يريدون أن يبدل كلام اللّٰه، النسخة الهندية ۲/ ۱۱۱۶، رقم: ۷۱۹۳، ف: ۷۹۳)

واذ لـم يـصـح عـنـه فيـه قرآن ولاسنة الا ما ذكرناه. (تـفسير قرطبى، سورة ص: ٤١، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ۱۵/ ۱۳۷، بخـارى شـريف، كتـاب التوحيد، بـاب قول اللّٰه يـريـدون أن يبدل كـلام الـلّٰـه، النسخة الهندية ۲/۱۱۱۶، رقم: ۷۱۹۳، ف: ۷٤۹۳)

وأصـح ما ورد فى قصته ما أخرجه ابن أبى حاتم وابن جـريـج، وصـححه ابن حبان والحاكم من طريق نافع بن يزيد عن عقيل عن الزهرى عن أنس " ان أيوب عليه السلام ابتلى، فلبث فى بلائه ثلاث عشرة سنة". (فتح البارى، كتاب الأنبياء، بـاب قـولـه الـلّٰـه: وايـوب اذ نـادى ربه انى مسنى الضر "، مكتبه دارالـريـان لـلتراث ٦/٤٨٤، دارلفكر ٦/٤٢١، أشرفيه ديوبند ٦ /٥٢٠، تـحـت رقم الحديث: ۳۳۹۱) فقط واللّٰه سبحانه وتعالىٰ اعـلـمـ (فتـاوى قـاسـميـه، ج: ۲، ص: ۱۷۷، ط، مـكتبه اشرفيه ديـوبـنـد/ فتاوى دار العلوم وقف ديوبند، ج: ۱، ص: ۲۰۲، ط، حـجة الاسـلام اكيـڈمـى/ فتاوى حقانيه، ج: ۲، ص: ۱۵۳، ط،

مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)



حضرت ایوب علیہ السلام کا مرض کیا تھا؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

(۱): حضرت ایوب علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کے بدن میں کیڑے پڑ گئے تھے کیا یہ صحیح ہے؟

(۲): اگر کیڑے پڑ گئے تھے تو پورے جسم میں پڑتے تھے یا جسم کے بعض اعضاء میں؟

(۳): اگر کیڑے تھے تو ان کیڑوں کا طول وعرض یعنی ان کا حجم کیا تھا؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

(۱): حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسد مبارک میں کیڑے پڑنے کی روایات معتبر نہیں ہیں، جن روایات وآثار سے کیڑے پڑنے اور جسم اطہر میں پھوڑے پھنسی وغیرہ کا ثبوت ہوتا ہے، ان پر محققین نے رد کیا ہے۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہ الصلاۃ والسلام کو بشری بیماری لاحق ہونا تو ثابت ہے، لیکن ایسی بیماری کا لاحق ہونا جس سے انسانی طبع نفرت کرتی ہو، نصوص شرعیہ کے خلاف ہے، بلکہ صحیح روایات اور آیت قرآنی سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کو ایک شدید قسم کا مرض لاحق ہوا تھا۔

(۲/۳): جب کیڑے کی روایات ہی معتبر نہیں تو پورے بدن میں کیڑے پڑنے اور کیڑوں کی لمبائی چوڑائی اور حجم کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن، ۵۲۲)

قال الطبری: قال أهل التحقيق أنه لايجوز أن يكون

بصفة يستقذره الناس عليها لأن فى ذلك تنفيراً ـ الى ـ ولعلك تختار القول بحفظهم بما تعافه النفوس ويؤدى الى الاستقذار والنفرة مطلقاً وحينئذ فلابد من القول بأن ما ابتلىٰ به أيوب عليه الصلاة والسلام لم يصل الى حد الاستقذار والنفرة كما يشعر به ما روى عن قتادة ونقله القصاص فى كتبهم، وذكر بعضهم أن داءه كان الجدرى ولا أعتقد صحة ذلك والله أعلم. (تفسير روح المعانى تحت الآية مسنى الشيطان بنصب وعذاب اركض برجلك، سورة ص ٤٢، ٤٣، زكريا ١٣/ ٣٠٥) فقط والله سبحانه وتعالىٰ اعلم۔(فتاوى قاسميه، ج: ٢، ص: ٣٧٢، ٣٧٣، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند)



حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش کی ایک صورت

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام بیمار ہوئے تھے تو بعض لوگوں سے سنا ہے کہ ان کو اس حد تک خارش ہوگئی تھی کہ جسم مبارک میں کیڑے پیدا ہوگئے اور جسم کا گوشت گلنا شروع ہوگیا تھا۔ کیا یہ بات صحیح ہے اور کتب معتبرہ سے ثابت ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

صورت مسئولہ میں انبیاء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کے طور پر مختلف حالات آتے رہتے ہیں البتہ کوئی حالت ایسی نہیں ہوتی کہ جس کی وجہ سے لوگ انبیاء سے متنفر ہوجائیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش بھی مال اور اولاد کے ختم ہونے اور کسی

درجے میں بیماری کے ساتھ ہوئی۔ اس کے علاوہ طرح طرح کی بیماریاں آپ کے طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ انبیاء کی شان میں گستاخی ہے جس سے اجتناب واجب ہے۔

لمافی روح المعانی (۲۰۶/۲۳): قال العلامة الآلوسی بعد ذکر اقوال عدیدة.. وکل هذه الاقوال عندی متضمنة مالایلیق بمنصب الانبیاء علیهم السلام. ذهب جمع الی ان النصب والعذاب لیسا ماکان له من المرض والالم او المرض وذهاب الاهل والمال بل امر ان عرضا له وهو مریض فاقد الاهل والمال.

وفی احکام القرآن للقرطبی (۲۱۰/۱۵): قال القرطبی بعد ذکر اقوال کثیره متعلقة بمرض ایوب .....قال ابن العربی القاضی ابوبکر رضی اللّٰه عنه. ولم یصح عن ایوب فی امره الا ما اخبرنا اللّٰه عنه فی کتابه آیتین: الاولی قوله تعالی وایوب اذ نادی ربه انی مسنی الضر والثانیة فی صٓ انی مسنی الشیطن بنصب وعذاب. واما النبی ﷺ فلم یصح عنه انه ذکره بحرف واحد الا قوله: بینا ایوب یغتسل اذخر علیه رجل من جراد ذهب الحدیث. واذ لم یصح عنه فیه قرآن ولا سنة الا ما ذکرنا فمن الذی یوصل السامع الی ایوب خبره، ام علی ای لسان سمعه؟ والاسرائیلیات مرفوضة عند العلماء علی البتات. فاعرض عن سطورها بصرک، واصمم عن سماعها اذنیک، فانها لاتعطی فکرک الا خیالا، ولا تزید فؤادک الا خبالا. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۳۰، ۲۳۱)

عصائے موسیٰ اور اخراج ذریتِ آدم کی تحقیق

﴿سوال﴾:

بیان القرآن۔ ج ۴ ص ۳۵ س ۱۹ سوال وجواب پھر سطر ۲۳ میں ہے ''گو اگر وہ لوگ بعد میں ڈالتے تب بھی وہ عصاء ان کو نگل جاتا لیکن فوراً سحر کرتے ہی اس کا باطل ہونا جو کہ اوقع فی النفس ہے یہ تو ظاہر نہ ہوتا'' اھ۔ حالانکہ القائے موسوی کے بعد جب عصاء حیّہ بن جاتا اور پھر القاء سحر ہوتا اور وہ فوراً نگل جاتا تو فوراً سحر کرتے ہی باطل ہونا ظاہر ہو جاتا۔ فوری ابطال تو سحر کرتے ہی فوراً نگل جانے سے ہونا چاہئے۔ حیّہ موسیٰ پہلے موجود ہوتا اور سحر ہوتے ہی باطل کرتا۔ یا بعد میں موجود ہو کر باطل کرتا۔ بلکہ بعد کی صورت میں تو القائے عصاء اور حیّہ بننے میں دیر بھی ہوتی ہے۔ اور القائے موسیٰؑ کے پہلے ہونے میں کچھ بھی دیر نہ ہوتی۔ فوراً ہی ابطال ہوتا۔ فرق سمجھ میں نہیں آیا؟

﴿الجواب﴾:

قولہ فی التفسیر اسی پر اظہار حق یعنی بدرجہ کمال جیسا کہ عنقریب مصرح ہے فی قولہ بمصلحت کمال غلبۂ حق قولہ غلبہ تو ظاہر ہوتا یعنی بدرجہ کما للقرینۃ المذکورۃ قولہ عصاء وحبال کو فوراً یعنی بمجرد القائے موسیٰؑ قولہ فوراً سحر کرتے ہی یہاں ذہن کو غالباً خلط ہو گیا۔ فوراً تفسیر مقصود وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ مطلب یہ کہ کمال غلبہ حق کا یہ ہے کہ حق کے ظاہر ہوتے ہی باطل فنا ہو جاوے **کما یشیر الیہ قولہ تعالیٰ** ''**جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ** الآیۃ (۳۵) تو اگر القائے موسوی پہلے ہوتا تو اس وقت چونکہ باطل کا وقوع نہیں ہوا تھا۔ اس لئے بفور ظہور حق کے فناء باطل کا تحقق نہ ہوتا گو ایک صورت کہ بمجرد ظہور باطل کے وہ حق سے فنا ہو جاتا واقع ہوتی۔ اور وہ بھی ایک صورت غلبہ حق کی ہے۔ لیکن ہر وجہ میں ایک وجہ ترجیح کی ہے۔ نکتہ میں اتنا ہی کافی ہے یہاں عبارت بدل دی جاوے یعنی بجائے اس عبارت

(۳۵):(سورۃ بنی اسرائیل، آیۃ: ۸۱)

کے کہ سحر کرتے ہی یہ عبارت کردی جاوے یعنی موسٰی علیہ الصلاۃ والسلام کے عصاڈالتے ہی۔

﴿سوال﴾:

(۲) ج۴ص۵۴س۱۱ یابنابراس کے اخراج الذریہ (ای ابناء بنی آدم من ظهور بنی ادم) مستلزم ہے اخراج ذریۃ آدم (نبی آدم) من ظہرآدم کو کیونکہ یہ ذریت بنی آدم (ابناء بنی آدم) بھی تو ظہر بنی آدم میں تھی۔ جب بنی آدم سے ذریۃ (ابناء بنی آدم) کا کسی بقعہ میں اخراج ہوا۔تو ظہر آدم سے بھی تولازمی طور پر ہوااھ دلیل کا انطباق سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ دعویٰ تو یہ تھا کہ ابناء بنی آدم کا ظہور بنی آدم سے نکلنا بنی آدم کے ظہر آدم سے نکلنے کو مستلزم ہے اور دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ابناء بنی آدم کا ظہور بنی آدم سے نکلنا ظہر آدم سے ہی نکلنا ہے۔ کیونکہ المخرج من الشی الکائن فی الشی مخرج من ذلک الشی. تواس دعویٰ کا یعنی بنی آدم کا ظہر آدم سے نکلنا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایک صورت یہ بھی محتمل ہے گوبعید ہوکہ اخراج بنی آدم من ظهور بنی آدم حال کونهم ظهر آدم غير مخرجين منه ہواوردلیل کا مضمون اس پر بھی صادق ہے۔ بلکہ آگے جومثال تھیلی کی دی ہے وہ مثال بھی اس محتمل صورت کی تو بنتی ہے۔اوراصل دعویٰ کی نہیں بنتی۔ کیونکہ اخراج الدراهم من الصرة اخراج الدراهم من الصندوق کوتو مستلزم نہیں اورزیادہ توضیح کے لئے بہتر ہے کہ خود ممثل لہ میں بھی اس عبارت کو کہ ظہر آدم سے بھی تولازمی طور پر ہوااور اس طرح کردیا جاوے کہ ظہر آدم سے خود ذریۃ آدم کا بھی تولازمی طور پر ہوا؟

﴿الجواب﴾:

قولہ کسی بقعہ میں الخ مراد بقعہ سے خارج من جسد آدم ہے نہ کہ داخل فی جسد آدم قرینہ اس کا تبادر ہے۔ کیونکہ بقعہ سے حصہ داخلہ فی جسد آدم کوئی نہیں سمجھتا۔ پھر خروج سے بھی مرادخروج اولی ہے۔ بقرینۃ التبادر ایضا یعنی یہ خروج اول ہی بقعہ مذکورہ میں ہوا ہو۔ یہ نہ ہو کہ اول خروج کسی اور محل میں ہو جو بقعہ مذکورہ مغائر ہو۔ جیسے جسد آدم پھراس محل سے

بقعہ میں ہوا ہو اور یہ جب ہی ہوگا جب ذریۃ قریبہ آدمیہ کو اول آدم سے نکال لیا جاوے۔ البتہ مثال کے انطباق میں تکلف ہوگا۔ اس لئے عبارت اس طرح کردی جاوے کہ جب روپیہ تھیلی میں سے اس طرح نکالیں کہ نکلتے ہی بقعہ خارجہ عن الصندوق میں آجاوے تو ایسا خروج عن الصرہ مستلزم ہوگا خروج الصرۃ عن الصندوق کو بھی۔ (امداد الفتاوی، ج:۱۱،ص: ۵۰،۵۱، ط، زکریا بک ڈپو الہند)



حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا

﴿سوال﴾:

کیا کسی حدیث میں موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے تفصیل سے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا.

﴿الجواب باسم ملہم الصواب﴾:

حدثنا هداب بن خالد و شيبان بن فروخ قالا اخبرنا حماد بن سلمة البناني وسليمان التيمي عن انس بن مالك رضى الله تعالى عنه ان رسول الله ﷺ قال اتيت وفى رواية هداب مررت على موسى ليلة اسرى بى عند الكثيب الاحمروهو قائم يصلي فى قبره (صحيح مسلم ص ۲۶۸ ج ۲) (۳۶) مختلف طرق سے یہ حدیث مروی ہے (۳۷)۔ فقط واللہ تعالیٰ

(۳۶): (صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل موسىٰ عليه الصلاة والسلام، ص: ۱۰۴۴، رقم: ۶۱۵۶، ط، دار السلام رياض)

(۳۷): **عن سليمان التيمي، عن أنسؓ، قال: قال رسول الله ﷺ: مررت ليلة اسرى بى على موسى فرأيته قائما يصلي فى قبره. أخرجه أحمد ۳/۱۲۰ قال:**

اعلم (احسن الفتاوی، ج:۱،ص:۵۰۹، ط، ایم ایچ سعید کراچی/ فتاوی حقانیہ، ج:۲،ص:۲۰۷، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)



حدثنا وكيع. ومسلم ٧/ ١٠٢ قال: حدثنا أبوبكر بن أبى شيبة، قال: حدثنا عبدة بن سليمان. كلاهما (وكيع، وعبدة) عن سفيان الثورى.

وأخرجه أحمد ٣/ ١٤٨ قال: حدثنا حسن. وفى ٣/ ٢٤٨ قال: حدثنا عفان. وعبد بن حميد ١٢٠٥ قال: حدثنا الحسن بن موسى. ومسلم ٧/ ١٠٢ قال: حدثنا هداب بن خالد، وشيبان بن فروخ. والنسائى ٣/ ٢١٥ قال: أخبرنا العباس بن محمد، قال: حدثنا يونس بن محمد وفى ٣/ ٢١٦ وفى الكبرى (١٢٣٨) قال: أخبرنى أحمد بن سعيد، قال: حدثنا حبان، ستتهم (حسن، وعفان، وهداب، وشيبان، ويونس، وحبان بن هلال) عن حماد بن سلمة.

وأخرجه مسلم ٧/ ١٠٢، والنسائى ٣/ ٢١٦ كلاهما عن على بن خشرم، عن عيسى بن يونس.

وأخرجه مسلم ٧/ ١٠٢ قال: حدثنا عفان بن أبى شيبة، قال: حدثنا جرير.

وأخرجه النسائى ٣/ ٢١٦ قال: أخبرنا محمد بن عبدالأعلى، قال: حدثنا معتمر.

خمستهم (الثورى، وحماد، وعيسى، وجرير، ومعتمر) عن سليمان التيمى، فذكره.

صرح سليمان بالسماع من أنس فى رواية عبدة بن سليمان عن الثورى، عند مسلم ٧/ ١٠٢.

أخرجه النسائى ٣/ ٢١٦ قال: أخبرنا يحيى بن حبيب بن عربى، واسماعيل بن مسعود قالا: حدثنا معتمر. وفيه ٣/ ٢١٦ وفى الكبرى (١٢٤٠) قال: أخبرنا قتيبة، قال: حدثنا ابن ابى عندى. كلاهما (معتمر، وابن أبى عدى) عن سليمان التيمى، عن أنس، عن بعض أصحاب النبى ﷺ، فذكره.

موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا، مردوں کا زندوں کو دیکھنا، قبر سے سورۃ ملک کا آواز آنا وغیرہ

﴿سوال﴾:

معراج کی رات جب حضور ﷺ تشریف لے گئے تو موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں دیکھا کہ نماز پڑھ رہے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

(۲) کوئی شخص زیارت القبور کرے۔ تو اہل قبور ان کو دیکھتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

(۳) حضور ﷺ کے زمانہ میں بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے لاعلمی میں ایک قبر پر خیمہ نصب کیا تو اس قبر سے سورۃ ملک کی آواز آ رہی تھی۔ پھر حضور ﷺ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے واقع بیان کیا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(۴) کیا قبر میں ایماندار آدمی زندہ ہوتا ہے اور تلاوت کرتا ہے؟

﴿الجواب﴾:

(۱) یہ حدیث صحیح ہے۔ رواہ مسلم غیرہ (۳۸)۔

(۲): یہ حدیث ثابت ہے (۳۹)۔ ذکرہ ابن کثیر و ابن تیمیة والسیوطی

روایة حماد بن سلمة عن سلیمان التیمی، وثابت، عن أنس رضی اللّٰہ تعالی عنه. (المسند الجامع، ج:۲، ص: ۳۴۷، ۳۴۸، رقم: ۱۳۱۷، ط، دار الجیل بیروت لبنان)

(۳۸): عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ تعالی عنه أن رسول اللّٰہ ﷺ قال اتیت وفی روایة هداب: مررت علی موسی لیلة أسری بن عند الکثیب الأحمر، وهو قائم یصلی فی قبره. (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ علیه الصلاة والسلام، ص: ۱۰۴۴، رقم: ۶۱۵۶، ط، دار السلام ریاض)

(۳۹): قال الامام ابو عبداللّٰہ محمد بن ابی بکر بن ایوب ابن قیم الجوزیة

فی فتاواہ.

رحمه الله تعالى:اما المسألة الأولى: وهى هل تعرف الأموات بزيارة الأحياء وسلامهم عليهم أم لا؟: فقال ابن عبدالبر: ثبت عن النبیﷺ انه قال: مامن مسلم يمر بقبر أخيه، كان يعرفه فى الدنيا، فيسلم عليه الا رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام.

فهٰذا نص فى أنه يعرفه بعينه، ويرد عليه السلام.

وقد شرع النبیﷺ لامته، اذا سلموا على أهل القبور، ان يسلموا عليهم سلام من يخاطبونه، فيقول المسلم: السلام عليكم دار قوم مؤمنين. وهذا خطاب لمن يسمع ويعقل، ولولا ذلک لكان هذا الخطاب بمنزلة خطاب المعدوم الجماد.

والسلف مجمعون علٰى هذا، وقد تواترت الآثار عنهم بأن الميت يعرف بزيادة الحي له ويستبشربه. (كتاب الروح، اما المسالة الاولى وهى هل تعرف الأموات بزيارة الأحياء وسلامهم عليهم ام لا؟ ص: ۵/۶/۷،ط، دار عالم الفوائد،رياض)

وقال الفقيه المفسر العلامة محمد شفيع العثمانى نور الله مرقده: وذهبت طبوائف من أهل العلم الى سماعهم فى الجملة، وقال ابن عبدالبر: ان الأكثرين على ذلک وهو اختيار ابن جرير الطبرى، وكذا ذكر ابن قتيبة وغيره. واحتجوا بما مر من روايات الصحيحين فى سماعهم (كذا فى الروح). وقال ابن كثير: والصحيح عند العلماء رواية عبدالله بن عمر رضى الله تعالى عنهما ـ يعنى المذكور آنفاً ـ لما لها من الشواهد على صحتها من وجوه كثيرة. من أشتهر ذلک مارواه ابن عبدالبر مصححاً له عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما مرفوعاً: ما من أحد يمر بقبر أخيه المسلم كان يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه الا رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام. وثبت عنه صلىﷺ لأمته اذا أسلموا على أهل القبور أن يسلموا عليهم سلام من يخاطبونه، فيقول المسلم: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وهذا خطاب لمن يسمع ويعقل، ولولا هذا الخطاب لكانوا بمنزلة خطاب المعدوم والجماد. والسلف مجمعون على هذا، وقد تواترت الآثار عنهم بأن الميت يعرف بزيارة

(۳): یہ حدیث ثابت ہے(۴۰)۔(مشکوۃ)

(۴) ہامش کوکب دری میں اس کے متعلق تفصیل ملاحظہ کریں۔ وھوالموفق (فتاوی فریدیہ، ج:۱،ص:۴۷۶، ۴۷۷)



الحی، ویستبشر.

ثم سرد ابن کثیر روایات کثیرة علی ذلک. وفی شرح الصدور للسیوطی واحیاء العلوم للغزالی، ومختصر تذکرة القرطبی للشعرانی أکثر وأکثر من ذلک، کلها تدل علی أن المیت یعرف بزیارة الحی ویسمع سلامه ویرد علیه ویستبشر ویأنس به.

قال العبدالضعیف: والذی ذکر فی الروح من طوائف أهل العلم، وذکر ابن عبدالبر أن الأکثرین علی ذلک ـ یعنی سماعهم فی الجملة ـ هو الحق الحقیق بالقبول، والیه یرشد صیغة القرآن وشأن النزول، وبه تتوافق الروایات من الصحابة والرسول ﷺ، وهو مختار مشایخنا دامت برکاتهم ما هبت الدبور والقبول. (احکام القرآن، ج:۳،ص: ١٦٥، ١٦٦،ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة)

وفی المرقات: وأخرج ابن عبدالبر فی الاستذکار والتمهید عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه ﷺ ما من أحد یمر بقبر أخیه المؤمن، کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه ألا عرفه ورد علیه السلام صححه عبدالحق. (مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، الفصل الثالث، ج: ٤، ص: ٢٢١، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۴۰):وعن ابن عباسؓ قال ضرب بعض أصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم خباءً علی قبر وهو لایحسب انه قبر فاذا فیه انسان یقرأ سورة تبارک الذی بیده الملک حتی ختمها فأتی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فاخبرهٗ فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم هی المانعة هی المنجیة تنجیه من عذاب اللّٰه. رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب. (مشکاة المصابیح، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثانی، ص: ١٨٧،

انبیاء کرام کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا

﴿سوال﴾:

محترم مفتی صاحب ایک عالم دین نے واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو کیا یہ روایت صحیح ہے؟ نیز کیا انبیاء کرام کے لیے بعد الوفات بھی نماز پڑھنا ضروری ہے؟

﴿الجواب﴾:

مرنے کے بعد انسان کسی کے اعمال کرنے کا مکلّف نہیں رہتا یعنی نماز وغیرہ پڑھنا اس پر لازم نہیں ہوتا البتہ اللہ تعالیٰ کے بعض نیک بندوں کا اس طرح کرنا ذوقی امور پر محمول ہے، جہاں تک مذکورہ حدیث کا تعلق ہے تو بہ بسند صحیح جناب نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، چنانچہ امام مسلم بن قشیرؒ فرماتے ہیں:

عن انس بن مالک (رضی اللّٰہ عنہ) ان رسول اللّٰہ ﷺ قال اتیت وفی روایة مررت علی موسیٰ لیلة اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ. (الجامع الصحیح المسلم ج ۲ ص ۲۶۸ باب فضائل موسیٰ علیہ السلام) (۴۱)۔ (فتاوی حقانیہ، ج: ۲، ص: ۲۲٤، ط، مکتبہ سید احمد شھید اکوڑہ خٹك)



۱۸۸، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۴۱):(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام، ص: ۱۰٤٤، رقم: ٦١٥٦، ط، دار السلام ریاض)

صاحب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا بشر ہونا

﴿سوال﴾:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس شخص کے پاس جا کر استفادہ کرنے کا حکم ہوا تھا وہ انسان تھا یا کوئی فرشتہ تھا؟

عن سليمان التيمى، عن أنس رضى الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله ﷺ: مررت ليلة اسرى بى على موسى فرأيته قائما يصلى فى قبره. أخرجه أحمد ٣/ ١٢٠ قال: حدثنا وكيع. ومسلم ٧/ ١٠٢ قال: حدثنا أبوبكر بن أبى شيبة، قال: حدثنا عبدة بن سليمان. كلاهما (وكيع، وعبدة) عن سفيان الثورى.

وأخرجه أحمد ٣/ ١٤٨ قال: حدثنا حسن. وفى ٣/ ٢٤٨ قال: حدثنا عفان. وعبد بن حميد ١٢٠٥ قال: حدثنا الحسن بن موسى. ومسلم ٧/ ١٠٢ قال: حدثنا هداب بن خالد، وشيبان بن فروخ. والنسائى ٣/ ٢١٥ قال: أخبرنا العباس بن محمد، قال: حدثنا يونس بن محمد وفى ٣/ ٢١٦ وفى الكبرى (١٢٣٨) قال: أخبرنى أحمد بن سعيد، قال: حدثنا حبان، ستتهم (حسن، وعفان، وهداب، وشيبان، ويونس، وحبان بن هلال) عن حماد بن سلمة.

وأخرجه مسلم ٧/ ١٠٢، والنسائى ٣/ ٢١٦ كلاهما عن على بن خشرم، عن عيسى بن يونس.

وأخرجه مسلم ٧/ ١٠٢ قال: حدثنا عفان بن أبى شيبة، قال: حدثنا جرير.

وأخرجه النسائى ٣/ ٢١٦ قال: أخبرنا محمد بن عبدالأعلى، قال: حدثنا معتمر.

خمستهم (الثورى، وحماد، وعيسى، وجرير، ومعتمر) عن سليمان التيمى، فذكره.

صرح سليمان بالسماع من أنس فى رواية عبدة بن سليمان عن الثورى، عند مسلم ٧/ ١٠٢.

﴿الجواب﴾:

اس بارے میں ایک ضعیف قول یہ ہے کہ یہ شخص فرشتہ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے استفادہ کرنے کا حکم ہوا تھا، لیکن یہ قول بہت ہی کمزور اور غیر معتد بہ ہے اور جمہور علماء کے نزدیک یہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام تھے جو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور فرشتہ نہ تھے بلکہ انسان تھے (۴۲)۔

لما قال الشيخ آلوسی رحمه الله: قوله تعالىٰ: عبدا من عبادنا. الجمهور على انه الخضر بفتح الخاء. وقيل الياس وقيل ملک من الملئكة وهو قول غريب باطل كما فی شرح مسلم والحق الذی تشهد له الاخبار الصحيحة هو الاوّل الخ. (روح المعانی ج ۱۵ص ۳۱۹)(فتاوی حقانیه، ج: ۲، ص: ۱٤۸، ط، مکتبه سید احمد شهید اکوڑه خٹك)



أخرجه النسائي ۳/ ۲۱٦ قال: أخبرنا يحيى بن حبيب بن عربی، واسماعيل بن مسعود قالا: حدثنا معتمر. وفيه ۳/ ۲۱٦ وفی الكبرى (۱۲۴۰) قال: أخبرنا قتيبة، قال: حدثنا ابن ابی عندی. كلاهما (معتمر، وابن أبی عدی) عن سليمان التيمي، عن أنس، عن بعض أصحاب النبیﷺ، فذكره.

رواية حماد بن سلمة عن سليمان التيمي، وثابت، عن أنس رضی الله عنه.

(المسند الجامع، ج:۲، ص: ۳٤۷، ۳٤۸، رقم: ۱۳۱۷، ط، دار الجيل بيروت لبنان)

(۴۲):فی الجامع لأحكام القرآن: والخضر نبی عند الجمهور. وقيل: هو عبد صالح غير نبی، والآية تشهد بنبوته، لأن بواطن أفعاله هل كانت الا بوحی. وأيضاً فان الانسان لايتعلم ولايتبع الا من فوقه، وليس يجوز أن يكون فوق النبی من ليس بنبی. وقيل: كان ملكاً أمر الله موسى أن يأخذ عنه مما حمله من علم الباطن. والأول الصحيح، والله أعلم. (الجامع لأحكام القرآن، سورة الكهف، الآية: ٦٥، ج:

موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کو طمانچہ مارنا

﴿سـوال﴾:

کیا موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو قبض روح کے وقت طمانچہ مارا تھا؟ کیا یہ صحیح ہے؟

﴿الجواب ومنہ الصدق والصواب﴾:

یہ واقعہ صحیح ہے(۴۳)، ملک الموت شکل انسان میں آئے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کو موت کا اختیار بھی نہ دیا، حالانکہ انبیاء علیہم السلام کو پہلے اختیار دیا جاتا ہے، اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو نہیں پہنچانا اور کوئی انسان سمجھ کر طمانچہ مار دیا، بعد میں جب موسیٰ علیہ السلام کو موت کا اختیار دیا گیا تو آپ نے موت کو اختیار فرمایا۔ کما فی روایۃ البخاری وغیرہ، کیونکہ اب آپ کو اس کا مأمور من جانب اللہ ہونا متحقق ہو گیا تھا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاوی، ج:۹، ص:۱۶، ط، ایم ایچ سعید کراچی/ فتاوی فریدیہ، ج:۱، ص:۷۷/۴ فتاوی قاسمیہ، ج:۲، ص:۱۷۴، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند/ نجم الفتاوی، ج:۱، ص:۲۳۵)



۱۳، ص: ۳۲۵، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۴۳):عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالى عنه قال: أرسل ملك الموت الى موسى عليهما السلام فلما جاءه صكه، فرجع الى ربه فقال: أرسلتني الى عبد لايريد الموت، قال: ارجع اليه فقل له يضع يده على متن ثور فيه فله بما غطى يده بكل شعرة سنة، قال: أي رب، ثم ماذا؟ قال: ثم الموت، قال: فالآن، قال: فسأل الله أن يدنيه من الأرض المقدسة رمية بحجر.

قال أبو هريرة رضي اللّٰه تعالى عنه: فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: فلو كنت ثم لأريتكم قبره من جانب الطريق، تحت الكثيب الأحمر. (صحيح

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت کا قصہ

﴿سوال﴾:

ہمارے یہاں ایک مولانا صاحب نے اپنی تقریر میں کہا: کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کی آنکھ پر گھونسا مار کران کی آنکھ پھوڑ دی۔ اور یہ حدیث مشکوۃ شریف ص: ۴۹۹ پر ہونا بتلاتے ہیں۔ تو کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اس کے متعلق رہنمائی فرمائیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً﴾:

سوال میں لکھی گئی حدیث صحیح ہے۔ اور بخاری شریف ۱/۴۸۴ اور مشکوۃ: ۵۰۷ پر حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کہ ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ اللہ کے پاس حاضر ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک تھپڑ رسید کر دیا، جس سے ان کی آنکھ پھوٹ گئی۔ اسی طرح اس واقعہ کی حدیث مسلم شریف میں بھی موجود ہے (۴۴)۔ اس لئے مولانا صاحب نے جو

البخاری، باب وفاۃ موسی وذکره بعد، ص: ۷۰۰، رقم: ۳٤۰۷، ط، دار السلام ریاض)

(۴۴): وعنه (أبی هریرةؓ) قال قال رسول الله ﷺ جاء ملک الموت الی موسی بن عمران فقال له اجب ربک قال فلطم موسی عین ملک الموت ففقأها قال فرجع الملک الی الله فقال انک ارسلتنی الی عبد لک لایرید الموت وقد فقأ عینی قال فرد الله الیه عینه وقال ارجع الی عبدی فقال الحیوة ترید فان کنت ترید الحیوة فضع یدک علی متن ثور فما توارت یدک من شعرة فانک تعیش بها سنة قال ثم مه قال ثم تموت قال فالأن من قریب رب ادننی من الارض المقدسة رمیة بحجر قال رسول الله ﷺ والله لو انی عنده لاریتکم قبره الی جنب الطریق عند الکثیب الاحمر. متفق علیه. (مشکاة المصابیح، باب بدأ الخلق وذکر الأنبیاء علیه السلام، الفصل الأول، ص: ۵۰۷، ۵۰۸، ط، قدیمی کتب خانه کراچی/صحیح البخاری، باب وفاة موسی وذکره بعد، ص: ۷۰۰، رقم: ۳٤۰۷، ط، دار السلام ریاض/

حدیث بیان کی ہے وہ صحیح ہے۔

آپ کی اشکال کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ جیسا کہ لمعات اور مشکوۃ کی دوسری شرحوں میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا گیا ہے: کہ بعض بے دین لوگ اس حدیث کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تھپڑ سے فرشتہ کی آنکھ پھوٹ سکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھے کہ کوئی قاتل ہے جو قتل کے ارادے سے آیا ہے اس لئے اٹھ کر اسے تھپڑ رسید کردیا۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ اس سے تھپڑ مارنے کی وجہ تو معلوم ہوئی لیکن فرشتہ کی آنکھ کا پھوٹنا سمجھ میں نہیں آتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی چیز دوسری کسی چیز کی صورت اپنا لیتی ہے تو اس چیز کی تمام خاصیتیں بھی اس میں سرایت کرجاتی ہیں۔ مثلاً: جنات اپنی اصلی شکل میں کتنے قدآور، طاقتور ہوتے ہیں کہ دوتین آدمیوں کو بھی اٹھا کر پٹک دیں لیکن جب سانپ بچھو کی شکل میں آتے ہیں تو ایک چپل کے دباؤ سے مرجاتے ہیں۔ اسی طرح فرشتے جب اپنی اصلی شکل میں ہوں تب تو ان کی آنکھ نہیں پھوڑی جاسکتی لیکن جب انسانی شکل میں ہوں تو ایک زوردار سے آنکھ پھوڑی جاسکتی ہے۔ اور وہ مر بھی سکتے ہیں (۴۵)۔ فقط واللہ اعلم۔ (فتاوی دینیہ، ج:۱،ص:۱۱۴/ امدادالفتاوی، ج:۵،ص:۱۳۵تا۱۳۹، ط، مکتبہ دارالعلوم کراچی)



صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسی علیه الصلاة و السلام، ص: ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، رقم: ٦١٤٨، ط، دار السلام ریاض)

(۴۵):في المرقات: (فلطم موسى عين ملك الموت) أي ضربها بباطن كفه (ففقأها) بفاء ففاف فهمزة مفتوحات، أي فشقها وقلعها وأعماها. قيل: الملائكة يتصورون بصورة الانسان، وتلك الصورة بالنسبة اليهم كالملابس بالنسبة الى الانسان. واللطمة انما أثرت في العين الصورية لا في العين الملكية، فانها غير

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا امتِ محمدیہ میں داخل ہونے کی تمنا کرنا

﴿سوال﴾:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امت محمدیہ میں داخل ہونے کی تمنا کی تھی کیا اس کا ثبوت ہے؟ اور "**لو کان موسی حیاً لما وسعه الا اتباعی**" یہ روایت کیسی ہے؟

﴿الجواب﴾:

پہلے روایت ابونعیم اصبہانی کی "**دلائل النبوة**" میں مذکور ہے۔

ملاحظہ فرمائیں:

متأثرة باللطمة وغيرها. قال شارح: وانما لطمها موسى لاقدامه على قبض روحه قبل التخيير، والأنبياء كانوا مخيرين عندالله آخر الأمر بين الحياة والوفاة. (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب بدء الخلق وذكر الأنبياء، الفصل الأول، ج: ١٠، ص: ٣٨٧، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفى تكملة فتح الملهم: أن الملك جاءه فى صورة رجل أجنبى اقتحم بيته بدون اذنه، وقال: "أجب ربك" فلم أنه كيف يمكن فقء عين الملك. مع أن الملائكة مجردون عن المادة؟ فأجاب عنه شيخ مشايخنا أشرف على التهانوى رحمه الله فى فتاواه (٥: ١٢٣) بأن الملائكة أو الجن حينما يتمثلون بصورة مخصوصة، فان خواص الرجل، أو بعضها على الأقل، فلايبعد أن تكون عين الملك فى تلك الحالة المخصوصة مثل عين رجل فى القوة. وكان موسى عليه السلام شديد القوة والبطش، ففقأ تلك العين بطلمة. ثم حققه الشيخ رحمه الله أن الملائكة، وان كانوا فى صورهم الأصلية، فانهم مجردين عن المادة، بل ثبت بالنصوص تحيزهم وحركتهم وسكونهم، مما هو من خواص المادة ولكن مادتهم لطيفة جدا. (تكملة فتح الملهم، كتاب الفضائل باب من فضائل موسى عليه الصلاة والسلام، ج: ٥، ص: ١٨، ط، دار احياء التراث العربى بيروت لبنان)

(۱) حدثنا محمد بن أحمد بن الحسن قال ثنا محمد بن عثمان بن أبی شیبة قال ثنا جبارة بن المغلس قال حدثنا الربیع بن النعمان عن سهیل بن أبی صالح عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ان موسیٰ لما نزلت علیه التوراة وقرأها.... الی قوله: قال موسیٰ علیه السلام: یا رب فاجعلنی من أمة أحمد ﷺ ....الخ.

قال الشیخ: وهذا الحدیث من غرائب حدیث سهیل لا أعلم أحداً رواه مرفوعاً الا من هذا الوجه تفرد به الربیع بن النعمان وبغیره من الأحادیث عن سهیل وفیه لین. (دلائل النبوة ص: ۳۰، ۳۱)

اس حدیث میں جبارہ بن مغلس ضعیف راوی ہے۔

امام بخاری ابن معین وغیرہ نے تضعیف کی ہیں اور ابن عدی نے فرمایا اس میں غفلت تھی۔(تہذیب الکمال: ۴/۴۹۱)

بہر حال جبارۃ بن مغلس اور ربیع بن النعمان کی یہ حدیث غریب اور ضعیف ہے ممکن ہے کہ جبارہ بن مغلس نے غفلت کی وجہ سے اسرائیلی روایت کو مرفوع کر دیا ہو۔

وللاستزادة انظر. (ابن الجوزی فی "الضعفاء" :۱/۱۶۵/۶۳۵، والبخاری فی "التاریخ الصغیر" ۱/۲۳۴، والعقیلی فی "الضعفاء الکبیر"، ترجمة: ۲۵۶، وابن عدی فی "الکامل فی الضعفاء": ۲/۶۰۲، والذهبی فی "المیزان" : ۱/۲۸۷، والنسائی فی "الضعفاء والمتروکین" ترجمة ۱۰۱)

(۲) حافظ ابونعیم اصفہانیؒ (م ۴۳۰ھ) نے حلیۃ الاولیاء میں کعب الاحبار سے تفصیلی قصہ ذکر فرمایا ہے، اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

.... فلما عجب موسیٰ علیه السلام من الخير الذی أعطى محمداً ﷺ وأمته، قال: ياليتنی من أصحاب محمد! .... قال: فرضی موسیٰ كل الرضا. (اخرجه ابو نعيم فی حلية الاولياء: ٥/٣٨٤۔ ٣٨٦، دارلفكر)۔

نیز بعض سیرت کی کتابوں میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے: مثلاً: (الخصائص الكبرى: ١/ ٢١، باب ذكره فی التوارة والانجيل وسائر كتب الله المنزلة، بيروت، وسبل الهدى والرشاد: ١/ ٩٩، الباب الثامن، والروض الانف: ١/ ٢٧٦، فصل فی المولد)

بعض مفسرین نے بھی سورۂ اعراف کی آیتِ کریمہ: "**وألقى الالواح**" کی تفسیر میں اس قسم کے واقعات قتادہ اور کعب بن الاحبار سے نقل کیے ہیں۔ مثلاً: (الكشف والبيان: ٤/٢٨٢، ط: لبنان، وتفسير الخازن: ٢/٢٨٨، دارالفكر، وتفسير السراج المنير: ١/٤٠٧، ط: بيروت، ومعالم التنزيل: ٣/٢٨٠، والتفسير المظهری: ١/١٣٧٣، ط: بيروت)

لیکن محققین حضرات نے ان واقعات کی تردید فرما کر اسرائیلات میں شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "**الاسرائيليات والموضوعات**" میں ہے:

قال: اسرائيلية مكذوبة فی سبب غضب موسیٰ لما ألقى الألواح... ومما يؤيد أنه من وضع الاسرائيليين الدهاة أن نحواً من هذا المروی عن قتادة رواه الثعلبی وتلميذه البغوی عن كعب الأحبار ولاخلاف الا فی تقديم بعض الفضائل وتاخير البعض الآخر، الا أنه لم يذكر القاء الألواح فی آخره: "فلما عجب موسیٰ من الخير الذی أعطى الله محمداً وأمته قال: ياليتنی من أصحاب محمد...." الخ.

(الاسرائیلیات والموضوعات للدکتور محمد بن محمد ابوشهبه، ط: مکتبه السنة)

معالم التنزیل کے حاشیہ میں مرقوم ہے:

قال ابن عطیة الأندلسی فی "تفسیره" ٨٧/٦: وهذا قول ردئ لاینبغی أن یوصف موسیٰ علیه السلام به. وقال الحافظ ابن کثیر: وروی ابن جریر عن قتادة فی هذا قولاً غریباً لایصح اسناده، الی حکایة قتادة، وقد رده ابن عطیة، وغیره واحد من العلماء، وهو جدیر بالرد، وکأنه تلقاه قتادة عن بعض أهل الکتاب، وفیهم کذابون ووضاعون وأفاکون وزنادقة انظر: تفسیر ابن کثیر: ٢٤٩/٢، وقال القرطبی: ولا التفات لماروی عن قتادة وان صح عنه، ولا یصح أن القاء الألواح انما کان لما رأی من فضیلة أمةﷺ و لم یکن ذلک لأمته، وهذا قول ردئ لاینبغی أن یضاف الی موسیٰ علیه السلام." تفسیر القرطبی: ٢٨٨/٧"۔ (تعلیق معالم التنزیل، بتحقیق محمد عبدالله النمر، عثمان جمعة، وسلیمان مسلم: ٢٨٠/٣)۔ والله سبحانه و تعالیٰ اعلم۔

☆ دوسری روایت بھی ضعیف ہے۔

ملاحظہ ہو "تدوین الحدیث" میں ہے:

(۱) وأما ما نسب الی عمر رضی الله تعالیٰ عنه فی الطبرانی وغیره أنه جاء بمجموعة من التوراة وقال: وجدتها مع أخ لی فی بنی زریق، فاحمر وجه رسول اللهﷺ غضباً فلما علم بذلک عمر رضی الله تعالی عنه استغفر، فقال

النبی ﷺ: "لو کان موسیٰ حیاً لما وسعه الا اتباعی" نقل هذه الروایة فی" مجمع الزوائد" وقال: "فی سنده أبوعامر قاسم بن محمد الأسدی وهو مجهول" فهی روایة ضعیفة. (تدوین الحدیث للعلامه مناظر احسن گیلانی، ص: ۲۱۱)۔

(۲) وعن جابر بن عبدالله رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "لاتسئلوا أهل الکتاب عن شیء، فانهم لن یهدوکم، وقد ضلوا، فانکم اما أن تصدقوا بباطل، أو تکذبوا بحق، وانه لو کان موسیٰ حیاً بین أظهرکم ما حل له أن یتبعنی. (اخرجه البوصیری فی "الزوائد" (۱/۲۴۸/۳۷۶)، والبیهقی فی "شعب الایمان" (۱/۲۰۰/۱۷۹، والدیلمی (۵/۶۴/۷۴۶۹)، واحمد (۳/۳۳۸/۱۴۶۷۲، وعبدالرزاق (۵/۳۱۲/۲۶۴۲۱)، وابویعلی (۴/۱۰۲/۲۱۳۵)، قال حسین سلیم أسد: اسناده ضعیف، وقال الشیخ شعیب الارنؤوط فی تعلیقه علی مسند احمد (۲۲/۴۶۸/۱۴۶۳۱): اسناده ضعیف لضعف مجالد: وهو ابن سعید)

وانظر للمزید من البحث: تعلیق الشیخ شعیب الارنؤوط علی مسند الامام احمد، رقم: ۱۴۶۳۱و ۱۵۱۵۶، ومجمع الزوائد: ۱/۱۷۴، باب لیس لاحد قول مع رسول الله ﷺ، دارالفکر)۔ والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دارالعلوم زکریا، ج: ۱، ص: ۱۱۶تا ۱۱۹، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر کے پیچھے بھاگنا

﴿سوال﴾:

تفسیر حقانی اور چند دیگر تفاسیر میں آیت ﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا وَکَانَ عِنْدَاللّٰہِ وَجِیْھًا﴾ (الاحزاب ع/۹۔۲۲) کی تفسیر کچھ عجیب طریقہ سے موجود ہے۔ اس مسئلہ کی صداقت پر علماء کرام کچھ روشنی ڈالیں۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام فی الواقعہ اپنے پارچہ جات کے پیچھے عریاں چلے تھے۔ جبکہ ان کے پارچہ جات ایک پتھر لے بھاگا تھا۔

﴿جواب﴾:

یہ واقعہ بالکل صحیح ہے، صحیح بخاری وصحیح مسلم ودیگر کتب احادیث میں مذکور ہے(۴۶)۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو لوگوں کے طعن وتشنیع سے بچانا اوران کی

---

(۴۶):فی الدر المنثور: أخرج عبدالرزاق، وأحمد، وعبد بن حمید، والبخاری، والترمذی، وابن جریر، وابن المنذر، وابن أبی حاتم، وابن مردویه، من طریق عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ان موسی کان رجلاً حییا ستیرا، لایری من جلده شیء استحیاء منه، فآذاه من آذاه من بنی اسرائیل وقالوا: ما یستتر هذا الستر الا من عیب بجلده، اما برص، واما أدرة، واما آفة. وان الله أراد أن یبرئه مما من عیب بجلده، اما برص، واما أدرة، واما آفة. وان الله أراد أن یبرئه مما قالوا، وان موسی خلا یوماً وحده، فوضع ثیابه علی حجر ثم اغتسل، فلما فرغ أقبل الی ثیابه لیأخذها، وان الحجر عدا بثوبه، فأخذ موسی عصاه وطلب الحجر، فجعل یقول: ثوبی حجر، ثوبی حجرا حتی انتهی الی ملأ من بنی اسرائیل، فرأوه عریانا أحسن ما خلق الله، وأبرأه مما یقولون، وقام الحجر، فأخذ ثوبه فلبسه، وطفق بالحجر ضرباً بعصاه، فوالله ان بالحجر لندباً من أثر ضربه، ثلاثاً أو أربعاً أو خمساً، فذلک قوله: ﴿یایها الذین امنوا لاتکونوا کالذین اذوا موسیٰ فبرأه الله مما قالوا﴾.

وجاہت کولوگوں کے دلوں میں بٹھانا اس واقعہ کا مقصد تھا اور عریاں ہونا چونکہ اس قوم کی عادت میں کوئی عیب شمار نہیں ہوتا تھا، اس لیے انبیاء علیہم السلام کی عزت پر عوام کے نزدیک کوئی حرف نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے عین حکمت کے مطابق قلیل وقت میں غیر مناسب طور پر (جوکہ قوم کے نزدیک قطعاً غیر مناسب نہ تھا) پیغمبر کولوگوں کے سامنے پیش کر کے فی الحقیقت آپ کے ہاتھ سے معجزہ ظاہر فرما کر ان کی عظمت بڑھائی اور عمر بھر کے لیے تہمت سے بری کردیا۔ نفع کثیر کے مقابلہ میں ضرر قلیل کو برداشت کرنا عین تقاضائے حکمت ہے بالخصوص جبکہ قوم کی نظر میں نبی علیہ السلام کا کوئی عیب سامنے نہیں آیا۔ اس لیے اس واقعہ کے تسلیم کرنے میں پس وپیش نہیں کرنی چاہیے۔ جبکہ سند سے معتمد کتب حدیث میں ثابت ہے۔ صحیح ثابت شدہ روایات کا انکار کر کے جواب دینا فساد وفتنہ کا راہ کھول دینے کے علاوہ احساس کمتری کا نتیجہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی مفتی محمودؒ، ج:۱، ص:۱۷۳، ط، اشتیاق اے مشتاق پریس لاہور)



حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک واقعہ کی تحقیق

﴿سوال﴾:

تبلیغی جماعت سے منسلک ایک شخص نے درج ذیل واقعہ بیان کیا ہے:

''ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے دربار میں تشریف لے جارہے تھے، تو ایک مریض نے کہا: آپ اللہ کے پاس جارہے ہیں، ان کی خدمت میں میرا اسلام عرض کردیجئے گا اور کہیے گا کہ ''وہ مجھے موت دے دے''۔

موسیٰ علیہ السلام گئے اور اللہ کو اس مریض کا پیغام پہنچایا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اس مریض سے کہو کہ ابھی تیری شادی باقی ہے، جب تیری شادی ہوجائے گی، تب تجھے موت

(الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة الأحزاب، الآیة: ٦٩، ج: ١٢، ص: ١٤٩، ١٥٠)

آئے گی اور پہلی ہی رات میں تیری بیوی بیوہ ہوجائے گی، تو شادی سے قبل نہیں مرے گا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے اعلان کیا کہ کون ہے، جو اس مریض کو اپنی لڑکی دے گا؟ لیکن یاد رہے کہ وہ پہلی ہی رات میں بیوہ ہوجائے گی، ایک لڑکی تیار ہوگئی، لڑکی کے باپ نے انکار کیا، تو لڑکی نے کہا: کہ موسیٰ علیہ السلام پیغام لے کر آئے ہیں، اس لیے انکار کی گنجائش نہیں۔ مجبوراً بیٹی کے باپ راضی ہوگئے۔ پھر لڑکی کی شادی ہوئی، لڑکی شوہر کی خدمت کر رہی تھی کہ ایک فقیر آیا، اس نے صدا لگائی، چناں چہ لڑکی اپنا ہار دینے گئی۔ فقیر نے پوچھا: لڑکی! کیوں غمگین ہو؟ لڑکی نے جواب دیا کہ ''میری آج شادی ہوئی اور آج رات کو ہی میں بیوہ ہوجاؤں گی''۔ اس فقیر نے دعا کی، جس کے نتیجے میں اس کا بیمار شوہر اچھا ہوگیا۔

کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟ تبلیغی احباب بہت سی مرتبہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، تو مخالفین کو اختلاف واعتراض کا موقع ملتا ہے۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلی واقعہ ہے، قابل اعتبار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''یہودیوں نے تورات کی بہت سی باتوں کو تبدیل کردیا ہے'' (۴۷)۔ اس لیے ہم نہ تو اس کی تکذیب کریں گے اور نہ ہی تصدیق۔

مذکورہ قصے سے تقدیر پر اشکال واعتراض لازم آتا ہے، تقدیر بدلتی نہیں ہے (۴۸)۔

---

(۴۷): قال اللّٰہ تبارک وتعالی: من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ ویقولون سمعنا وعصینا واسمع غیر مسمع وراعنا لیا بالسنتھم وطعنا فی الدین. ولو انھم قالوا سمعنا واطعنا واسمع وانظرنا لکان خیراً لھم واقوم ولکن لعنھم اللہ بکفرھم فلا یؤمنون الا قلیلا. (سورۃ النساء: ٤٦)

(۴۸): عن عبداللہ قال: قالت أم حبیبة، زوج النبی ﷺ: اللّٰھم امتعنی بزوجی رسول اللّٰہ ﷺ. وبأبی، أبی سفیان. وبأخی، معاویة. قال: فقال النبی ﷺ: قد سالت اللّٰہ لآجال مضروبة، وأیام معدودة، وأرزاق مقسومة. لن یعجل شیئا قبل

فقیر تو موسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھ گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں۔ اس لیے ماننے کے لائق نہیں۔ آپ کا لکھنا صحیح ہے، بعض جہال ایسے بے اصل قصوں کو بیان کرتے رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے تبلیغی احباب کو اعتراض کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لوگوں کو اس جانب متوجہ کرنے کی ضرورت ہے، ان کے ذہن میں یہ بات بٹھادی جائے کہ لوگوں کی ترغیب وترہیب کے لیے قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی تعلیمات کافی ہیں، بس ان کو ہی بیان کیا جائے اور بے اصل واقعات کو بالکل نہ بیان کیا جائے۔ کہ اس سے غلط بات کو راہ ملتی ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاوی فلاحیه، ج: ۱، ص: ۱۷۶، ۱۷۷)



حله. أو يؤخر شيئا عن حله. ولو كنت سالت الله أن يعيذك من عذاب في النار، أو عذاب في القبر، كان خيرا وأفضل. وفي كوكب الوهاج تحت هذا الحديث: وهذا الحديث صريح في أن الآجال والأرزاق مقدرة لاتتغير عما قدره الله تعالى علمه في الأزل.الخ. (الكوكب الوهاج والروض البهاج في شرح صحيح مسلم بن الحجاج، كتاب القدر، باب بيان أن الآجال والأرزاق وغيرها، لاتزيد ولاتنقص عما سبق به القدر، ج: ٢٤، ص: ٥٧٢، رقم: ٦٦١١، ط، دار المنهاج جدة)

وفي تفسير ابن كثير: ﴿وكان أمر الله قدرا مقدورا﴾ أي: وكان أمره الذي يقدره كائناً لا محالة، وواقعاً لا محيد عنه ولامعدل، فما شاء الله كان، وما لم يشأ لم يكن. (تفسير ابن كثير، سورة الاحزاب، الآية: ٣٨، ج: ٦، ص: ٤٢٧، ط، دار طيبة)

وفي شرح مسلم للنووي: واعلم أن مذهب أهل الحق اثبات القدر، ومعناه: أن الله تبارك وتعالى قدر الأشياء في القدم، وعلم سبحانه أنها ستقع في أوقات معلومة عنده سبحانه وتعالى وعلى صفات مخصوصة، فهي تقع على حسب ما قدرها سبحانه وتعالى. (المنهاج شرح مسلم، ج: كتاب الايمان، باب بيان الايمان والاسلام والاحسان الخ، ج: ١، ص: ١٤٢، ط، المكتبة البشرىٰ كراتشي)

وفي شرح عقيدة الامام الطحاوي: قوله: (وضرب لهم آجالاً).

حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کے درمیان پیغمبروں کی تعداد

﴿سـوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان کتنے پیغمبر گزرے ہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان چار ہزار (۴۰۰۰) پیغمبر گزرے ہیں جبکہ بعض حضرات کے نزدیک ستر ہزار گزرے ہیں۔

لما فی تفسیر روح المعانی (۳۱۲/۱):-' ولقد آتینا موسیٰ الکتاب' شروع فی بیان بعض اخر.... "ثم ارسلنا رسلنا تتری" وکانوا الی زمن عیسی علیه السلام اربعة آلاف وقیل سبعین الفا وکلهم علی شریعته علیه السلام.

وفی روح البیان (۱۷۷/۱): وما بین موسی وعیسی اربعة آلاف نبی وقیل سبعون الف نبی.

وفی حاشیة الصاوی علی الجلالین (۴۳/۱): وعدة

هذا تحقيق بأن الأجل المضروب لكل واحد منهم مبرم محكم لايحتمل التقدم والتأخر، قال اللّٰه تعالى: ﴿فاذا جآء أجلهم لايستأخرون ساعة ولايستقدمون﴾. [الأعراف: ٣٤]

وقوله تعالى: ﴿كتابا مؤجلا﴾ [آل عمران: ١٤٥] فيه معنيان:

أحدهما: كتابا مؤقتا لايتقدم ولايتأخر.

والثاني: كتاباً مبيناً في اللوح المحفوظ مكتوباً فيه لقوله تعالى: ﴿وكل شيء احصينٰه في امام مبين﴾ [يٰس: ١٢]. (شرح عقيدة الامام الطحاوى، ص: ٦٣، ٦٤، ط، دارة الكرز)

الانبیاء والرسل الذی بین موسی وعیسی سبعون الفا وقیل اربعة آلاف. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۳۵)



حدیث لوکان موسیٰ وعیسیٰ حیین کی تحقیق

﴿سوال﴾:

"لو کان موسی وعیسی حیین " کیا یہ حدیث کسی حدیث کی کتاب میں موجود ہے یا کہ نہ بیہقی کا حوالہ دیا جاتا ہے اس میں ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

حدیث لو کان موسی وعیسی حیین کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں البتہ تفسیر ابن کثیر میں ضمنا یہ الفاظ لکھے ہیں اور اسی طرح اور بعض کتب تصوف میں نقل کر دیا ہے مگر سب جگہ بلا سند نقل کیا ہے اس لئے یہ حدیث بچند وجوہ احادیث مشہورہ کے معارض نہیں ہوسکتی اولاً معارض کے لئے مساوات فی القوۃ شرط ہے اور اس حدیث کا کہیں پتہ نہیں اور جہاں کہیں ہے تو وہ بلا سند ہے اور یہ قول ائمہ حدیث کا مقبول ومشہور ہے کہ **"لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء "**. ثانیاً اگر بالفرض یہ حدیث معتبر ہی ہوتو احادیث متواترہ دربارہ حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام کے معارض ہوگی اور ترجیح کی نوبت آئے گی تو ظاہر ہے کہ احادیث کثیرہ متواترۃ المعنی کو اس کے مقابلہ میں ترجیح ہوگی نہ ایک اس حدیث کو جس کا حدیث ہونا بھی ہنوز متعین نہیں۔

ثالثاً اگر ان الفاظ کو صحیح اور ثابت بھی مان لیا جائے تب بھی اس سے وفات عیسیٰ علیہ السلام ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کے معنی صاف یہ ہوتے ہیں کہ عالم زمین پر حیاۃ ہوتے کیونکہ حدیث میں اتباع نبوت کا ذکر ہے اور یہ اتباع اس عالم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے سو یہ صحیح ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام اس عالم میں زندہ ہوتے آپ کا اتباع کرتے ،اب چونکہ ایک

دوسرے عالم میں زندہ ہیں اس لئے اتباع ان پرضروری نہ رہا سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے اور اگراس مضمون کو مبسوط دیکھنا چاہیں تو مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب نے اس مضمون پر مستقل رسالہ لکھا ہے وہ ملاحظ فرمائیے۔ (امداد المفتین ،ص:۱۳۱،۱۳۲، ط، دارالاشاعت کراچی/ فتاوی ختم نبوت، ج:۱،ص:۱۰۷، ۱۰۸، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان/ فتاوی محمودیہ، ج:۴،ص:۸۹،۹۰)



موسیٰ علیہ السلام کی رد دعا اور ولی اللہ کی قبول دعا کا قصہ اسرائیلیات سے ہے

﴿سوال﴾:

ایک قصہ مشہور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک عورت کے حق میں اولاد ہونے کی دعا کی تھی لیکن وہ رد ہوئی پھر ایک عام ولی اللہ نے دعا کی اور وہ قبول ہوئی؟ اس قصہ کی حقیقت کیا ہے کیا یہ صحیح ہے؟

﴿الجواب﴾:

ایسے قصص کو اسرائیلیات کہا جاتا ہے اس کو کوئی مانے یا نہ مانے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اسرائیلیات جو وحی، عقل سے متصادم ہوں تو انکو نہ مانا جائے گا(۴۹)۔ اور

(۴۹):فی تفسیر ابن کثیر: ولکن هذه الأحاديث الاسرائيلية تذكر للاستشهاد، لا للاعتضاد، فانها على ثلاثة أقسام:

أحدها: ما علمنا صحته مما بأيدينا مما يشهد له بالصدق، فذاک صحيح.

والثاني: ما علمنا كذبه بما عندنا مما يخالفه.

والثالث: ما هو مسكوت عنه لا من هذا القبيل ولا من هذا القبيل، فلانؤمن به ولا نكذبه، وتجوز حكايته لما تقدم. (تفسير ابن كثير، مقدمه ابن كثير، ج: ۱، ص: ۹،

اس قصہ میں یہ امر کہ پیغمبر کی دعا قبول نہ ہوئی اور امتی کی قبول ہوئی، کوئی استبعاد نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اور پیغمبر کو کسی کلام کا بلا دلیل نسبت کرنا بہت خطرناک امر ہے۔ وھو الموفق
(فتاوی فریدیہ، ج:۱، ص:۴۸۵)



حضرت موسی علیہ السلام کے دو خدا ترس رفقاء کے نام

﴿سوال﴾:
سورۂ مائدہ آیت نمبر۲۳ ر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو خدا ترس رفقاء کا ذکر آتا ہے، جنہوں نے حضرت موسی علیہ السلام کے حکم جہاد پر قوم کو ہمت دلانے کی کوشش کی، ان کے نام کیا ہیں؟

﴿جواب﴾:
جیسے رسول اللہ ﷺ نے کعبۃ اللہ کو بتوں کو آلائش سے محفوظ فرمایا اور اللہ کی عبادت کے لئے پاک وصاف کیا، اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام ایک مشرک قوم عمالقہ سے بیت المقدس کو پاک کرنا چاہتے تھے، اس کے لئے انہوں نے اپنی قوم کو جہاد کی دعوت دی، قوم نے نہ صرف کم ہمتی اور بزدلی کا ثبوت دیا، بلکہ ان کے ساتھ تمسخر آمیز معاملہ کیا، اور کہا کہ ہم یہیں بیٹھتے ہیں، آپ اور آپ کا رب جا کر دشمنوں سے مقابلہ کریں، قوم میں صرف دو حوصلہ مند مسلمان کھڑے ہوئے، انہوں نے حضرت موسی علیہ السلام کی اس دعوت پر خود بھی لبیک کہا، اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دی، لیکن یہ مغضوب قوم ٹس سے مس نہ ہوئی، یہاں تک کہ ان پر یہ عذاب نازل ہوا کہ چالیس سال تک میدان تیہ میں صحرا نوردی کرتے رہے، اور ان کی پوری ایک نسل اسی میدان میں پیوند خاک ہوئی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان دونوں کا نام ''یوشع'' اور ''کالب بن قانیلہ'' کہا ہے، یہ دونوں ان بارہ حضرات میں تھے، جن

ط، دار طیبہ)

کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں پر نقیب مقرر کیا تھا(۵۰)۔
(کتاب الفتاوی، ج:۱،ص:۵۴۱،ط،زمزم پبلشرز کراچی)



(۵۰):قال رجلان من الذين يخافون أنعم الله عليهما ادخلوا عليهم الباب فاذا دخلتموه فانكم غالبون وعلى الله فتوكلوا ان كنتم مؤمنين. قالوا يا موسىٰ انا لن ندخلها أبداً ما داموا فيها فاذهب أنت وربك فقاتلا انا هاهنا قاعدون. قال رب انى لا أملك الا نفسى وأخى فافرق بيننا وبين القوم الفاسقين. قال فانها محرمة عليهم اربعين سنة يتيهون فى الأرض فلا تأس على القوم الفاسقين. (سورة المائدة:۲۳تا۲۶)

وفى تفسير ابن كثير: وقوله: ﴿قال رجلان من الذين يخافون أنعم الله عليهما﴾ أى: فلما نكل بنو اسرائيل عن طاعة الله ومتابعة رسول الله موسى عليه السلام، حرضهم رجلان لله عليهما نعمة عظيمة، وهما ممن يخاف أمر الله ويخشى عقابه.

وقرأ بعضهم: قال رجلان من الذين يخافون. أى: ممن لهم مهابة وموضع من الناس. ويقال: انهما يوشع بن نون وكالب بن يوقنا، قاله ابن عباس، ومجاهد، وعكرمة، وعطية، والسدى، والربيع بن أنس، وغير واحد من السلف، والخلف رحمهم الله.

وقوله تعالى: [قال] فانها محرمة عليهم أربعين سنة يتيهون فى الارض [فلا تأس على القوم الفاسقين]، لما دعا عليهم موسى عليه السلام حين نكلوا عن الجهاد حكم الله عليهم بتحريم دخولها قدراً مدة أربعين سنة، فوقعوا فى التيه يسيرون دائما لاتهتدون للخروج منه...الخ. (تفسير ابن كثير، سورة المائدة، الآية: ۲۳تا ۲۶، ج: ۳، ص: ۷٦تا ۷۹، ط، دار طيبة)

وفى الجامع لأحكام القرآن: قوله تعالى: ﴿قال رجلان من الذين يخافون﴾ قنال ابن عباسؓ وغيره: هما يوشع وكالب بن يوقنا، ويقال: ابن قانيا، وكانا من الاثنى

حضرت ہارون علیہ السلام کے قول کی تشریح

﴿سوال﴾:

ایک مولوی صاحب مسجد میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کا واقعہ بیان فرمارہے تھے۔ جس میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی دعا قبول ہوئی اور حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام پیغمبر بنادیئے گئے، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام خدا سے ہم کلام ہونے کے لئے تشریف لے گئے تو ان کے بعد سامری نے ایک بچھڑا بنایا اور اسے بنی اسرائیل کے سامنے پیش کیا کہ یہی خدا ہے۔ اب بنی اسرائیل میں دو گروہ پیدا ہوگئے، ایک جو بچھڑے کو خدا مانتا تھا اور دوسرا وہ جو اس کی پوجا نہیں کرتا تھا۔ حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام انہیں اس سے باز نہ رکھ سکے اور جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام واپس تشریف لائے تو وہ حضرت ہارونؑ پر ناراض ہوئے کہ تو نے منع کیوں نہ کیا؟ تو حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

ترجمہ:...... ’’اے میری ماں کے بیٹے! نہ پکڑ میری داڑھی اور نہ سر، میں ڈرا کہ تو کہے گا کہ پھوٹ ڈال دی تو نے بنی اسرائیل میں اور یاد نہ رکھا میری بات کو۔‘‘

مولوی صاحب نے اس کے بعد لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ’’لوگو! دیکھا تم نے تفرقہ کتنی بری چیز ہے کہ ایک پیغمبر نے وقتی طور پر شرک کو قبول کرلیا، لیکن تفرقے کو قبول نہ کیا۔‘‘ کیا مولوی کی یہ تشریح صحیح ہے؟

﴿جواب﴾:

مولوی صاحب نے حضرت ہارون علیہ السلام کے ارشاد کا صحیح مدعا نہیں سمجھا، اس

عشر نقيبا. (الجامع لأحكام القرآن، سورة المائدة، الآية: ۲۰ تا ۲۶، ج: ۷، ص: ۳۹۹، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

لئے نتیجہ بھی صحیح اخذ نہیں کیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کا توقف کرنا اور گوسالہ پرستوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انتظار میں تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جاتے وقت ان کو نصیحت کر گئے تھے کہ قوم کو متفق اور متحد رکھنا اور کسی ایسی بات سے احتراز کرنا جو قوم میں تفرقے کا موجب ہو۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو توقع تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر قوم کی اصلاح ہو جائے گی اور اگر ان کی غیر حاضری میں ان لوگوں سے قتل وقتال یا مقاطعہ کی کارروائی کی گئی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی اصلاح ناممکن ہو جائے، کیونکہ وہ لوگ بھی کہہ چکے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک ہم اس سے باز نہیں آئیں گے۔ اس لئے حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک ان لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنا مناسب نہ سمجھا، بلکہ صرف زبانی فہمائش پر اکتفا کیا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب "معارف القرآن" میں لکھتے ہیں:

> "اس واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رائے از روئے اجتہاد یہ تھی کہ اس حالت میں حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اس مشرک قوم کے ساتھ نہیں رہنا چاہئے تھا، ان کو چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آجاتے، جس سے ان کے عمل میں مکمل بیزاری کا اظہار ہو جاتا۔
>
> حضرت ہارون علیہ السلام کی رائے از روئے اجتہاد یہ تھی کہ اگر ایسا کیا گیا تو ہمیشہ کے لئے بنی اسرائیل کے ٹکڑے ہو جائیں گے اور تفرقہ قائم ہو جائے گا اور چونکہ ان کی اصلاح کا یہ احتمال موجود تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد ان کے اثر سے یہ سب پھر! ایمان اور توحید کی طرف لوٹ آویں، اس لئے کچھ دنوں کے لئے ان کے ساتھ مساہلت کو ان کی اصلاح کی توقع تک گوارا کیا جائے، دونوں کا مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، ایمان وتوحید پر لوگوں کو قائم کرنا تھا، مگر ایک نے مفارقت اور

مقاطعہ کواس کی تدبیر سمجھا، دوسرے نے اصلاح حال کی امید تک ان کے ساتھ مساہلت اور نرمی کے معاملے کو اس مقصد کے لئے نافع سمجھا(۵۱)"۔[ج:۶،ص:۱۴۲]۔(آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱، ص:۱۶۱،۱۶۲، ط،مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضرت داؤد علیہ السلام کی قوم اور زبور

﴿سوال﴾:

یہودی، عیسائی اور مسلمان قوم تو دنیا میں موجود ہے، آیا حضرت داؤد علیہ السلام کی قوم بھی دنیا میں کہیں موجود ہے؟ اگر ہے تو کہاں؟ اور زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی، وہ کسی بھی حالت میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کہاں ہے؟

﴿جواب﴾:

حضرت داؤد علیہ السلام کا شمار انبیائے بنی اسرائیل میں ہوتا ہے(۵۲)، اور وہ شریعت توراۃ کے متبع تھے، اس لئے ان کے وقت کے بنواسرائیل ہی آپ کی قوم تھے۔ موجودہ بائبل کے عہد نامۂ قدیم میں ایک کتاب "زبور" ہے جسے یہودی، داؤد علیہ السلام پر نازل شدہ مانتے ہیں۔(آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱،ص:۱۵۹، ط،مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۵۱):(معارف القرآن، سورة طٰہٰ، ج: ٦، ص: ١٤٢، ط، مكتبه معارف القرآن كراچی)

(۵۲): قال الله تبارك وتعالى: لعن الذين كفروا من بني اسرائيل على لسان داوٗد وعيسى ابن مريم ذٰلك بما عصوا و كانوا يعتدون.(سورة المائدة: ۷۸)

حضرت داؤد علیہ السلام کی امت کو کیا کہتے ہیں؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کو یہودی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کو نصاریٰ کہتے ہیں، تو حضرت داؤد علیہ السلام کی امت کو کیا کہتے ہیں؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضرت داؤد علیہ السلام کو بنی اسرائیل میں مبعوث کیا گیا، اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام کی امت کا نام بنی اسرائیل ہے، جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ ''بقرہ'' آیت ۲۴۶ تا ۲۵۱ر میں بنی اسرائیل کے ایک لمبے واقعہ کے تحت مفصل طریقہ پر ذکر فرمایا ہے، جس میں بنی اسرائیل کے لشکر کے ساتھ طالوت کے زیر تحت حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کردیا اور اسی بنی اسرائیل کو یہودی بھی کہا جاتا ہے۔ اور پھر اخیر میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور بنی اسرائیل اور دیگر اقوام میں سے جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ان کو نصاریٰ کہتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل اور یہود تھی، اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی قوم بھی بنو اسرائیل اور یہود ہے۔ مزید تفصیل مذکورہ آیتوں کی تفسیر میں معارف القرآن، مکتبہ اشرفی دیوبند ۱/ ۲۵۲، بیان القرآن ۱/ ۱۴٦، روح المعانی، مکتبہ زکریا ۲/ ۲۴۷، تفسیر مظہری، مکتبہ زکریا قدیم ۱/ ۳۴۲، جدید ۱/ ۳۸۲) وغیرہ تفسیر کی ہر کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیہ، ج:۲،ص: ۱۸۰، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام اور اسرائیلی روایات

﴿سوال﴾:

قرآن کریم کی سورۃ ص میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کے متعلق تفسیر جلالین میں **بمحبة تلک المرأة.** کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے۔ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے توقف کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح تفسیر البیان میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کے بیان کرنے والے کے لیے حد مقرر کی تھی۔ اس واقعہ میں کہاں تک صداقت ہے؟

﴿الجواب﴾:

جلالین اگرچہ ایک بہترین تفسیر ہے لیکن بعض مقامات پر اس کی تفسیر قابل مواخذہ ہے جن میں سے ایک مذکورہ جگہ بھی ہے، انبیاء علیہم الصلاۃ السلام کی طرف ایسی نسبت موجب تنقیص ہے جس سے انبیاء کرام محفوظ ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ محققین مفسرین نے اس واقعہ سے انکار کیا ہے، چنانچہ حافظ اسماعیل بن کثیر رحمۃ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

قد ذکر المفسرون ھھنا قصّة اکثرھا ماخوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیھا عن المعصوم حدیث یجب اتباعه..... فالاولی ان یقتصر علی مجرد تلاوة ھٰذا الآیة وان یرد علمھا الی اللّٰه عزّوجلّ. الخ (تفسیرابن کثیر ج ۳ ص ۳۵۷ سورہ ص)

اور علامہ احمد مصطفیٰ رحمہ اللہ اس بارے میں لکھتے ہیں:۔

انما جاء من القصص عن ذکر السبب فی مجئ الملکین فما یخل بمنصب النبوة وفیه نسبة الکبائر الی الانبیاء فیجب علینا ان نطرحه، اذ یبطل الوثوق بالشرائع.

الخ. (تفسیر مراغی ج ٢٣ ص ١١١ سورۃ ص)

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حد مقرر کرنے کی جو بات ہے یہ کسی روایت سے ثابت نہیں اور بصورت ثبوت ان کے اجتہاد پر محمول ہے جس کی اتباع کرنا ضروری نہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس موقعہ پر تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال علی [رضی اللّٰہ تعالی عنہ] علیٰ ما فی بعض الکتب من حدث بحدیث داؤد علیہ السلام علیٰ ما یرویہ القصاص جلدتہ مائۃ وستین وذلک حد الفریۃ علی الانبیاء. وھذا اجتھاد منہ کرم اللّٰہ وجھہ الا ان الزین العراقی ذکران الخبر نفسہ لم یصح عن الامیر رضی اللّٰہ عنہ. (تفسیر روح المعانی ج ٢٣ ص ١٥٨ صٓ)

لہٰذا اس آیت کی وہ تفسیر قابل قبول ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر سے معلوم ہوتی ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ تعالی عنھما قال ما اصاب داؤد ما اصابہ بعد القدر الا من عجب بہ من نفسہ وذلک انہ قال یارب ما من ساعۃ من اللیل ولا نھار الا وعابد من اٰل داؤد یعبدک یصلی لک ویسبح او یکبر وذکر اشیاء فکرہ اللّٰہ وقال یاداؤد ان ذلک لم یکن الا بی فلولاعونی، ما قویت علیہ وجلالی لاکلفک الی نفسک یوما قال یارب فاخبرنی بہ فاصابت لفتنۃ ذلک الیوم. (رواہ الحاکم فی المستدرک ج ٢ ص ٤٣٣)

جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض امور مثلاً حسن انتظام اور ہر وقت عبادت میں شغل سے

ایک نوع اعجاب کی وجہ سے بطور عتاب یہ واقعہ پیش آیا۔ (فتاوی حقانیہ، ج: ۲، ص: ۱۵۴، ۱۵۵، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)



تعداد ازواج حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام

﴿ســوال﴾:

حضرت داؤد علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد کتنی تھی؟

﴿الجواب﴾:

حضرت داؤد علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد مؤرخین اور مفسرین نے ایک سو۱۰۰ بتائی ہے (۵۳)، لیکن یہ کوئی انوکھی بات نہیں، اس لیے کہ ان کی شریعت میں تعداد ازواج کے بارے میں کوئی خاص حد مقرر نہیں تھی کہ جس کی پابندی کی جاتی۔

لما قال الحافظ ابن كثير رحمه الله: وكانت لداؤد مائة امرأة منهم امرأة وريا ام سليمان التى تزوجها بعد الفتنة وقد ذكر الكلبى نحو هٰذا. (البداية والنهاية ج ۲ ص ۱۵)۔(فتاوی حقانیه، ج: ۲، ص: ۱۵۵، ط، مکتبه سید احمد شهید اکوڑه خٹك)



---

(۵۳): **فى البداية: ما أتى الله سليمان ابن داود كانت له الف امرأة سبعمائة مهرية وثلثمائة سرية وكانت لداود عليه السلام مائة امرأة.** (البداية والنهاية، ج: ۲، ص: ۱۵، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

وفى روح المعانى: ذكر أنه كان لسليمان عليه السلام ثلثمائة امرأة مهرية وسبعمائة وأنه كان لداود عليه السلام مائة امرأة. (روح المعانى، سورة الرعد، الآية:

حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام سے متعلق ایک عقیدہ

﴿سوال﴾:

ایک شخص حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کا امتحان دراصل اس بات میں تھا کہ ایک دن عبادت کے لئے انہوں نے اس طرح خاص کرلیا تھا کہ اس دن وہ مخلوق سے بے تعلق ہو جاتے تھے، ایک صوفی مرتاض کی ایسی گوشہ نشینی اور ترک علائق کو تو پسندیدہ کہا جاسکتا ہے لیکن ایک خلیفۂ وقت اور مسلمانوں کے سیاسی امیر کے لئے گوشہ نشینی اور وہ پورے ایک دن کے لئے کسی طرح موزوں نہیں کہی جاسکتی تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

جس شخص کا یہ عقیدہ ہے، اگر وہ زندہ ہے تو خود اس سے دریافت کیا جائے، اگر زندہ نہیں ہے تو اس نے جس کتاب میں اپنا یہ عقیدہ لکھا ہے، وہ کتاب یہاں بھیج دی جائے یا اس کتاب کا نام مطبع صفحہ لکھ دیں تا کہ اس کو دیکھ کر جواب لکھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ، ج:۱، ص:۴۲۳)



۳۸، ج: ۱۳، ص: ۱۶۸، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی انگوٹھی اور شیطان کی بادشاہت کا قصہ

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء تفسیر اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض لوگ درس قرآن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں حضرت سلیمانؑ نے اپنی انگوٹھی امینہ بیوی کے ساتھ غسل کے وقت اتار کر رکھ لی تھی پھر شیطان نے حضرت سلیمانؑ کی شکل میں آکر انگوٹھی لی اور بادشاہ بن گیا، پھر سلیمانؑ ایک مچھرے کے ہاں ملازم ہوگئے، پھر چالیس دن بعد شیطان نے تخت چھوڑ کر خاتم سلیمانی دریا میں پھینک دی اور سلیمانؑ اسے مچھلی کے پیٹ سے نکال کر پھر بادشاہ بن گئے اور شیطان کو دریا بُرد کردیا۔ تو کیا یہ واقعہ درست ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

اس واقعہ کی بنیاد ایک اسرائیلی روایت پر قائم ہے جو کہ جھوٹ اور سراسر غلط ہے، شیطان کسی بھی نبی علیہ السلام کی شکل میں ظاہر نہیں ہوسکتا اور نہ اپنی شکل کسی نبی علیہ السلام کی شکل جیسی بنا سکتا ہے(۵۴)۔

---

(۵۴):فی تفسیر ابن کثیر: وقال السدی: ﴿ولقد فتنا سلیمان﴾ أی: ابتلینا سلیمان، ﴿وألقینا علی کرسیه جسداً﴾ قال: جلس الشیطان علی کرسیه أربعین یوماً. قال: وکان لسلیمان علیه السلام، مائة امرأة، وکانت امرأة منهن یقال لها: جرادة، وهی آثر نسائه وآمنهن عنده، وکان اذا أجنب أو أتی حاجة نزع خاتمه، ولم یأتمن علیه أحداً من الناس غیرها، فأعطاها یوما خاتمه ودخل الخلاء، فخرج الشیطان فی صورته، فقال: هاتی الخاتم. فأعطته، فجاء حتی جلس علی مجلس سلیمان، وخرج سلیمان بعد ذلک فسألها أن تعطیه خاتمه، فقالت: ألم تأخذه قبل؟ قال: لا. وخرج مکانه تائها. قال: ومکث الشیطان یحکم بین الناس أربعین یوماً، قال: فأنکر الناس أحکامه، فاجتمع قراء بنی اسرائیل وعلماؤهم، فجاؤوا حتی دخلوا علی نسائه، فقالوا: انا قد أنکرنا هذا، فان کان سلیمان فقد ذهب عقله

قال الامام محمد بن سیرین التابعیؒ: ان الشیطٰن یتمثل فی الرؤیاء بکل شیء الا باللّٰہ تعالی وملئکتہ ورسلہ.

(منتخب الکلام فی تفسیر الاحلام علی ھامش تعطیر الانام ج ۲ ص ۵)(فتاوی حقانیہ، ج: ۲، ص: ۱۸۰، ط، مکتبہ سید احمد شھید اکوڑہ خٹک)



وأنکرنا احکامہ. قال: فبکی النساء عند ذلک، قال: فأقبلوا یمشون حتی أتوا، فأحدقوا بہ ثم نشروا التوراۃ فقرؤوا. قال: فطار من بین أیدیھم حتی وقع علی شرفۃ، والخاتم معہ. ثم طار حتی ذھب الی البحر، فوقع الخاتم منہ فی البحر، فابتلعہ حوت من حیتان البحر. قال: وأقبل سلیمان فی حالۃ التی کان فیھا، حتی انتھی الی صیاد من صیادی البحر، وھو جائع، وقد اشتد جوعہ. فاستطعمھم من صیدھم، وقال: انی أنا سلیمان: فقام الیہ بعضھم فضربہ بعصاً فشجہ، فجعل یغسل دمہ وھو علی شاطیء البحر، فلام الصیادون صاحبھم الذی ضربہ، فقالوا بئس ما صنعت حیث ضربتہ. قال: انہ زعم أنہ سلیمان. قال: فأعطوہ سمکتین مما قد مذر عندھم، فلم یشغلہ ما کان بہ من الضرب حتی قام الی شط البحر، فشق بطونھما، فجعل یغسل دمہ، فوجد خاتمہ فی بطن احداھما، فأخذہ فلبسہ، فرد اللّٰہ علیہ بھاء ہ وملکہ، وجاء ت الطیر حتی حامت علیہ فعرف القوم أنہ سلیمان علیہ السلام، فقام القوم یعتذرون مما صنعوا بہ، فقال: ما أحمدکم علی عذرکم، ولا ألومکم علی ما کان منکم، کان ھذا الأمر لابد منہ. قال: فجاء حتی أتی ملکہ، وأرسل الی الشیطان، فجیء بہ فأمر بہ فجعل فی صندوق من حدید، ثم أطبق علیہ، وقفل علیہ بقفل، وختم علیہ بخاتمہ، ثم أمر بہ فألقی فی البحر، فھو فیہ حتی تقوم الساعۃ. وکان اسمہ حبقیق. قال: وسخر لہ الریح، ولم تکن سخرت لہ قبل ذلک، وھو قولہ: ﴿وھب لی ملکا لاینبغی لأحد من بعدی انک انت الوھاب﴾....الخ.

حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کا اپنے گھوڑوں کو قتل کرنے کے واقعہ کی تحقیق

﴿سوال﴾:

بعض مفسرین حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ واقعہ ذکر کرتے ہیں آپ علیہ الصلاۃ اپنے گھوڑوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھے کہ آپ سے عصر کی نماز قضاء ہوگئی جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے گھوڑوں کو قتل کرنا شروع کر دیا جس پر اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا اور آپ نے نماز پڑھ لی۔ اب سوال یہ ہے کہ ان گھوڑوں کا اس میں کیا قصور تھا، اور کیا واقعی سورج روک لیا گیا تھا؟

﴿الجواب﴾:

گھوڑوں کے قتل کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں (۵۵)۔ ایک رائے یہ

وھذه کلها من الاسرائیلیات. (تفسیر ابن کثیر، سورة صٓ، الآیة: ۳٤تا ٤٠، ج: ۷، ص: ٦٧، ٦٨، ط، دار طیبة)

(۵۵):قال اللّٰہ تبارک وتعالی لداؤد سلیمان نعم العبد انه اواب. اذ عرض علیه بالعشی الصافنات الجیاد. فقال انی أحببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب. ردوها علی فطفق مسحا بالسوق والاعناق. (سورة صٓ: ۳۰تا ۳۳)

وفی الجامع لأحکام القرآن: وذکر النحاس أن سلیمان علیه السلام کان فی صلاة، فجیء الیه بخیل لتعرض علیه قد غنمت فأشار بیده، لأنه کان یصلی حتی توارت الخیل، وسترتها جدر الاصطبلات، فلما فرغ من صلاته قال: ﴿ردوها علی فطفق مسحا﴾ أی: فأقبل یمسحها مسحاً. وفی معناه قولان: أحدهما أنه أقبل یمسح سوقها وأعناقها بیده اکراماً منه لها، ولیری أن الجلیل لایقبح أن یفعل مثل

ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جہاد کے لیے پرورش کیئے گئے تیز وسبک رفتار گھوڑے پیش کیئے گئے، تو ان گھوڑوں کا معائنہ کرتے ہوئے عصر کی نماز میں تاخیر ہوگئی تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا کہ کوئی مضائقہ نہیں، دونوں کا کرنا عبادت ہے، کیونکہ جہاد بھی تو ذکر اللہ میں داخل ہے۔تو جہاد کے اسی جوش وجذبے سے سرشار ہوکر ان گھوڑوں کے واپس لانے کا کہا اور غایت محبت واکرام سے ان کی گراونیں اور پنڈلیاں پونچھنے اور صاف کرنے لگے۔اور مفسرین کی دوسری رائے یہ ہے کہ مال کی محبت کی وجہ سے انہوں نے نماز میں غفلت محسوس کی تو شدّت غیرت اور غلبہ حب الٰہی میں تلوار لے کر ان کو قتل کردیا تاکہ یہ نماز میں تاخیر کا کفارہ ہوجائے۔شاید ان کی شریعت میں گھوڑوں کی قربانی جائز تھی اور اسی بناء پر آپ نے ان گھوڑوں کو قتل کردیا۔اور مشہور یہی ہے کہ سورج واپس ہوا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے نماز پڑھ لی تھی۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

> ''اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے سامنے اصیل اور تیز وسبک رفتار گھوڑے جہاد کیلئے پرورش کیئے گئے پیش کیئے گئے تو ان کے معائنے میں عصر کی نماز میں دیر لگی......لیکن پھر بھی سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام یہ کہنے لگے اگر ایک طرف سے بظاہر علیحد گی رہی تو دوسری جانب جہاد کے گھوڑوں کی محبت اور دیکھ بھال بھی تو اللہ ہی کی یاد سے وابستہ ہے، جب جہاد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے تو اس کے معدات ومبادی کا تفقد کیسے ذکر اللہ کے تحت میں داخل نہ ہوگا، تو اسی جہاد کے جوش وافراط میں حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو پھر واپس لاؤ، چنانچہ واپس لائے گئے اور

هـذا بخيله. وقال قائل هذا القول: كيف يقتلها؟ وفي ذلك افساد المال ومعاقبة من لا ذنب له. وقيل: المسح هاهنا هو القطع، أذن له في قتلها. (الجامع لأحكام القرآن، سورة صٓ، الآية: ۳۳، ج: ۱۸، ص: ۱۹۴، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

غایت محبت واکرام سے ان کی گردنیں اور پنڈلیاں پونچھنے اور صاف کرنے لگے۔ بعض مفسرین نے یہ تفسیر کی ہے کہ مال کی محبت نے مجھ کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کردیا، تو شدت غیرت اور غلبہ حب الٰہی میں تلوار لیکر ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنا شروع کردیں تاکہ وہ فی الجملہ کفارہ اس غفلت کا ہوجائے، شاید ان کی شریعت میں قربانی گھوڑے کی جائز ہوگی''۔ (تفسیر عثمانی ص ۶۰۶ پ ۲۳ سورۃ ص) (فتاوی حقانیہ، ج:۲، ص:۱۸۳، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)



حضرت یونس علیہ السلام کے واقعے سے سبق

۱۷۴ ﴿سوال﴾:

روزنامہ ''جنگ'' کراچی کے جمعہ ایڈیشن اشاعت ۱۰/جون ۱۹۹۵ء میں آپ نے ''کراچی کا المیہ اور اس کا حل'' کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے، اس سے آپ کی دردمندی اور دل سوزی کا بدرجہ اتم اظہار ہوتا ہے، آپ نے سقوطِ ڈھاکہ کے جانکاہ سانحے کا بھی ذکر کیا ہے اور کراچی کی حالت زار بھی بیرونی قوتوں کی سازشوں سے عوام کو آگاہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے کراچی کے قتل وخون اور غارت گری کو ختم کرنے کے لئے سات نکات پر مشتمل اپنی تجاویز بھی پیش کی ہیں اور امن وعافیت اور الفت ومحبت کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خشوع وخضوع کے ساتھ دعا بھی کی ہے۔ آپ کی اس دعا کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور آپ کو جزائے خیر دے، آمین! آپ نے اس مضمون میں حضرت یونس علیہ السلام اور ان کی قوم کا بھی حوالہ دیا ہے، قوم یونس نے جس طرح اللہ سے گڑگڑا کر دعا مانگی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرما کر اس سے اپنا عذاب اٹھالیا، اسی طرح ہم اہل کراچی بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تاکہ وہ عفوودرگزر سے کام لے کر اپنا عذاب ہم پر سے اٹھالے اور امن وسکون کی فضا

پیدا کردے، آمین! آپ نے حضرت یونس علیہ السلام اور ان کی قوم کے متعلق معارف القرآن ج:۴ص:۵۷۵ کا اقتباس بھی پیش کیا ہے، اس میں ایک جگہ لکھا ہے: ''حضرت یونس علیہ السلام بہ ارشاد خداوندی اس بستی سے نکل گئے۔'' قرآن مجید میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر چھ مقامات پر ہے۔ ا۔ سورۂ النساء، ۲۔ سورۂ انبیاء، ۵۔ سورۂ الصافات اور ۶۔ سورۂ القلم میں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تراجم پیش کر رہا ہوں۔

سورۂ انبیاء کی آیات: ۸۷، ۸۸ میں ہے:

''مچھلی والے (پیغمبر یعنی یونس علیہ السلام) کا تذکرہ کیجئے جب وہ (اپنی قوم سے) خفا ہوکر چل دیئے اور انہوں نے سمجھا کہ ہم ان پر (اس چلے جانے میں) کوئی دار و گیر نہ کریں گے۔ پس انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ (سب نقائص سے) پاک ہیں، میں بے شک قصوروار ہوں۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی اور ہم اسی طرح (اور) ایمان داروں کو بھی (کرب و بلا سے) نجات دیا کرتے ہیں۔''

سورۃ الصافات کی آیت: ۱۳۹/۱۴۳ میں ہے:

بے شک یونس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے، جبکہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے، سو یونس (علیہ السلام) بھی شریک قرعہ ہوئے تو یہی ملزم ٹھہرے اور ان کو مچھلی نے (ثابت) نگل لیا اور یہ اپنے کو ملامت کر رہے تھے، سو اگر وہ (اس وقت) تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتے۔

سورۃ القلم آیت: ۴۸/۵۰:

اپنے رب کی (اس) تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے اور (تنگ دلی میں) مچھلی (کے پیٹ میں جانے) والے پیغمبر یونس (علیہ السلام) کی

طرح نہ ہو جائیے۔

میرا مقصد حضرت یونس علیہ السلام اور ان کی قوم کے متعلق تمام واقعات بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ صرف یہ کہنا ہے کہ مندرجہ بالا آیات قرآنی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت یونس علیہ السلام ''بہ ارشاد خداوندی رات کو اس بستی سے نکل گئے تھے'' بلکہ اس کے برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بغیر اذن خداوندی چلے گئے تھے اور ان کی اس لغزش پر اللہ نے ان کی گرفت کی تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے اور انہوں نے جو دعا کی تھی اس کی تاثیر مسلم ہے، مصیبت کے وقت ہم اس دعا کا ورد کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہیں۔ حیرت ہے کہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیعؒ نے کیسے لکھ دیا کہ: ''حضرت یونس علیہ السلام بہ ارشاد خداندی رات کو اس بستی سے نکل گئے تھے''؟

﴿جواب﴾:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے صفحہ: ۳۰۷۵ پر اس بحث کو مدلل لکھا ہے، اس کو ملاحظہ فرمالیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں دو مقام ہیں، ایک حضرت یونس علیہ السلام کا اپنے نینویٰ سے نکل جانا، یہ تو بامرِ خداوندی ہوا تھا، کیونکہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ جب کسی قوم کی ہلاکت یا اس پر نزول عذاب کی پیش گوئی کی جاتی ہے تو نبی کو اور اس کے رفقاء کو وہاں سے ہجرت کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ پس جب حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو تین دن میں عذاب نازل ہونے کی باطلاع الٰہی خبر دی تو لامحالہ ان کو اس جگہ کے چھوڑ دینے کا بھی حکم ہوا ہوگا۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کے بستی سے باہر تشریف لے جانے کے بعد جب بستی والوں پر عذاب کے آثار شروع ہوئے تو وہ سب کے سب ایمان لائے اور ان کی توبہ وانابت اور ایمان لانے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ہٹالیا۔ ادھر حضرت یونس علیہ السلام کو یہ تو علم ہوا کہ تین دن گزر جانے کے باوجود ان کی قوم پر

عذاب نازل نہیں ہوا، مگر ان کو اس کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔ جس سے ظاہر ہے کہ ان کو پریشانی لاحق ہوگئی، اور یہ سمجھے ہوں گے اگر وہ دوبارہ بستی میں واپس جائیں گے تو قوم ان کی تکذیب کرے گی، اس تنگ دلی میں ان کو یہ خیال نہیں رہا کہ ان کو وحی الٰہی اور حکم خداوندی کا انتظار کرنا چاہئے، اس کے بجائے انہوں نے اپنے اجتہاد سے کہیں آگے جانے کا ارادہ فرمالیا۔ شاید یہ بھی خیال ہوا ہوگا کہ جس جگہ وہ اس وقت موجود تھے قوم کو ان کا سراغ مل گیا تو کہیں یہاں آکر درپے تکذیب وایذا نہ ہو۔ ذرا تصور کیجئے کہ ایک نبی جس نے تین دن میں نزول عذاب کی پیش گوئی کی ہو اور یہ پیش گوئی بھی بامر الٰہی ہو، اور پھر اس کے علم کے مطابق یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی اور اصل حقیقت حال کا اس کو علم نہ ہو، اس پر کیا گزری ہوگی......؟ ایسی سراسیمگی وپریشانی کے عالم میں کسی اور جگہ کا عزم سفر کرلینا کچھ بھی مستبعد نہیں تھا۔ پس یہ تھی وہ اجتہادی لغزش، جس پر عتاب ہوا کہ انہوں نے بغیر حکم الٰہی کے آئندہ سفر کا قصد کیوں کیا؟ بعد میں جب کشتی کا واقعہ پیش آیا، تب ان کو احساس ہوا اور اس پر بارگاہ الٰہی میں معذرت خواہ ہوئے۔ جن آیات شریفہ کا آپ نے حوالہ دیا ہے، وہ اسی دوسرے مقام سے متعلق ہیں، اس لئے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقام اوّل کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے خلاف نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱، ص:۱۵۹ تا ۱۶۱، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضرت خضر، الیاس اور یونس علیہم السلام

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے یا ولی؟ انہیں انسانوں سے پیدا کیا گیا یا فرشتوں سے؟ اگر زندہ ہیں تو ان کے ٹھہرنے کی جگہ کہاں ہے؟ اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کے بارے میں بھی کچھ تحریر فرمائیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت خضر علیہ السلام راجح قول کے مطابق نبی تھے اور انہیں انسانوں میں سے ہی پیدا کیا گیا۔ محققین محدثین اور اکثر مفسرین کے نزدیک ان کا انتقال ہو گیا ہے جبکہ صوفیاء کے نزدیک وہ زندہ ہیں۔

حضرت الیاس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے جنہیں بعلبک نامی بستی کی طرف مبعوث کیا گیا۔ اہل شہر بعل نامی بت کی پوجا کرتے تھے۔ آپ نے انہیں ایک اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا تو قوم ان کی مخالفت پر اتر آئی اور بادشاہ وقت نے آپ کے قتل کا حکم دے دیا۔ آپ آبادی سے نکل کر ایک غار میں چلے گئے، بعد میں اس بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ آپ دس سال کے بعد تشریف لائے، دوسرے بادشاہ کو دعوت دی تو وہ اور قوم مسلمان ہو گئی۔

اور حضرت یونس علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے نبی تھے جنہیں موصل کی بستی نینویٰ کی طرف بھیجا گیا آپ نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی لیکن یہ لوگ اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔ آپ نے ان سے عذاب الٰہی کا وعدہ کر کے تشریف لے گئے، بعد میں جب قوم پر عذاب کی علامت ظاہر ہونے لگیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لیا۔

لما فی احکام القرآن للقرطبی (۱۱/ ۱۶): تحت آیة

فوجدا عبدا من عبادنا الاية...... والخضر نبی عند الجمهور وقيل هو عبد صالح غير نبی والآية تشهد بنبوته لان بواطن افعاله لاتكون الا بوحی وايضا فان الانسان لايتعلم ولا يتبع الا من فوقه وليس يجوز ان يكون فوق النبی ليس بنبی. وقيل كان ملكا امر الله ...... والاول صحيح.

وفی تفسير ابن كثير (۳/۹۴): وذكر ابن قتيبة فی المعارف ان اسم الخضر بليا بن ملكان.......... قالوا: وكان يكنی ابا العباس ويلقب بالخضر وكان من ابناء الملوك ذكره النووی فی تهذيب الاسماء وحكی هو وغيره فی كونه باقيا الی الآن ثم الی يوم القيمة قولين ومال هو وابن الصلاح الی بقائه وذكروا فی ذلك حكايات وآثارا عن السلف وغيرهم وجاء ذكره فی بعض الروايات ولا يصح شئ من ذلك واشهرها حديث التعزية واسناده ضعيف ورجح آخرون من المحدثين وغيرهم خلاف ذلك واحتجوا بقوله تعالی وما جعلنا بشر من قبلك الخلد وبقول النبی ﷺ يوم بدر اللّٰهم ان تهلك هذه العصابة لاتعبد فی الارض وبانه ينقل انه جاء رسول الله ﷺ ولا حضر عنده ولاقاتل معه ولو كان حيا لكان من اتباع النبی ﷺ واصحابه لانه عليه السلام كان مبعوثا الی جميع الثقلين.

وفی البداية والنهاية (۱/۲۱۷): قال اهل تفسير بعث اللّٰه يونس عليه السلام الی اهل نينویٰ من ارض الموصل فدعاهم الی الله عزوجل فكذبوه وتمردوا علی

کفرهم وعنادهم فلما طال ذلک علیه من امرهم خرج من بین اظهرهم ووعدهم حلول العذاب بهم بعد ثلاث............ قال ابن مسعود ومجاهد وسعید بن جبیرو قتادة وغیر واحد من السلف والخلف فلما خرج من بین ظهرانیهم وتحققوا نزول العذاب بهم قذف اللّٰه فی قلوبهم التوبة والانابة وندموا علی ماکان منهم الی نبیهم۔

وفیها ایضا (۱/۳۴): الیاس بن العاذر بن العیزار بن هارون بن عمران قالوا وکان ارساله الی اهل بعلبک غربی دمشق فدعاهم الی اللّٰه عزوجل ان یترکوا عبادة صنم لهم کانوا یسمونه بعلا وقیل کانت امرأة اسمها بعل والاول اصح...... فکذبوه وخالفوه وارادوا قتله فیقال انه هرب منهم واختفی عنهم.......... عن کعب الاحبار انه قال ان الیاس اختفی من ملک قومه من الغار الذی تحت الدم عشر سنین حتی اهلک اللّٰه الملک وولی غیره فاتاه الیاس فعرض علیه الاسلام فاسلم واسلم من قومه خلق عظیم غیر عشرة آلاف منهم فامر بهم فقتلوا عن آخرهم۔ (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۳۱،۲۳۲)



حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کی بیوی، حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ تھیں یا نہیں؟

﴿سوال﴾:

جناب کی تفسیر بیان القرآن کے صفحہ ۱۵ جلد دوم زیر آیت **وکفلها زکریا** (۵۶) الآیة. میں جناب کا ارشاد ہے۔ چنانچہ زکریا [علیہ الصلاۃ والسلام] نے اپنی ترجیح کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ میرے گھر میں ان کی خالہ ہیں اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے الخ اور تفسیر بیضاوی سورۂ آل عمران زیر آیت "**اذ قالت امرأة عمران رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررا**" الایة (۵۷) میں لکھا ہے "**ویردہ کفالة زکریا فانه کان معاسرا لابن حاثان وتزوج بنته ایشاع وکان یحییٰ وعیسیٰ علیهما السلام ابنی خالة من الاب الخ**" (۵۸) جناب کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کی بیوی حضرت مریم کی خالہ تھیں۔ اور تفسیر بیضاوی کی اس مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت مریمؑ کی بہن تھیں۔ اور حضرت یحییٰ وعیسیٰ علیہما الصلاۃ والسلام دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ صحیح کونسی بات ہے یا مجھے ہی سمجھ میں نہیں آتی۔ نیز ایشاع زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کا ہی دوسرا نام ہے یا کوئی اور پیغمبر ہیں؟

﴿الجواب﴾:

درمنثور میں بروایت عبد بن حمید وابن جریر وقتادہ سے یہی قول نقل کیا ہے۔ "**کان**

---

(۵۶): (سورة آل عمران: ۳۷)

(۵۷): (سورة آل عمران: ۳۵)

(۵۸): (تفسير بيضاوی، سورة آل عمران، الآية: ۳۵، ج: ۲، ص: ۱٤، ط، دار احياء التراث العربي بيروت لبنان)

زکریا زوج خالتہا" (۵۹) اور تفسیر مظہری میں بھی روایت ابن جریر وعکرمہ اور قتادہ وسدی کا یہی قول نقل کیا ہے کہ حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا میں سب سے زیادہ حقدار ہوں۔ میرے نکاح میں اس کی خالہ ایشاع بنت فاقودا ہیں (۶۰) اور درمنثور میں اخت ہونے کا قول بھی نقل کیا ہے۔ اور بروایت بیہقی اس کو ابن مسعود وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعض صحابہ کی طرف منسوب کیا ہے (۶۱) اور چونکہ اس کے ساتھ کوئی حکم شرعی متعلق نہیں۔ اس لئے کسی قول کے قائل ہونے میں بھی مضائقہ نہیں اور بیضاوی اس وقت مجھ کو نہیں ملی۔ اس لئے اس کی عبارت کے متعلق کچھ نہیں لکھ سکا۔ (امداد الفتاوی، ج:۱۱، ص: ۴۵ تا ۴۷، ط، زکریا بک ڈپو الہند)



(۵۹): اخرج عبد بن حمید وابن جریر عن قتادة قال: کانت مریم ابنة سیدهم وامامهم فتشاح علیها احبارهم فاقترعوا فیها بسهامهم ایهم یکفلها، وکان زکریا زوج خالتها فکفلها وکانت عنده وحضنها. (الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة آل عمران، آیت: ۳۷، ج: ۳، ص: ۵۲۲)

(۶۰): اخرج ابن جریر عن عکرمة وقتادة والسدی: ان حنة لما ولدت مریم لفتها فی خرقة وحملتها الی المسجد فوضعتها عند الأحبار أبناء هارون وهم یومئذ یلون بیت المقدس ما تلی الحجبة من الکعبة فقالت دونکم هی النذیرة، فتنافس فیها الأحبار لما کانت بنت امامهم وصاحب قربانهم فقال لهم زکریا احقکم بها عندی خالتها وهی ایشاع بنت فاقودا ام یحییٰ علیه السلام الخ. (تفسیر مظهری، سورة آل عمران، آیت: ۳۷، ج: ۲، ص: ٤٧، ط، مکتبه دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

(۶۱): اخرج البیهقی فی سننه عن ابن مسعود وابن عباس وناس من الصحابة، ان الذین کانوا یکتبون التوراة اذا جاؤوا الیهم بانسان محررونه اقترعوا علیه ایهم یاخذه فیعلمه، وکان زکریا افضلهم یومئذ، وکان معهم وکانت اخت مریم تحته،

حضرت یحییٰ علیہ السلام شادی شدہ نہیں تھے

﴿سوال﴾:

میں نے ایف. اے اسلامیات کی کتاب میں پڑھا ہے کہ حضرت یحیی علیہ السلام شادی شدہ ہیں، جبکہ ''جنگ'' بچوں کے صفحہ میں لکھا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شادی شدہ نہیں ہیں۔ کیا یہ سچ ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شادی شدہ نہیں ہیں؟

﴿جواب﴾:

جی ہاں! حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں پیغمبروں نے نکاح نہیں کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو جب قرب قیامت میں نازل ہوں گے تو نکاح بھی کریں گے اور ان کے اولاد بھی ہوگی، جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ اس لئے صرف حضرت یحییٰ علیہ السلام ہی ایسے ہیں جنھوں نے شادی نہیں کی، اس لئے قرآن کریم میں ان کو ''حصور'' فرمایا گیا ہے (۶۲)۔ اس لئے اگر آپ کی اسلامیات میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا شادی شدہ ہونا لکھا ہے تو غلط ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۵۹، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



فلما اتوا بها قال لهم زكريا انا أحقكم بها، تحتی أختها قال: فخرجوا الی نهر الأردن، فألقوا أقلامهم التی يكتبون بها أيهم يقوم قلمه فيكفلها فجرت الأقلام، وقام قلم زكريا علی قرينه كأنه فی طين فأخذ الجارية. (الدر المنثور فی التفسير بالمأثور، سورة آل عمران، آيت: ۳۷، ج: ۳، ص: ۵۲۲، ۵۲۳)

(۶۲):قال اللّٰه تبارک وتعالی: فنادته الملائكة وهو قائم يصلی فی المحراب ان اللّٰه يبشرک بيحيیٰ مصدقا بكلمة من اللّٰه وسيداً وحصوراً ونبياً من الصٰلحين.
(سورة آل عمران: ۳۹)

وفی روح المعانی: (وحصوراً) عطف علی ما قبله ومعناه الذی لايأتی النساء

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امت محمدیہ میں ہونے کی دعا

﴿سوال﴾:

یہ بات کہاں سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے امت محمدیہ میں پیدا ہونے کی دعا کی تھی اور وہ قبول ہوئی؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی وجوہات نقل کی ہیں، ان میں سے ایک وجہ بعض حضرات سے یہ نقل کی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی صفات انجیل میں دیکھیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے ان میں شامل کردے، پس اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی۔

والدلیل علی ذلک:

وقیل: أنہ دعا اللّٰہ لما رأی صفۃ محمد، وأمتہ أن یجعلہ منھم، فاستجاب اللّٰہ دعاءہ، وأبقاہ حتی ینزل فی آخر الزمان مجدد الأمر الاسلام (۶۳).

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی صفت دیکھی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے بھی ان میں شامل

مع القدرۃ علی ذلک....... والاشارۃ الی عدم انتفاعہ علیہ السلام بما عندہ لعدم میلہ للنکاح لما أنہ فی شغل شاغل عن ذلک. (تفسیر روح المعانی، سورۃ آل عمران، الآیۃ: ۳۹، ج: ۳، ص: ۱۴۸، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

(۶۳):(فتح الباری بشرح صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق الأنبیاء، باب نزول عیسی ابن مریم علیہ السلام، ج: ۶، ص: ۵۶۸)

کردے، پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اوران کو (زندہ) باقی رکھا، یہاں تک کہ آخری زمانہ میں دین اسلام کی تجدید کرتے ہوئے (آسمان سے) تشریف لائیں گے۔ (فتاوی عثمانیہ، ج:۱،ص:۱۱۱،۱۱۲، ط، العصر اکیڈمی پشاور)



حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو ماننے کا حکم

﴿سوال﴾:

کیا عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والا جہنمی ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت عیسیٰ کا نبی ہونا نص قطعی سے ثابت ہے، "وَرَسُوْلاً اِلیٰ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ الایة" لہٰذا اگر کوئی شخص ان کے نبی ہونے کا منکر ہے تو یقیناً وہ کافر ہے، اور ہر کافر جو کفر کی حالت میں مر گیا جہنمی ہے، لہٰذا منکر نبوت عیسیٰ علیہ السلام بھی جہنمی ہے (٦٤)، اس اعتبار

وفی عمدة القاری: لأنه دعا الله تعالی لما رأی صفة محمد صلی الله تعالی علیه وسلم وأمته أن یجعله منهم فاستجاب الله دعائه وأبقاه حیاً حتی ینزل فی آخر الزمان ویجدد أمر الاسلام، فیوافق خروج الدجال فیقتله. (عمدة القاری، کتاب الأنبیاء، باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیهما السلام، ج: ۱٦، ص: ٥٥، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(٦٤):فی الفتاوی التاتارخانیة: من لم یقر ببعض الأنبیاء علیهم السلام أو عاب نبیا بشیء أو لم یرض بسنة من سنن المرسلین علیهم السلام فقد کفر. (الفتاوی التاتارخانیه، کتاب أحکام المرتدین، الفصل السابع: فیما یعود الی الأنبیاء علیهم السلام، ج:۷،ص:۳۰٥، ط، مکتبة زکریا، بدیوبند، الهند)

(وکذا فی مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب السیر والجهاد، باب

سے قائل کا قول بالکل صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس طریقے پر ماننا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام میں سے ایک نبی ہیں، بالکل صحیح ہے، ایسا شخص کافر نہیں۔ دوسرا مطلب اس قول کا یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح ماننا کہ اسکے بعد آنے والے نبی (حضور اکرم ﷺ) کا انکار ہو یہ کفر ہے، اس لئے کہ اس کے بعد نبی آخر الزماں کی بعثت نصوص قطعیہ واخبار متواترہ مشہورہ سے ثابت ہے اور ہر کافر جہنمی ہے، لہٰذا مذکورہ طریقہ پر ماننے والا کافر ہے، اور اس توجیہ پر قائل کا قول صحیح ہے، تیسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کا والا حضور ﷺ کی بعثت کا اعتراف کے ساتھ یہ بھی مانتا ہو کہ حضرت عیسی علیہ السلام قیامت کے قریب نیا دین اور نئی شریعت لیکر تشریف لائیں گے اور شریعت محمدیہ کو چھوڑ کر نئی شریعت پر عمل کریں گے اور دوسروں سے عمل کرائیں گے، اس توجیہ کے اعتبار سے بھی قائل کا قول صحیح ہے، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کا نام خاتم النبیین ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، قرآن پاک میں ہے "**مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ**" (۶۵) الآیۃ اور حدیث پاک میں ہے "**انا خاتم النبيين لا نبي بعدی و لا رسل**" (۶۶) ترمذی شریف، اور نصوص قطعیہ کا منکر کافر ہے (۶۷) اور ہر کافر جہنمی ہے، لہٰذا شخص مذکور بھی جہنمی ہے، علامہ قسطلانی

المرتد، ج:۲، ص: ۵۰۶، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۶۵):(سورة الأحزاب: ۳۳)

(۶۶):**عن ثوبانؓ قال: قال رسول اللهﷺ: لايقوم الساعة حتى تلحق قبائل من امتي بالمشركين وحتى يعبدوا الأوثان وانه سيكون في أمتي ثلاثون كذابون كلهم يزعم انه نبي وأنا خاتم النبيين لانبي بعدي.** (جامع الترمذي، ابواب الفتن، باب ماجاء لاتقوم الساعة حتى يخرج كذابون، ص: ۵۰۹، رقم: ۲۲۱۹، ط، دار السلام رياض)

(۶۷):**في شرح العقائد النسفية: ورد النصوص، بأن ينكر الأحكام التي دلت عليها النصوص القطعية من الكتاب والسنة، كحشر الأجساد مثلاً، كفر، لكونه**

نے المواہب اللدنیہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں تفصیل سے کلام کیا ہے، بقائے نبوت کے ساتھ اتباع نبوت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی کریں گے اور اسی کے مطابق فیصلے فرمائیں گے۔ (المواہب اللدنیہ ج ۶ ص ۱۶۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (حبیب الفتاوی، ج:۷، ص:۵۶، ط، مکتبہ طیبہ دیوبند یوپی الہند)



کسی کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ کر انکار کرنا

﴿سوال﴾:

زید نے کسی موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہا اب علانیہ انکار کرتا ہے تو زید کے لئے کیا حکم ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

صورت مسئولہ میں زید نے اگر اعتقاداً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہا تھا تو وہ مرتد ہو گیا اور اس کی بیوی نکاح سے خارج ہو گئی لیکن چونکہ اب وہ اپنے قول کا منکر ہے۔ اور یہ انکار توبہ اور اپنے قول سے رجوع ہے۔ اس لئے اس سے کچھ تعرض نہ کیا جائے اور حسب ضرورت اس کو سمجھایا جائے اگر اس کے ذہن میں کوئی خلجان ہو تو تسلی بخش جواب دیا جائے البتہ تجدید نکاح ضروری ہے (۶۸)۔ (فتاوی دار العلوم وقف دیوبند، ج:۱، ص:۱۹۴، ۱۹۵، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی)



تکذیباً صریحاً للہ تعالی، ورسولہ ﷺ، فمن قذف عائشة رضی اللہ تعالی عنها بالزنا كفر. (شرح العقائد النسفية، مبحث جحود الأحكام القطعية والاستهزاء بها، ص: ۳۸۲، ط، مكتبة البشرىٰ كراتشي)

(۶۸): في الدر المختار: (شهدوا على مسلم بالردة وهو منكر لايتعرض له)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے

﴿سوال﴾:

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ تھے یا نہیں اگر تھے وہ کون تھے قرآن وسنت کی

لا لتكذيب الشهود العدول بل (لأن انكاره توبة ورجوع) يعنى فيمتنع القتل فقط. وتثبت بقية أحكام المرتد كحبط عمل وبطلان وقف بينونة زوجة لو فيما تقبل توبته.

وفى الشامية: قوله: (وبينونة زوجة) وتكون فسخاً عندهما. وقال محمد: فرقة بطلاق ولو هى المرتدة فبغير طلاق اجماعا، ثم اذا تاب وأسلم ترتفع تلك البينونة. ببرى عن شرح الطحاوى. وأقره السيد أبو السعود فى حاشية الأشباه.

قلت: والظاهر أن قوله ترفع أصله "لاترفع" فسقطت لفظة "لا" النافية من قلم الناسخ، والا فهو مخالف لفروعهم الكثيرة المقررة فى باب نكاح الكافر وغيره، المصرحة بلزوم تجديد النكاح. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، ج: ٦، ص: ٣٩٠، ط، دار عالم الكتب رياض)

وفى الهندية: ما كان فى كونه كفرا اختلاف فان قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط.....ثم ان كانت نية القائل الوجه الذى يمنع التكفير فهو مسلم وان كانت نيته الوجه الذى يوجب التكفير لاتنفعه فتوى المفتى ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك وبتجديد النكاح بينه وبين امرأته كذا فى المحيط. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر فى البغاة، ج: ٢، ص: ٢٨٣)

وفى التاتارخانية: يجب أن يعلم أنه اذا كان فى المسألة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتى أن يميل الى الوجه الذى يمنع التكفير تحسينا للظن بالمسلم، ثم ان كانت نية القائل الوجه الذى يمنع التكفير فهو مسلم وان كانت نيته الوجه الذى يوجب التكفير لاتنفعه فتوى المفتى ويؤمر بالتوبة

روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ جو شخص یہ نظر رکھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ تھے اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ مسلمان ہے یا نہیں؟ صحیح فتوی دے کر روشناس فرمائیں۔

﴿الجواب باسم الملک الوھاب﴾:

صورت مسئولہ میں نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے اس کے لئے تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے۔

"قوله تعالى: قالت أنى يكون لى غلام ولم يمسسنى بشر ولم أك بغيا. قال كذلك قال ربك هو على هين ولنجعله آية للناس ورحمة مناوكان أمرا مقضيا. (مريم: ۲۰، ۲۱)

"ذلك عيسىٰ ابن مريم قول الحق الذى فيه يمترون (الاية) نصب على المدح والمراد بالحق الله تعالى وبالقول كلمته تعالى واطلقت عليه (عليه السلام) بمعنى خلق بقول كن من غير اب الخ (روح المعانى: ۱۶/ ۹۱) والله تعالى اعلم بالصواب۔ (ارشاد المفتين، ج: ۱، ص: ۲۳۳، ط، مكتبة الحسن لاهور/ فتاوى فريديه، ج: ۱، ص: ۴۸۶، ۴۸۷)



والرجوع عن ذلك وتجديد النكاح بينه وبين أمرته. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الأول: فى اجراء كلمة الكفر مع علمه كلمة الكفر الخ، ج: ۷، ص: ۲۸۱، ۲۸۲، ط، مكتبة زكريا ديو بند)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونے کا انکار

﴿سوال﴾:

ہمارے ہاں ایک شخص ہے جو خود کو مسلمان کہتا ہے، لیکن اس بات کا منکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں، کیا ایسا شخص مسلمان رہ سکتا ہے؟

﴿الجواب وباللّٰہ التوفیق﴾:

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باپ کے بغیر حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا فرمایا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا فرمایا تھا تو کیا وہ اللہ اس پر قادر نہیں ہے کہ کسی کو باپ کے بغیر پیدا فرمائے؟

قرآن کریم کی بہت ساری آیات اس بارے میں بالکل واضح ہیں، لہٰذا اتنی ساری واضح آیات کے ہوتے ہوئے یہ عقیدہ رکھنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا نہیں ہوئے، قرآن کریم کی واضح آیات سے صریح انکار ہے اور قرآن پاک کی کسی بھی آیت سے انکار موجب کفر ہے۔

والدلیل علی ذلک:

﴿قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ. قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَایَشَاءُ اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ﴾ (۶۹)۔

ترجمہ: حضرت مریم (علیہا السلام) بولی کہ اے میرے پروردگار! کس طرح میرا بچہ ہوگا حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ویسا ہی ہوگا، اللہ جو چاہیں پیدا فرماتے ہیں، جب کسی چیز کو پورا کرنا

---

(۶۹): (سورۃ آل عمران: ۴۷)

چاہتے ہیں تو اس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا، پس وہ چیز ہو جاتی ہے۔

ویکفر اذا انکر آیة من القرآن او سخر بآیة منه (۷۰).

جب کوئی شخص قرآن کریم کی کسی ایک آیت کا انکار یا استہزا کرے تو اس سے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ (فتاوی عثمانیہ، ج:۱،ص:۱۱۵،۱۱۶، ط، العصر اکیڈمی پشاور/ فتاوی دار العلوم دیوبند، ج:۱۸،ص:۲۴۴،۲۴۵، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند)



عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ پیدا کرنے کی حکمت

﴿سوال﴾:

اللہ تعالیٰ کے حضرت عیسی علیہ السلام کو بغیر باپ پیدا کرنیکی حکمت کیا ہے حالانکہ قانون قدرت ہے کہ ماں باپ کے ملنے سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو خلاف قانون کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کو دکھلانا تھا کہ خلاف قانون پر بھی قادر ہے تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر دیا تھا تو اب کی تحقیق اس بات کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ پیدا کرنے کی ضرورت کیا پیش آئی تھی؟

﴿الجواب﴾:

جب یہ واضح ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا خلاف عادت کرنا اظہار قدرت کے لئے ہے تو واضح ہو کہ خلاف عادت (خلاف قانون) عقلی طور پر تین قسموں پر متصور ہو سکتا ہے۔۱: بلا ماں باپ۔۲: بلا ماں۔ :بلا باپ۔ تو ان تینوں صورتوں کو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے دکھلایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس معہودہ عادت کے خلاف (کہ ماں اور باپ کے واسطہ سے بھی اولاد ہو) کرنے پر بجمیع صور عقلیہ متصورہ قادر ہیں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کو ماں اور باپ کے بغیر، اور

حوا علیہا السلام کو ماں کے بغیر پیدا کیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر کے اظہار قدرت کو تام کر دیا(۷۱)۔ نیز اس قسم کے سوالات کا منشاء اللہ تعالیٰ کے فاعل مختار ہونے میں شک ہے۔ اس لئے ایسے سائل کے جواب میں کلی بحث تو مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فاعل مختار تسلیم کرتے ہو یا نہیں؟ لیکن جزئی بحث کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام کیوں کیا اس میں بحث لا حاصل ہے اس لئے کہ کس کس جزئیہ کے بارے میں آپ حکمت تلاش کر کے بتا سکیں گے۔ فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج:۱، ص:۳۲۶، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



---

(۷۰):(البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ج: ٥، ص: ٢٠٢، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي التاتارخانية: اذا أنكر آية من القرآن أو سخر بآية من القرآن، وفي الخزانة: أو عاب فقد كفر. (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب أحكام المرتدين، الفصل العاشر: فيما يتعلق بالقرآن، ج: ٧، ص: ٣١٥، ط، مكتبة زكريا، بديوبند، الهند)

(۷۱):**قال الله تبارك وتعالى: ﴿قالت رب انى يكون لى ولد ولم يمسسنى بشر قال كذلك الله يخلق مايشاء اذا قضى امرا فانما يقول له كن فيكون﴾.** (سورة آل عمران: ٤٧)

عن أبى هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: الناس ولد آدم وآدم من تراب.

عن أبى حصين قال: قال لى سعيد بن جبير أتدرى لم سمى آدم؟ لأنه خلق من أديم الأرض. (كتاب الطبقات الكبير، ذكر من ولد رسول الله عليه الصلاة والسلام من الأنبياء، ج: ١، ص: ٩، مكتبة الخانجى القاهرة)

قال: أخبرنا حجاج بن محمد عن ابن جريج عن مجاهد فى قوله: ﴿وخلق منها زوجها﴾ [سورة النساء: ١]، قال خلق حواء من قصيرى آدم عليه الصلاة والسلام، والقصيرى: الضلع الأقصر، وهو نائم، فاستيقظ فقال: أثا! امرأة بالنبطية. (كتاب الطبقات الكبير، ذكر حواء، ج: ١، ص: ٢٣، ط، مكتبه الخانجى القاهرة)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس عمر میں نازل ہوں گے؟

﴿سوال﴾:

ہم سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ حدیث کی روشنی میں بیان کریں کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں پیدا ہوں گے یا پھر اس عمر میں تشریف لائیں گے جس عمر میں آپ کو آسمان پر اللہ تعالیٰ نے اٹھالیا۔ میں ایک مرتبہ پھر سے گزارش کروں گا کہ جواب ضرور دیں، اس طرح ہوسکتا ہے کہ آپ کی اس کاوش سے چند قادیانی اپنا عقیدہ درست کرلیں، یہ ایک قسم کا جہاد ہے، آپ کی تحریر ہمارے لئے سند کا درجہ رکھتی ہے۔

﴿جواب﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے، اسی عمر میں نازل ہوں گے، ان کا آسمان پر قیام ان کی صحت اور عمر پر اثر انداز نہیں، جس طرح اہل جنت، جنت میں سدا جوان رہیں گے اور وہاں کی آب وہوا ان کی صحت اور عمر کو متاثر نہیں کرے گی (۷۲)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہاں اس وقت قیام فرما ہیں، وہاں زمین کے نہیں آسمان کے قوانین جاری ہیں، قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ: ”تیرے رب کا ایک دن تمہاری گنتی

---

(۷۲): وعن أبی هريرة رضی اللّٰه تعالی عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم من یدخل الجنة ینعم ولاییاس ولایبلیٰ ثیابه ولایفنی شبابه رواه مسلم.

وعن ابی سعیدؓ وابی هریرةؓ ان رسول اللّٰه ﷺ قال ینادی مناد ان لکم ان تصحوا فلاتسقموا ابداً وان لکم ان تحیوا فلاتموتوا ابداً وان لکم ان تشبوا فلاتهرموا ابداً وان لکم ان تنعموا فلاتبأسوا ابداً. رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، باب صفة الجنة واهلها، ص: ٤٩٦، ط، قديمی كتب خانه كراچی)

کے حساب سے ایک ہزار برس کے برابر ہے(۷۳)۔

اس قانونی آسمانی کے مطابق ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہاں سے گئے ہوئے دو دن بھی نہیں گزرے۔آپ غور فرماسکتے ہیں کہ صرف دو دن کے انسان کی صحت وعمر میں کیا کوئی نمایاں تبدیلی رونما ہوجاتی ہے؟

مشکل یہ ہے کہ ہم معاملات الٰہیہ کو بھی اپنی عقل وفہم اور مشاہدہ وتجربہ کے ترازو میں تولنا چاہتے ہیں، ورنہ ایک مؤمن کے لئے فرمودۂ خدا اور رسول سے بڑھ کر یقین وایمان کی کون سی بات ہوسکتی ہے....؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ پیدا ہونے کا سوال تو جب پیدا ہوتا کہ وہ مرچکے ہوتے، زندہ تو دوبارہ پیدا نہیں ہوا کرتا، اور پھر کسی مرے ہوئے شخص کا کسی اور قالب میں دوبارہ جنم لینا تو ''آواگون'' ہے جس کے ہندو قائل ہیں۔کسی مدعیٔ اسلام کا یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت نے اس کے قالب میں دوبارہ جنم لیا ہے۔ (فتاویٰ ختم نبوت، ج:۱،ص:۱۷۲،۱۷۳، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان/آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۲،ص:۱۷۵،ط،مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۷۳):قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: وان یوماً عند ربک کألف سنة مما تعدون.

(سورة الحج: ٤٧)

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی مثل آدم ہونا

﴿سوال﴾:

سورۃ آل عمران آیت ۵۹ میں ارشاد خداوندی ہے: اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو حضرت آدم علیہ السلام کا مثیل اور مشبہ بتایا گیا ہے لیکن آدم علیہ السّلام بغیر باپ کے تھے، تو پھر یہ تشبیہ کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟

﴿الجواب﴾:

چونکہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عادت مستمرہ کے خلاف ہوئی تھی جو بغیر باپ کے تھی، اور یہ ایک عجیب واقعہ تھا لیکن اس سے زیادہ عجیب تر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش تھی جو ماں باپ دونوں کے بغیر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوئی تھی۔ تو یہاں عجیب واقعہ کی عجیب تر واقعہ کے ساتھ تشبیہ وتمثیل میں مشبہ کا مشبہ بہ کے ساتھ تمام وجوہات میں متحد اور یکساں ہونا لازم نہیں ہے بلکہ مشبہ بہ کی بعض صفات کا مشبہ میں پایا جانا تشبیہ اور تمثیل کے لیے کافی ہوتا ہے جیسے کسی انسان کی بہادری کی تشبیہ شیر کے ساتھ دی جاتی ہے اگرچہ من کل الوجوہ یکساں نہیں ہوتے (۷۴)۔

(۷۴):في الجامع لأحكام القرآن: قوله تعالى: ﴿ان مثل عيسى عندالله كمثل آدم خلقه من تراب﴾ دليل على صحة القياس. والتشبيه واقع على أن عيسى خلق من غير أب كآدم، لا على أنه خلق من تراب. والشيء قد يشبه بالشيء ـ وان كان بينهما فرق كبير ـ بعد أن يجتمعا في وصف واحد، فان آدم خلق من تراب ولم يخلق عيسى من تراب، فكان بينهما فرق من هذه الجهة، ولكن شبه ما بينهما أنهما خلقا من غير أب، ولأن أصل خلقهما كان من تراب، لأن آدم لم يخلق من نفس التراب، ولكنه جعل طيناً، ثم جعله صلصالاً، ثم خلقه منه، فكذلك عيسى حوله من حال الى حال، ثم جعله بشراً من غير أب. (الجامع لأحكام القرآن، سورة آل عمران، الآية: ٥٩، ج: ٥، ص: ١٥٦، ١٥٧، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

لما قال الشیخ علاؤ الدینؒ: علی تحت قوله تعالیٰ: ان مثل عیسیٰ عندالله کمثل آدم. قلت هو مثله فی احد الطرفین فلایمنع اختصاصه دونه بالطرف الاٰخر من تشبیهه لان المماثلة مشارکة فی بعض الاوصاف ولانه شبه به فی ان له وجودا خارجا عن العادة المستمرة وهما فی ذلک نظیران لان الوجود من غیر اب وام اغرب فی العادة من الوجود من غیر اب فشبه الغریب بالاغرب لیکون اقطع للخصم واحستم لمارة شبهته. (تفسیر خازن ج۱ ص ۳۰۱ سورۃ البقرہ) (فتاوی حقانیه، ج: ۲، ص: ۱۳۹، ط، مکتبه سید احمد شهید اکوڑه خٹك)



حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت نبی کے تشریف لائیں گے یا بحیثیت اُمتی کے؟

﴿سوال﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب قرب قیامت میں تشریف لائیں گے تو نبی ہوں گے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی؟ اور کس شریعت پر عمل کریں گے؟

﴿جواب﴾:

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جب قرب قیامت میں تشریف لائیں گے تو بدستور نبی ہوں گے، مگر چونکہ ان کا دور ختم ہو چکا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں گے، اس لئے امت محمدیہ میں شمار ہوں گے۔ الغرض وہ نبی ہونے کے باوجود

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بھی ہوں گے(۷۵)۔(آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۲،ص:۱۷۶،ط،مکتبہ لدھیانوی کراچی/ فتاوی دینیہ، ج:۱،ص:۱۰۲/ فتاوی فریدیہ، ج:۱، ص:۴۸۸)



(۷۵):عن أبی قتادة الأنصاری، أن ابا هريرة رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول اللهﷺ: كيف أنتم اذا نزل ابن مريم فيكم، وامامكم منكم؟. وفی فتح تحت هذا الحديث: معنی قوله: "وامامكم منكم" أن الشريعة المحمدية متصلة الی يوم القيامة، وأن فی كل قرن طائفة من أهل العلم. وهذا والذی قبله لايبين كون عيسیٰ اذا نزل يكون اماما أو مأموماً، وعلی تقدير أن يكون عيسی اماماً فمعناه أنه يصير معكم بالجماعة من هذه الأمة قال الطيبی: المعنی يؤمكم عيسی حال كونه فی دينكم. ويعكر عليه قوله فی حديث آخر عند مسلم "فيقال له: صل لنا فيقول: لا، ان بعضكم علی بعض أمراء تكرمة لهذه الأمة". وقال ابن الجوزی: لو تقدم عيسی اماما لوقع فی النفس اشكال، ولقيل: أتراه تقدم نائباً أو مبتدعاً شرعاً، فصلی مأموماً لئلا يتدنس بغبار الشبهة وجه قوله "لانبی بعدی". كذا فی الفتح. (موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب الايمان، باب نزول عيسی ابن مريم حاكما بشريعة نبينا محمدﷺ، ج:۲،ص:۲۰۹،ط، دار احياء التراث العربی بيروت لبنان)

أن سعيد بن المسيب سمع أبا هريرةؓ قال رسول اللهﷺ: والذی نفسی بيده، ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماً عدلاً..الخ. وفی الفتح تحت هذا الحديث: قوله: (حكما) أی حاكماً: والمعنی أنه ينزل حاكماً بهذه الشريعة فان هذه الشريعة باقية لاتنسخ، بل يكون عيسیٰ حاكماً من حكام هذه الأمة. (فتح الباری بشرح صحيح البخاری، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسیٰ ابن مريم عليه السلام، ج: ٦، ص: ٥٦٧)

وفی الجامع لأحكام القرآن: ولاينزل بشرع مبتدأ فينسخ به شريعتنا، بل ينزل مجدداً لما درس منها متبعها. (الجامع لأحكام القرآن، سورة آل عمران، الآية:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول حدیث لا نبی بعدی کے منافی نہیں

﴿سوال﴾:

کیا حضرت محمد ﷺ نبی آخر الزمان ہیں آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا اور اس دعوے کو تسلیم کرنے والا مؤمن ہے یا کافر؟

۲: کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں۔ اور آپ قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے تو بحیثیت نبی کے یا امتی کے؟

﴿الجواب﴾:

ا: حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نبی آخر الزمان ہیں ان کے بعد نبوت کا دعوی کرنیوالا خواہ کسی قسم کا ہو کافر ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو اس دعوی نبوت پر ایمان لائے وہ بھی کافر ہے۔

۲: حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں۔ اور قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے۔ ان کی تشریف آوری یقینی ہے۔ مرزائی جو دھوکہ دیتے ہیں کہ ان کی تشریف آوری حدیث ''**لانبی بعدی**'' کے مخالف ہے۔ غالبًا اس کے ماتحت آپ نے یہ سوال تحریر فرمایا ہے کہ وہ نازل ہوں گے تو بحیثیت نبی کے ہونگے یا امتی کے؟

جناب والا! اس سوال کو مرزائی یوں رنگ دے کر بیان کرتے ہیں کہ اگر نبی ہوکر آئیں گے تو ختم نبوت باطل ہوتی ہے اور اگر معزول ہوکر آئیں گے تو ایک پیغمبر کا نبوت سے معزول ہونا لازم آتا ہے۔ یہ ایک اغلوطہ، اور دھوکہ ہے اس کو ہم اس مثال سے واضح

۵۵، ج: ۵، ص: ۱۵۵، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

وفى البذل المجهود: أن الأحاديث قد ثبتت أنه يخرج بعد أمور ذكرت، وأن عيسى عليه السلام يقتله بعد أن ينزل من السماء، ويحكم بالشريعة المحمدية.

(بذل المجهود فى حل سنن أبى داؤد، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال، ج: ۱۲، ص: ۳۶۸، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

کرتے ہیں کہ ایک صوبہ کا وزیر اعلیٰ دوسرے صوبہ کے اندر جاتا ہے جہاں دوسرے وزیر اعلیٰ کی حکومت ہے۔ کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ وزیر اعلیٰ جو دوسرے صوبہ میں گئے ہوئے ہیں اپنی وزارت سے معطل ہوکر اپنے عہدہ سے گر گئے ہیں۔ یا یہ کہنا درست ہے کہ یہ وزیر اعلیٰ اپنے علاقہ کے حاکم اور افسر اعلیٰ ہیں ایک مقصد اور کام کے سلسلہ میں دوسرے صوبہ میں گئے ہیں۔ جتنے دن دوسرے صوبہ میں رہیں گے وہاں کی حکومت اور قوانین کا احترام ان پر لازم ہوگا۔ باوجود اس بات کے کہ وہ اپنے عہدہ اور اعزاز کو بھی اپنے اندر باقی رکھے ہوئے ہیں اور اس سے کسی صورت میں معزول نہیں۔

محترم! اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سابقہ انبیاءؑ میں سے اپنے عہدہ اور اعزاز پر قائم ہیں ان کا اپنے عہدہ سے معطل ہونا لازم نہیں آتا۔ اور نہ ان کے آنے سے ختم نبوت پر اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ تو پہلے کے نبی ہیں۔ مکان نبوت میں ان کا پہلے سے مقرر شدہ درجہ ومنصب ہے ان کا آنا اس امت میں ایک سبب اور مقصد کے لئے ہوگا اور وہ ہے قتل دجال۔ جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ تشریف لانے کے بعد نبی ہوتے ہوئے قانون محمدیہ [صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم] کا اتباع کریں گے اور آنحضرت ﷺ کی شریعت پر عمل کریں گے ان کا آنا "**لانبی بعدی**" کے منافی نہیں۔ کیونکہ "**لانبی بعدی**" آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت ملنے کی نفی کرتا ہے۔ ان کو تو پہلے سے نبوت ملی ہوئی ہے حضور ﷺ کے بعد تو نبوت نہیں دی جارہی۔ اور دجال قادیانی تو حضور ﷺ کے بعد اپنے اوپر نبوت کے نزول کا مدعی ہے جو تمام اسلامی اجماعی عقیدہ کے منافی ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کے ماتحت کہ "**لاتقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون کلھم یزعم انه نبی وانا خاتم النبیین لانبی بعدی** (۷۶). کا استعمال ان لوگوں کے لئے حضور ﷺ نے فرمایا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی۔ جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد دعوی نبوت کرتے ہیں ان کو

(۷۶):(سنن أبی داؤد، کتاب الفتن والملاحم، ص: ۵۹۶، رقم: ۴۲۵۲، ط، دار السلام ریاض)

دجال بھی کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی سابقہ نبی کا آنا ختم نبوت کے منافی نہیں (۷۷)۔ یہ جو وزیر اعلیٰ کی مثال دی ہے بطور توضیح مثال دی ہے کہیں کوئی شخص اس تشبیہ کو حقیقت نہ سمجھ لے اور اعتراض شروع کردے۔ فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج:۱، ص:۱۵۰،۱۵۱، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان/ فتاوی فریدیہ، ج:۱، ص:۴۶۰ تا ۴۶۲/ فتاوی حقانیہ، ج:۱، ص:۲۲۸، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)



---

(۷۷): فی مفاتیح الغیب: أن قوله: (قبل موته) أی قبل موت عیسیٰ، والمراد أن أهل الکتاب الذین یکونون موجودین فی زمان نزوله لابد وأن یؤمنوا به: قال بعض المتکلمین: انه لایمنع نزوله من السماء الی الدنیا الا أنه انما ینزل عند ارتفاع التکالیف أو بحیث لایعرف، اذ لو نزل مع بقاء التکالیف علی وجه یعرف أنه عیسیٰ علیه السلام لکان اما أن یکون نبیاً ولانبی بعد محمد علیه الصلاة والسلام، أو غیر نبی وذلک غیر جائز علی الأنبیاء، وهذا الاشکال عندی ضعیف لأن انتهاء الأنبیاء الی مبعث محمد صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم، فعند مبعثة انتهت تلک المدة، فلایبعد أن یصیر بعد نزوله تبعا لمحمد علیه الصلاة والسلام. (مفاتیح الغیب، سورة النساء، الآیة: ۱۵۹، ج: ۱۱، ص: ۱۰۶، ط، دار الفکر)

وفی الفتاوی البزازیة: وعیسیٰ علیه الصلاة والسلام ینزل الی الناس ویدعوا الی شریعته وهو سائق لامته الی دینه. (الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب ألفاظ تکون اسلاماً أو کفراً أو خطأً، وفیه ثلاثة فصول، الثالث فی الأنبیاء، ج: ٦، ص: ٣٢٧)

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ جسمانی کے متعلق قرآن خاموش ہے؟

سوال:

زید یہ اعتقاد رکھے اور بیان کرے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے یا وفات دیئے جانے کے بارے میں قرآن پاک خاموش ہے، جیسا کہ زید کی یہ عبارت ہے: ''قرآن نہ اس کی تصریح کرتا ہے کہ اللہ ان کو جسم روح کے ساتھ کرۂ زمین سے اٹھا کر آسمان پر کہیں لے گیا اور نہ یہی صاف کہتا ہے کہ انہوں نے زمین پر طبعی موت پائی اور صرف ان کی روح اٹھائی گئی، اس لئے قرآن کی بنیاد پر نہ تو ان میں سے کسی ایک پہلو کی قطعی نفی کی جاسکتی ہے اور نہ اثبات۔''

تو زید جو یہ بیان کرتا ہے، آیا اس بیان کی بنا پر مسلمان کہلائے گا یا کافر؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب:

جو عبارت سوال میں نقل کی گئی ہے، یہ مودودی صاحب کی ''تفہیم القرآن'' کی ہے، بعد کے ایڈیشنوں میں اس کی اصلاح کردی گئی ہے۔ اس لئے اس پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا، البتہ گمراہ کن غلطی قرار دیا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کی تصریح ''بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ'' (النساء:۱۵۸) اور ''اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ'' (آل عمران:۵۵) میں موجود ہے۔ چنانچہ تمام ائمہ تفسیر اس پر متفق ہیں کہ ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کو ذکر فرمایا ہے اور رفع جسمانی پر احادیث متواترہ موجود ہیں۔ قرآن کریم کی آیات کو احادیث متواترہ اور امت کے اجماعی عقیدے کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ آیات

رفع جسمانی میں قطعی دلالت کرتی ہیں اور یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن کریم حضرت عیسی علیہ السلام کے رفع جسمانی کی تصریح نہیں کرتا(۷۸)۔ (فتاوی ختم نبوت، ج:۱،ص:۱۹۳، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان/ آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۲،ص: ۱۷۷، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی/ فتاوی دینیہ، ج:۱،ص:۱۰۲/ فتاوی فریدیہ، ج:۱،ص:۴۸۸)



حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجتہد ہونے کی تحقیق

﴿سوال﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر تشریف لانے کے بعد مذاہب اربعہ میں سے کس مذہب کو اختیار فرمائیں گے؟ یا خود مجتہد ہوں گے؟ مشہور ہے کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر ہوں گے، نیز جس مذہب کے موافق وہ عمل کریں گے تو کیا ان کا عمل حرف آخر ہوگا یا نہیں؟ اگر ایسا ہوا تو پھر دوسرے مذاہب ختم ہو جائیں گے، نیز دنیا میں پتہ چل جائیگا کہ کونسا امام حق پر تھا جب کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس معاملے کو چھپایا ہے ہاں آخرت میں محق کو دو اجر اور مخطی کو ایک ملنے سے شاید پتہ چلتا ہو تو اس اشکال کا کیا حل ہے؟

﴿الجواب﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر تشریف لانے کے بعد ملت محمدیہ کو اختیار فرمائیں گے، اور اسی کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول

---

(۷۸):**فی تلخيص الحبير: وأما رفع عيسیٰ عليه الصلاة والسلام فاتفق أصحاب الأخبار والتفسير علی أنه رفع ببدنه حياً.** (تلخيص الحبير فی تخريج أحاديث الرافعي الكبير، ج: ۳، ص: ۴۳۱، رقم ۱۷۴۸، ط، مؤسسة قرطبة)

اللہﷺ: والذی نفسی بیده لیوشکن أن ینزل فیکم ابن مریم حکماً وعدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیة ویفیض المال حتی تکون السجدة الواحد خیر من الدنیا وما فیها. (رواه مسلم: ۱/۸۷، تاب نزول عیسی ابن مریم علیه السلام، ط: فیصل، والبخاری: ۱/۲۹٦، باب قتل الخنزیر، ط: فیصل)۔

فتح الملہم میں ہے:

قوله حکماً: أی حاکماً والمعنی أنه ینزل حاکماً بهذه الشریعة فان هذه الشریعة باقیة لاتنسخ، بل یکون عیسیٰ علیه السلام حاکماً من حکام هذه الأمة، ولایکون نزوله من حیث أنه نبی مستقل، کما کان قد بعث قبل فی بنی اسرائیل.

قوله: ویضع الجزیة: قال النوریؒ: ومعنی وضع عیسیٰ الجزیة مع أنها مشروعة فی هذه الشریعة أن مشروعیتها مقیدة بنزول عیسیٰ لما دل علیه هذا الخبر ولیس عیسیٰ بناسخ لحکم الجزیة بل نبیناﷺ هو المبین للنسخ بقوله هذا. (فتح الملهم: ۲/۲۸۵۔ ۲۸٦)

فتاویٰ حدیثیہ میں شیخ ابن حجر ہیثمی المکیؒ (۹۰۹۔ ۹۷٤ھ) فرماتے ہیں:

(وسئل) نفع اللّٰه به عن نزول عیسیٰ علیه السلام أیحکم بشریعتنا أو بشریعة أخری؟

(فأجاب) بقوله: الذی نص علیه العلماء بل أجمعوا علیه أنه یحکم بشریعة محمدﷺ وعلی ملته، وفی روایة

سندها جيد مصدقاً بمحمد وعلى ملته اماماً مهدياً وحكماً عدلاً، وفي رواية لابن عساكر فيصلي الصلوات وبجمع ومجموع الخمس وصلاة الجمعة لم يكن في غير هذه الملة. (الفتاوى الحديثية، ص ۱۲۸، ط: دارلفكر)۔

رہی یہ بات کہ وہ کیا طریقہ اختیار فرمائیں گے اور مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں گے یا خود مجتہد ہوں گے یا کوئی اور شان ہوگی، اس سلسلہ میں علامہ شامیؒ (م۲۵۲ھ) نے ردالمحتار میں تحریر فرمایا ہے:

وانما يحكم بالاجتهاد، أو بماكان يعلمه من شريعتنا بالوحي أو انما تعلمه منها وهو في السماء أو أنه ينظر في القرآن فيفهم منه كما يفهم نبينا عليه الصلاة والسلام.

(فتاوى الشامي: ۱/۵۷، مقدمة، ط: سعيد)۔

یعنی اجتہاد کریں گے یا پہلے سے ہماری شریعت کو بذریعہ وحی جانتے تھے یا آسمان میں شریعت محمد یہ سیکھ لی تھی یا قرآن میں دیکھ کر شریعت کو سمجھیں گے جیسے رسول اللہ ﷺ سمجھتے تھے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

فينزل وقد علم بأمر الله في السماء مايحتاج اليه من علم هذه الشريعة للحكم بين الناس والعمل فيه في نفسه، فيجتمع المؤمنون ويحكمونه على أنفسهم اذ لايصلح لذلك غيره. (عمدة القاري: ۱۱/۲۰۴، ملتان)۔

فتاوی حدیثیہ میں شیخ ابن حجر ہیثمی المکیؒ فرماتے ہیں:

(وسئل) نفع الله لفظه أجمعوا على أن عيسى عليه السلام يحكم بشريعتنا فما كيفية حكمه بذلك بمذهب

أحد من المجهتدين أم باجتهاد؟

(فأجاب) بقوله : عيسىٰ عليه السلام منزه عن أن يقلد غيره من بقية المجتهدين بل هو أولىٰ بالاجتهاد ثم علمه بأحكام شرعنا اما بعلمها من القرآن فقط .... أوبرواية السنة عن نبينا ﷺ فانه اجتمع به في حياته مرات.... وحينئذٍ فلا مانع أنه تلقى عن النبي ﷺ أحكام الشريعة المخالفة لشريعة الانجيل لعلمه أنه سينزل وأنه يحتاج لذلك فأخذها منه بلا واسطة، وفي حديث ابن عساكر: ألا أن ابن مريم ليس بيني وبينه نبي ولارسول ألا أنه خليفتي في أمتي من بعدي... الخ.

(الفتاوى الحديثية، ص ۱۲۹، ط: دارلفکر)۔

رہا یہ اشکال کہ پھر تو اختلافی مسائل میں جس پہلو کو وہ اختیار کریں گے بس وہی حق ہوگا اور تمام اہل مذاہب اس کی طرف رجوع کریں گے؟

اس کا جواب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امور اجتہادیہ میں ان سے اختلاف کی گنجائش ہوگی، ہاں وحی کے امور میں ان سے اختلاف نہیں ہوسکتا، جیسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریرہؓ کو ان کے شوہر مغیثؓ کے ساتھ رہنے کا مشورہ دیا اور حضرت بریرہؓ نے اپنے اجتہاد اور رائے کو ترجیح دی اور رسول اللہ ﷺ کے مشورہ کو قبول نہیں فرمایا یا رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات میں حضرت عمرؓ کی رائے پر عمل فرما کر کتابت کا ارادہ ترک فرمایا۔

اور یہ بات کہ وہ امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کے مذہب پر ہوں گے علامہ حصکفیؒ (م ۱۰۸۸ھ) نے درمختار کے مقدمہ میں تحریر فرمائی ہے لیکن علامہ شامیؒ نے بلا دلیل کہہ کر رد فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ امام شعرانیؒ (م ۹۷۳ھ) کا مکاشفہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

لکن لا دلیل فی ذلک، علی أن نبی اللّٰہ عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام یحکم بمذھب أبی حنیفۃؒ وان کان العلماء موجودین فی زمنہ فلا بدلہ من دلیل، ولھذا قال الحافظ السیوطیؒ فی رسالۃ سماھا الاعلام ما حاصلہ: ان ما یقال: انہ یحکم بمذھب من المذاھب الأربعۃ باطل لا أصل لہ، وکیف یظن بنی أنہ یقلد مجتھداً مع أن المجھتد من آحاد ھذہ الأئمۃ لایجوز لہ التقلید، وانما یحکم بالاجتھاد أو بما کان یعلمہ من شریعتنا بالوحی أو انما تعلمہ منھا وھو فی السماء، أو أنہ ینظر فی القرآن فیفھم منہ کما نبینا علیہ الصلاۃ والسلام، واقتصر السبکی علی الأخیر. وذکر ملا علی القاری أن الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ سئل ھل ینزل عیسیٰ علیہ السلام حافظاً للقرآن والسنۃ أویتلقاھما عن علماء ذلک الزمان؟ فأجاب: لم ینقل فی ذلک شیء صریح، والذی یلیق بمقامہ علیہ الصلاۃ والسلام أنہ یتلقی ذلک عن رسول اللّٰہ ﷺ فیحکم فی أمتہ کما تلقاہ منہ لأنہ فی الحقیقۃ خلیفۃ منہ. (فتاوی الشامی: ۱/۵۷، مقدمۃ، ط: سعید)۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ (م۱۳۰۴ھ) مقدمۃ الھدایہ میں امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ (م۹۱۱ھ) کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

واتفق معہ القاری وقال :انہ أمر لا أصل لہ ولا مع أن ینزل علی عیسیٰ علیہ السلام وحی فانہ لیس دلیل قاطع علی أنہ لاینزل الوحی بعد نبیناﷺ . (مقدمۃ الھدایۃ: ۳/۶)۔ واللّٰہ

سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم زکریا، ج: ۱، ص: ۱۰۷ تا ۱۱۰، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



رفع عیسیٰ وظہور مہدی علی نبینا وعلیہما السلام کے دلائل

﴿سوال﴾:

(۱): ثابت کرو کہ عیسیٰ علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے ہیں اور وہ واپس آئیں گے۔

(۲): ثابت کرو کہ امام مہدی علیہ السلام اہل بیت سے ہوں گے اور مدینہ منورہ یا کسی اور ملک میں پیدا ہوں گے۔

(۳): وہ کہتے ہیں کہ خر دجال آچکا اگر نہیں آیا تو ثابت کرو کہ پندرہویں صدی میں آئے گا، وہ کہتے ہیں کہ چودہویں صدی آخری ہے اس کے بعد قیامت ہے۔ اسی صدی میں جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

اب آپ برائے مہربانی ہمیں تو ان سوالات کا جواب بمع ثبوت یعنی مکمل صفحہ، جلد، نام، حدیث وغیرہ لکھیں جس پر وہ اعتراض نہ کرسکیں۔ اور ہمیں بھی تسلی ہو اور ان کو بھی جواب دینے کے قابل رہ جائیں، ہم نے بہت سے علماء صاحبان کے پاس خطوط لکھے بلکہ دیوبند تک لکھے مگر کسی نے تسلی بخش جواب نہ دیا کسی نے مرزا صاحب کا حوالہ دے کر، کسی نے کچھ، کسی نے گالیاں دے کر ٹال دیا، جس کی وجہ سے ہمارا دل بہت گھبرایا ہوا ہے کیوں کہ کسی طرف سے تسلی بخش جواب نہیں پایا، اور نہ ہمارے پاس اتنا وقت ہے کہ کسی عالم کے پاس جائیں، آپ خدا کے واسطے مکمل جواب لکھ کر ہمارے دل کو یقین دلائیں کہ ہمارا مذہب سچا ہے حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

الجواب:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اٹھایا جانا آسمان پر، قرآن مجید اور حدیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ دلائل تو بہت ہیں مگر یہاں بوجہ تنگی وقت کے صرف ایک دو تحریر کیے جاتے ہیں:

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا.

اس آیت میں یہود کا قول نقل فرما کر اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے، یہود کہتے تھے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، انہوں نے نہ تو عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا اور نہ اس کو سولی پر چڑھایا، حقیقت میں ان کو شبہ پڑ گیا اور جو لوگ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں سب شک وشبہ میں مبتلا ہیں، یقیناً عیسیٰ علیہ السلام کو کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے۔ [اس کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالینا کیا مشکل ہے] اور حکمت والا ہے [اس کے کاموں میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں اگرچہ کوتاہ نظر نہ سمجھ سکیں]۔

اس سے مرزائیوں کے تمام شبہات زائل ہو گئے، مرزائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر کیوں گیا کیا کرتا ہے، کیا کھاتا ہے وغیرہ وغیرہ شبہات پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جواب دیا، ''وكان الله عزيزا حكيما''. اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے، اس کی حکمت نے یہی چاہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالے۔ پھر قیامت کے قریب زمین پر اتار دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے چاہا تو آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا، کیا اس پر بھی کوئی جاہل اعتراض کر سکتا ہے کہ آدم علیہ السلام

جنت میں ہوتے تو اچھا تھا کیوں ان کو زمین کی طرف بھیج دیا، مسلمان کا کام یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اسے قبول کرلے، منافق کا کام ہے حجت بازی کرنا۔ لہٰذا یہ شبہات فضول ہیں جب بھی کوئی مرزائی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق شبہہ پیش کرے تو فوراً یہی آیت پڑھیں "**وکان اللّٰہ عزیزا حکیما**". کہ اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے، اس کی مرضی وہ مختار ہے، عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا کوئی اس پر کیا اعتراض کرسکتا ہے۔

تفسیر روح المعانی میں اس آیت کے ماتحت لکھا ہے "**وھو حی فی السماء**" حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں، تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں، صرف مرزا غلام احمد قادیانی نے آکر فتنہ برپا کیا اور یہ صرف اس لئے کہ "میں عیسیٰ بنوں" برائے حلوا خوردن روئے باید۔

(۲): ابوداؤد حدیث کی کتاب ہے۔ اور صحاحِ ستہ میں داخل ہے انہوں نے ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کا نام ہے "باب ذکر المھدی" اس میں مندرجہ ذیل حدیثیں درج ہیں:

(۱): حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا کا ایک دن بھی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس دن لمبا کردیں گے یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو کھڑا کریں گے جس کا نام میرے نام کے، اور اس کے والد کا نام، میرے والد کے نام کے موافق ہوگا، وہ شخص دنیا کو انصاف وعدل سے بھر دے گا، جیسا کہ اس کے آنے سے پہلے ظلم سے بھری ہوئی تھی، [اب دیکھئے کہ مرزا اور اس کے باپ کا نام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام کے مخالف ہے اور مرزا کے آنے سے دنیا میں ظلم وستم زیادہ ہوگیا]۔

(۲): دوسری روایت ابوداؤد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ مہدی میری اولاد سے ہوگا اور فاطمہ [رضی اللہ تعالیٰ عنہا] کی نسل سے ہوگا۔ [مرزا تو مغل تھا یا پٹھان یا کوئی اور قوم

ہوگی سید اور فاطمہؓ کی اولاد سے ہرگز نہیں] اور بھی بہت سی روایتیں اور حدیثیں ہیں، بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے مقامی علماء سے مدد حاصل کریں ورنہ ہماری طرف لکھیں۔ ان شاء اللہ ان کے سب سوالوں کا جواب تسلی بخش دیا جائے گا۔

مرزائی جھوٹ بولتے ہیں کہ چودھویں صدی کے بعد قیامت ہے، قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا، نہ معلوم کہ دنیا کی عمر کتنی باقی ہے؟ عیسیٰ علیہ السلام ضرور تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔

اور حضرت مہدی علیہ السلام مدینہ شریف سے روانہ ہوں گے اور مکہ شریف تشریف لائیں گے تو سب لوگ مکہ والے اور دوسرے مسلمان حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کرینگے یہ بیعت بیت اللہ شریف کے میدان میں مقام ابراہیم کے قریب ہوگی۔
[ابوداؤد شریف]

مرزا کو تو ساری عمر حج نصیب نہیں ہوا، نہ مدینہ دیکھا نہ مکہ دیکھا، خدا تعالیٰ نے اپنے مقدس مقامات میں اسے گھسنے ہی نہیں دیا۔

بہرحال آپ کو جو شبہہ ہو ہماری طرف تحریر فرمائیں ہم وہ جواب دیں گے جو مرزائیوں کے لئے منہ توڑ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (خیر الفتاوی، ج:۱،ص:۱۷تا۲۳، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



ظہور امام مہدیؓ اور نزول عیسیٰ کے بارے میں فتویٰ

﴿سوال﴾:

جناب مفتی صاحب دوبارہ ظہور امام مہدیؓ ونزول حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام حسب ذیل مسائل کے بارے میں اہل سنت والجماعۃ کے صحیح عقائد سے آگاہ فرمادیں۔

(۱): کیا امام مہدیؓ آخر زمان حضرت حسینؓ کی اولاد سے ہوں گے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں؟ احادیث نبویہ کی روشنی میں حضرت مہدیؓ کے امام حسینؓ یا امام حسنؓ کی اولاد میں سے ہونا بیان فرمادیں۔

(۲): حضرت مہدیؓ کب اور کہاں پیدا ہوں گے ان کا اسم مبارک اور ان کے والدین کے اسم مبارک ان کے بارہ میں آواز غیب اور جامع حالات مہدیؓ وحضرت عیسیٰ علیہ السلام تحریر فرمادیں۔

(۳): نازل ہونے والے حضرت عیسیٰؑ سے عیسیٰ بن مریم مراد ہیں یا کوئی اور عیسیٰ؟ کیوں کہ آج کل کئی مسیح موعود بنے ہوئے ہیں لا مذہب حضرات یہ کہتے ہیں کہ احادیث متعلقہ مہدیؓ ونزول عیسیٰؑ جو سنی حضرات بیان کرتے ہیں وہ موضوع اور ضعیف ہیں بلکہ اعلیٰ مہدی ابن حسن عسکری یا مرزا غلام احمد قادیانی ہے؟ جواب سے مطلع فرمادیں۔

﴿الجواب﴾:

(۱): حضرت مہدیؓ کا فاطمی اور خانودہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سے ہونا احادیث قویہ صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے اکثر روایات میں حضرت مہدیؓ کے بارہ میں ’’رجل من اھل بیتی‘‘ (یعنی میرے خاندان اہل بیت میں سے ہوگا) اور من عترتی (میری اولاد میں سے) کے الفاظ موجود ہیں ترمذی شریف ج دوم ص ۴۶ میں متعدد روایات میں جنہیں امام ترمذیؒ نے حدیث حسن صحیح کہا ہے نیز ابوداؤد کی روایت میں ہے:’’ عن ام سلمۃؓ قالت

سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم" حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ "یقول المهدی من عترتی من اولاد فاطمةؓ". مشکاۃ جلد۴ بروایت ابوداؤد شریف فرماتے ہیں کہ حضرت مہدیؓ سید اور فاطمہ الزہراءؓ کے اولاد میں سے ہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات شرح مشکاۃ میں تحریر فرمایا کہ اس بارہ میں متعدد روایات وارد ہوئے ہیں وہ معنی حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں رہی یہ بات حضرت مہدی علیہ السلام والدہ اور والد ماجد دونوں جانبوں سے نجیب الطرفین سید ہوں گے والدین ایک سلسلہ حضرت امام حسنؓ اور ایک حضرت حسینؓ سے ہوگا جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی ہیثمیؒ نے بھی یہی تصریح فرمائی ہے۔

(جواب سوال دوم حضرت مہدی کے اجمالی حالات) حضرت مہدیؓ کے علامات ظہوران کے حالات شکل وشباہت اور شمائل اور عادات احادیث نبویہ میں مفصلاً مذکور ہیں حضرت شاہ رفیع الدین "دہلویؒ" علامات قیامت کے ضمن میں ان چیزوں کو بھی مفصل اور یکجا جمع کیا ہے اس رسالہ کی بنیاد آیات قرآنیہ اور مستند احادیث نبویہ پر ہے، یہاں ان کے رسالہ علامات قیامت سے اجمالاً مختصر حالات نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت امام مہدیؓ کے ظہور کی علامت یہ ہوگی کہ اس سے قبل ماہ رمضان چاند اور سورج گرہن لگ چکے گا اور بیعت کے وقت آسمان سے نداء آئے گی "هذا خلفية اللّٰه مهدی فاستمعوا له واطیعوا" یہ خدا کا خلیفہ مہدیؓ ہے اس کا حکم سنو اور مانو اس آواز کو اس جگہ تمام خاص دوام سن پنگے حضرت امام سید اور اولاد فاطمہ کے ہونے کے آپ کا قد وقامت سے لمبا بدن حیرت رنگ کھلا ہوا اور چہرہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشابہہ ہوگا نیز آپ کے اخلاق پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ سے مشابہت رکھتے ہونگے آپ کا اسم شریف محمد والدہ صاحبہ کا نام آمنہ ہوگا، زبان میں قدرے لکنت ہوگی جس کی وجہ سے تنگدل ہوکر کبھی کبھی ران پر ہاتھ مارتے ہوں گے آپ کا علم لدنی (خداداد ہوگا) بیعت کے وقت عمر چالیس [۴۰] سال کی ہوگی خلافت کے مشہور ہونے پر مدینہ کی فوجیں آپ کے پاس مکہ معظمہ چلی

آئے گی شام عراق اور یمن کے اولیاء کرام وابدال عظام آپ کی مصاحبت میں اور ملک عرب کے بے انتہاء آدمی آپ کی افواج میں داخل ہو جائیں گے اور اس خزانہ کو جو کعبہ میں مدفون ہے جس کو تاج الکعبۃ کہتے ہیں نکال کر آسمان پر تقسیم فرمائیں گے [آگے مفصل حالات میں یہاں تک کہ دجال کے دمشق پہنچنے سے قبل] حضرت امام مہدی علیہ السلام دمشق آچکے ہوں گے اور جنگ کی پوری تیاری اور ترتیب فوج کر چکے ہوں گے اور اسباب حرب وضرب تقسیم کر چکے ہوں گے کہ مؤذن عصر کی اذان دے گا لوگ نماز کی تیاری میں ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کاندھوں پر تکیہ کیے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کی شرقی منارے سے جلوہ افروز ہو کر آواز دیں گے کہ سلم [سیڑھی لے آؤ] میں سیڑھی حاضر کی جائے گی آپ اس کے ذریعہ سے فروش ہو کر حضرت امام مہدیؓ سے ملاقات فرمادیں گے امام مہدیؓ نہایت تواضع اور خوش خلقی کے ساتھ پیش آئیں گے [صحیح مسلم وغیرہ] اور فرمائیں گے یا نبی اللہ امامت کیجیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرمائیں گے کہ امامت تم میں کرو کیوں کہ تمہارے بعض بعض کے لیے امام ہیں اور یہ عزت اسی امت کو خدا نے دی ہے پس امام مہدیؓ نماز پڑھائیں گے حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ اقتداء کریں گے (اس کے بعد دونوں اکٹھے رہ کر دجال کا مقابلہ کفر وضلالت استیصال کریں گے) تمام زمین امام مہدیؓ کے عدل وانصاف کے چمکاروں سے منور وروشن ہو جائے گی ظلم بے انصافی کی بیخ کنی ہوگی آپ کی عمر ۴۹ سال ہوگی بعد ازاں حضرت امام مہدیؓ کا وصال ہو جائے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی جنازے کی نماز پڑھا کر دفن فرمائیں گے اس کے بعد تمام چھوٹے بڑے انتظامات حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ آجائیں گے دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیام چالیس ۴۰ سال رہے گا [یہ تمام حالات صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں مذکور ہے تفصیل کے لیے شاہ رفیع الدینؒ "کتاب علامات قیامت" دیکھیے واللہ اعلم۔

جواب سوال نمبر ۳: اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ قیامت سے قبل عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے قرآن کے بے شمار نصوص قطعیہ سے یہ عقیدہ ثابت

ہے اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارہ میں اس کثرت احادیث وارد ہوئی ہیں کہ علماء نے اسے مستقل کتابوں میں جمع کیا ہے۔

حضرت علامۃ العصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے اس موضوع پر عقیدہ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام اور التصریح بما تواتر فی نزول المسیح [مرتبہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب] میں حیات مسیح ونزول عیسیٰ علیہ السلام کو محققانہ انداز سے ثابت کیا ہے کہ تمام روایات متعددہ اور احادیث معنیً تواتر کے حد تک پہنچ گئی ہیں رہا یہ کہ عیسیٰ ابن مریمؑ ہیں کیا کوئی اور عیسیٰ تو اس بارہ میں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث نزول عیسیٰ میں صرف ابن مریم کہہ کر ان دجالین اور کذابین کی جڑ کاٹ دی ہے عیسیٰ کا لفظ اکثر روایات میں ذکر ہی نہیں تاکہ کل کوئی دجال اس نام سے غلط فائدہ نہ لے سکے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور حدیث ہے۔

قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتی لایقبلہ احد حتی لایقبلہ احد. (حدیث حسن صحیح مشکاۃ صفحہ ۴۷۹ بحوالہ مسلم ترمذی جلد ۲ ص: ۴۶)

فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قسم رب کی قریب ہے کہ مریم کا بیٹا تم میں اتریں جو عادل ومنصف فیصلہ کرنے والے ہیں صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر کے کفار سے جزیہ نہ قبول کرنے کے احکام صادر کریں گے مال ودولت کی اتنی فراوانی ہو جائے گی کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔

بخاری شریف کی دوسری حدیث میں ہے:

قال کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم. (متفق علیه بحواله مشکاة شریف ص: ۴۸۰)

اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور تمہارے امام (مہدی) تم ہی میں سے ہوں گے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے:

قال فینزل عیسیٰ بن مریم. (مشکاة بحواله مسلم شریف)

فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ پھر عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے:

قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم ینزل عیسیٰ بن مریم الی الارض فیتزوج ویولد له ویمکث خمساً واربعین سنة ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا و عیسیٰ بن مریم قبر واحد بین ابی بکرؓ وعمرؓ. (مشکاة باب نزول عیسیٰؑ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم زمین میں نازل ہوں گے شادی کریں گے اور ان کی اولاد بھی پیدا ہوگی اور ۴۵ سال تک ٹھہریں گے پھر وفات پا کر میرے پہلو میں دفن ہوں گے پھر قیامت کے دن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکٹھے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے درمیان قبر سے اٹھیں گے۔

اس کے علاوہ کئی احادیث ہیں جن میں ابن مریم (مریم کے بیٹے) کی تصریح موجود

ہے اور نزول عیسیٰ بن مریم کے بارہ از اول تا آخر علامات بیان کئے گئے ہیں ان تمام حقائق کے ہوتے ہوئے اگر کوئی مسیح موعود یا مہدی آخر الزمان ہونے کا دعویٰ کرے یا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان کردہ علامات سے ہٹ کر کوئی شخص مہدی موعود یا نزول مسیح موعود یا دجال وغیرہ واقعات کے بارہ میں قیاس آرائیاں کرے تو اسے مجنون کی بڑے زیادہ وقعت نہیں دینی چاہئے۔

(۴): رہا امام بن حسن عسکری کا مہدی موعود ہونا اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس کی کوئی حقیقت نہیں شیعوں نے ابتدائے خروج مہدی کے بارہ میں از خود ائمہ عظام اہل بیت کو منسوب کرا کر قیاس آرائیاں کی ہیں جو ہمیشہ غلط ثابت ہوئی ہیں شیعہ کتب میں مذکور ہے کہ:

(۱): ائمہ نے ۷۰ھ میں خروج مہدی کا وعدہ کیا تھا مگر وہ پورا نہ ہوا۔ (نصیحۃ الشیعۃ ج:۲ بحوالہ مافی شرح کافی)

(۲): امام جعفر صادقؒ خود مہدی ہونے والے تھے مگر نہ ہوئے۔ (نصیحۃ الشیعۃ ج:۲ ص:۲۳۸ بحوالہ کتاب الغیبت للطوسی)

(۳): امام موسیٰ کاظمؒ نے خروج مہدی کے لیے ۲۰۰ھ مقرر کیا تھا وہ بھی پورا نہ ہوا۔ (ج:۲ ص:۲۳۸)

یہ روایات اور یہ خروج مہدی کے اوقات ائمہ کے نام پر شیعوں کی ارتداد سے روکنے کے لیے گڑے جاتے رہے کہ مہدی کا وقت مقرر ہے اور بہت جلد آنے والے ہیں چنانچہ حسب روایات کتب شیعہ خود امام باقرؒ نے ان کی تردید وتکذیب کی ہے اصول کافی کی روایت ہے:

عن الفضل بن یسار عن ابن جعفر علیه السلام قال قلت لهذا الامر وقت فقال كذب الوقانون كذب الوقانون كذب الوقانون. (نصیحة الشیعة ج: ۲، ص: ۲۳۸ بحواله

اصول کافی ص ۲۳۲)

فضل بن یسار امام باقرؒ سے روایت کرتا ہے کہ میں نے پوچھا کہ کیا اس امر (خروج مہدی) کے لیے کوئی وقت مقرر ہے امامؒ نے تین مرتبہ فرمایا کہ جھوٹ بولا تھا وقت مقرر کرنے والوں نے۔ [فقط واللہ تعالیٰ اعلم] (فتاوی حقانیہ، ج:۱، ص:۳۰۳ تا ۳۰۷، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)



رفع عیسیٰ علیہ السلام

﴿سوال﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق ایک مسلمان کا عقیدہ کیا یہ ہونا چاہئے کہ وہ زندہ مع جسم وروح آسمان پر اٹھالئے گئے یا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ ان کی روح اٹھائی گئی؟ یا وہ مع جسم وروح اٹھالئے گئے؟ ہم کہہ نہیں سکتے اس لئے کہ قرآن میں اس کی صراحت نہیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق یہود کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کو قتل کیا گیا ہے، سولی پر چڑھادیا گیا ہے، ان کی صرف روح اٹھالی گئی، نصاریٰ کا بھی بڑا فرقہ یہی کہتا ہے، قرآن کریم نے اس کی تردید کی ہے: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ الآیة (۷۹).

---

(۷۹): (سورة النساء: ۱۵۷، ۱۵۸)

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وقولهم انا قتلنا المسيح عيسىٰ بن مريم رسول الله، وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم. (سورة النساء: ۱۵۷)

وفي جامع البيان: فقال بعضهم: لما أحاطت اليهود به وبأصحابه، أحاطوا

روح مع جسم کے اٹھانے کے عقیدہ کو مودودی صاحب نے عقیدۂ باطل (الوہیت مسیح) کا موجب لکھا ہے، قادیانی نے بھی روح جسمانی کا انکار کیا ہے۔ علمائے حق نے قادیانی کی تردید میں کتابیں لکھی ہیں، چنانچہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب " **التصریح بما تواتر فی نزول المسیح**" میں تفصیلی دلائل موجود ہیں۔

قرآن کریم میں اس کی بھی صراحت نہیں کہ نماز فجر کی دو رکعت ہیں، ظہر، عشاء کی چار رکعت ہیں، مغرب کی تین رکعت ہیں، ان رکعت کا انکار وہی کرسکتا ہے جو قرآن کریم کو بلاواسطۂ احادیث سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، مودودی صاحب کا رجحان یہی ہے، پھر جو کچھ سمجھتے ہیں اس کی تائید میں کبھی حدیث کو پیش کرتے ہیں اور کبھی حدیث کی تردید کرتے ہیں، غرض اپنا فہم ان کے نزدیک اصل ہے، اسی کی تلقین اپنی کتب میں متفرق جگہ کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ، ج:۱، ص: ۴۳۰ تا ۴۳۲/ فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۴۸، ۲۴۹، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند)



حیات ورفع الی السماء پر اشکال کا جواب

﴿سـوال﴾:

اگر مسیح زندہ آسمان پر بلا ایذا یہود چلا گیا تو وہ مسیح کا ہمشکل جو مصلوب ہوا تھا اس کی نعش کدھر گئی۔ اور اگر وہ مصلوب کوئی اور تھا تو حواریوں کو اس کے چرانے کی کیا ضرورت تھی؟

بهم، وهم لايثبتون معرفة عيسىٰ بعينه، وذلك أنهم جميعا حولوا في صورة عيسىٰ، فأشكل على الذين كانوا يريدون قتل عيسىٰ ابن مريم، عيسىٰ من غيره منهم، وخرج اليهم بعض من كان في البيت مع عيسىٰ، فقتلوه وهم يحسبونه عيسىٰ. (جامع البيان عن تأويل آي القرآن، سورة النساء، الاية: ١٥٧، ج: ٧، ص: ٦٥٠)

﴿جواب﴾:
بحکم آنکہ دروغ گوراحافظہ نہ باشد۔ پہلا الزام جو پیر صاحب پر لگایا تھا۔ یعنی اتباع قول عیسائیاں جلدی خیال سے جاتا رہا۔ اب فرمایئے یہ قول کس کا ہے اور صریح قول اللہ تعالیٰ کے مخالف ہے یا نہیں؟ دیکھو (وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَائِیْلَ عَنْکَ اِذْ جِئْتَھُمْ بِالْبَیِّنَاتِ) [مائدۃ: ۱۱۰] یعنی اے مسیح منجملہ ہماری نعمتوں کے ایک نعمت یہ بھی ہے تم پر کہ ہم نے بنی اسرائیل کو جب انہوں نے تیرے ایذا اور قتل کا ارادہ کیا روک دیا اور تم کو ان کی ایذا سے بچالیا۔ مسیح کا قبل الرفع ۳۳ سال کا ہونا یا ۱۲۰ یا ۱۵۰ کہیں قرآن میں مذکور نہیں ہم کو حواریوں سے کیا مطلب۔ آپ ہی چونکہ ان کے تابع ہیں ان سے دریافت فرمالیں۔ خیر تبرعاً ہم ہی سمجھا دیتے ہیں۔ جب حواریوں کو ابتداء میں صلیب پر چڑھانے کے وقت دھوکا لگا تو اپنے اسی زعم کے مطابق نعش مصلوب کو بھی قبر سے چرایا۔ [فتاویٰ مہریہ ص:۴۲]
(فتاویٰ ختم نبوت، ج:۱، ص:۱۶۳، ۱۶۴، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان)



حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کی وجہ

﴿سوال﴾:
کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرزائی الزاماً یہ سوال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر کیوں اٹھایا گیا؟ وہ وہاں کیا کر رہے ہیں، کیا کھاتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ آپ ان سوالات کے تسلی بخش جوابات عنایت فرمائیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کی حکمت کو اللہ تعالیٰ نے بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ وَکَانَ اللّٰهُ عَزِیْزاً حَکِیْماً﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں

آسمان پر اٹھالیا اور اس کی حکمتیں وہ خود بہتر طور پر جانتے ہیں۔ اس لئے ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں اٹھایا۔ وہ قادر مطلق ہیں اور اپنے کاموں کو بہتر طریقے سے جانتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے نہیں ہیں۔

لما فی روح المعانی (۱۲/۶): قال قتادة: رفع اللّٰہ تعالی عیسی علیه السلام الیه فکساہ الریش والبسه النور وقطع عنه لذة المطعم والمشرب فطار مع الملائکة فهو معهم حول العرش فصار انسیا ملکیا سماویا ارضیا.

وفی روح البیان (۴۲/۳): (انی متوفیک) عن الصفات النفسانیة والاوصاف الحیوانیة (ورافعک الی) بجذبات العنایة فمن لم یصر فانیا عما سوی اللّٰہ تعالی لایکون له وصول الی مقام معرفة اللّٰہ فعیسی لما رفع الی السماء صارت له حالة کحالة الملائکة فی زوال الشهوات والغضب والاخلاق الذمیمة. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۳۶،۲۳۷)



حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کس طرح پہچانا جائے گا؟

﴿سوال﴾:

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر جسم کے ساتھ موجود ہیں تو جب وہ اُتریں گے تو لازم ہے کہ ہر شخص ان کو اُترتے ہوئے دیکھ لے گا، اس طرح تو پھر انکار کی گنجائش ہی نہیں، اور سب لوگ ان پر ایمان لے آئیں گے۔

﴿جواب﴾:

جی ہاں! یہی ہوگا اور قرآن وحدیث نبوی میں یہی خبر دی گئی ہے، قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں ہے:

''اور نہیں کوئی اہل کتاب میں سے، مگر ضرور ایمان لائے گا اس کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن وہ ہوگا ان پر گواہ۔'' (النساء) (۸۰)۔

اور حدیث شریف میں ہے:

''اور میں سب لوگوں سے زیادہ قریب ہوں عیسیٰ بن مریم کے، کیونکہ میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا، پس جب تم اس کو دیکھو تو اس کو پہچان لینا۔ قد میانہ، رنگ سرخ وسفید، بال سیدھے، بوقتِ نزول ان کے سر سے گویا قطرے ٹپک رہے ہوں گے، خواہ ان کو تری نہ بھی پہنچی ہو، ہلکے رنگ کی دو زرد چادریں زیب تن ہوں گی، پس صیبب کو توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو بند کر دیں گے اور تمام مذہب کو معطل کر دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا تمام ملتوں کو ہلاک کر دیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں مسیح دجال کذاب کو ہلاک کر دیں گے۔ زمین میں امن وامان کا دور دورہ ہو جائے گا، یہاں تک کہ اونٹ شیروں کے ساتھ، چیتے گائے کے ساتھ اور بھڑیئے بکریوں کے ساتھ چریں گے اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے، ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، پس جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا زمین پر رہیں گے پھر ان کی وفات ہوگی، پس مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور انہیں دفن کریں گے''۔

(مسند احمد ج:۲ ص:۴۳۷، فتح الباری ج:۶ ص:۴۹۳، مطبوعہ لاہور۔

---

(۸۰):قال اللّٰہ تبارک وتعالی: وان من أهل الكتٰب الا ليؤمنن به قبل موته. ويوم القيامة يكون عليهم شهيدا. (سورة النساء: ۱۵۸، ۱۵۹)

التصریح بما تواتر فی نزول المسیح ص: ۱۶۱ واللفظ لہ)(۸۱)۔ (فتاوی ختم نبوت، ج:۱،ص:۱۰۳، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان/آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۲،ص:۱۷۷، ۱۷۸، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۸۱):عن أبی هريرة رضی اللّٰه تعالی عنه عن النبی ﷺ قال: الأنبياء اخوة لعلات دينهم واحد وأمهاتهم شتیٰ، وأنا أولی الناس بعيسیٰ ابن مريم لأنه لم يكن بينی وبينه نبی، وانه نازل فاذا رأيتموه فاعرفوه فانه رجل مربوع الی الحمرة والبياض سبط كأن رأسه يقطر وان لم يصبه بلل بين مصرتين فيكسر الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية ويعطل الملل حتی يهلک اللّٰه فی زمانه الملل كلها غير الاسلام ويهلک اللّٰه فی زمانه المسيح الدجال الكذاب وتقع الأمنة فی الأرض حتی ترتع الابل مع الأسد جميعاً والنمور مع البقر والذئاب مع الغنم ويلعب الصبيان والغلمان بالحيات لايضر بعضهم بعضاً فيمكث ما شاء اللّٰه أن يمكث ثم يتوفیٰ فيصلی عليه المسلمون ويدفنونه. (التصريح بما تواتر فی نزول المسيح، ص: ۱٦۱، ط، دار العلوم کراچی بحوالہ حاشیہ آپ کے مسائل)

وفی فتح الباری: وروی أحمد وأبو داؤد باسناد صحيح من طريق عبدالرحمٰن بن آدم عن أبی هريرةؓ مثله مرفوعاً. وفی هذا الحديث ينزل عيسیٰ عليه ثوبان ممصران فيدق الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية ويدعو الناس الی الاسلام، ويهلک اللّٰه فی زمانه الملل كلها الا الاسلام، وتقع الأمنة فی الأرض حتی ترتع الأسود مع الابل وتعلب الصبيان بالحيات۔ وقال فی آخره۔ ثم يتوفی ويصلی عليه المسلمون. (فتح الباری بشرح صحيح البخاری، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسیٰ ابن مريم عليه السلام، ج: ٦، ص: ٥٦٩)

مسیح موعود سے عیسیٰ بن مریم ہی مراد ہیں

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قیامت کے قریب نازل ہونے والے مسیح موعود سے عیسی ابن مریم مراد ہیں یا کوئی اور عیسیٰ و مسیح؟ کیونکہ آجکل کئی مسیح موعود بنے پھرتے ہیں، مخالفین کہتے ہیں کہ احادیث متعلقہ مہدی وعیسیٰ جو سنی حضرات بیان کرتے ہیں وہ سب موضوع اور ضعیف ہیں۔ ایسے عقیدہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

﴿الجواب﴾:

اہل سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں اور قیامت سے قبل آسمانوں سے نزول فرمائیں گے، قرآن پاک کے کثیر نصوص قطعیہ سے یہ عقیدہ ثابت ہے، اس میں ذرہ بھر شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اس کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں کہ جن کو جمع کر کے علماء کرام نے کئی مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

حضرت علامۃ العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر عقیدۃ الاسلام فی نزول عیسیٰ علیہ لسلام، اور التصریح بما تواتر فی نزول المسیح مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ان حضرات نے اور اسی طرح دیگر علماء محققین نے حیات مسیح اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کو محققانہ انداز میں بیان فرمایا ہے کہ تمام روایات معنی تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ رہا یہ کہ مسیح موعود سے مراد عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام ہیں یا کوئی اور عیسیٰ و مسیح مراد ہے؟ تو اس بارہ میں خود امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث نزول عیسیٰ میں صرف حضرت ابن مریمؑ کا تعین فرما دیا ہے (۸۲) کہ بعد میں

---

(۸۲): عن أبي هريرةؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: والذی نفسی بیده لیوشکن أن ینزل فیکم ابن مریم، حکماً عدلاً، فیکسر الصلیب، ویقتل الخنزیر، ویضع

آنے والا کوئی کذاب یہ دعویٰ نہ کرسکے کہ میں وہی مسیح موعود ہوں جس کی پیشین گوئی قرآن وحدیث میں پائی جاتی ہے۔اگرچہ روایات میں عیسیٰ کا لفظ کا ذکر ہی نہیں تا کہ کل کوکوئی دجّال اس سے غلط فائدہ نہ اٹھائے بلکہ زیادہ تر روایات میں ابن مریم (مریم کے بیٹے) کی تصریح موجود ہے اورنزول ابن مریم علیہ السلام کے بارہ میں ازاول تا آخر علامات بیان کی گئی ہیں، ان تمام حقائق کے ہوتے ہوئے اگرکوئی کذّاب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرے گا یا نبی کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم کی بیان کردہ علامات سے ہٹ کرمہدی موعود یا نزول عیسیٰ یا دجّال وغیرہ واقعات کے بارہ میں قیاس آرائیاں کرے گا تو ایسے شخص کا عقیدہ قرآنی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے بلکہ قرآن پاک کی نصوص قطعیہ سے متصادم ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالی: وَقَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ‌ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰـكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ‌ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ‌ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ‌ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۙ‏ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا. (سورة النساء آیت ۱۵۸)

الجزية، ويقبض المال حتى لايقبله أحد، حتى تكون السجدة الواحدة خيراً من الدنيا وما فيها. ثم يقول أبوهريرةؓ: فاقرؤوا ان شئتم ﴿وان من أهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته﴾ الآية. متفق عليه.

وعنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: واللّٰه لينزلن ابن مريم حكماً عادلاً، فليكسرن الصليب وليقتلن الخنزير، وليضعن الجزية، وليتركن القلاص، فلايسعى عليها، ولتذهبن الشحناء والتباغض والتحاسد، وليدعون الى المال فلايقبله أحد. رواه مسلم. وفي رواية لهما قال: كيف أنتم اذا نزل ابن مريم فيكم، وامامكم منكم؟. (مشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب نزول عيسىٰ عليه السلام، ص: ۴۷۹، ۴۸۰، ط، قديمى كتب خانه كراچى)

وقال الامام فخر الدين الرازیؒ: (تحت هذه الاية) رفع عيسىٰ عليه السلام الى السماء ثابت بهذه الاية ونظير هذه الآية. قوله تعالى فى ال عمران انى متوفيك و رافعك الى ومطهرك من الذين كفروا. (فتاوى حقانيه، ج: ١، ص: ٢٤٦، ٢٤٧، ط، مكتبه سيد احمد شهيد اكوڑه خٹك)



مسیح موعود کی پہچان

﴿سوال﴾:

اس رسالہ (مسیح موعود کی پہچان۔ از حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ) کے مطالعہ سے ابتداء ہی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بن باپ کی پیدائش سے لے کر واقعہ صلیب کے انجام تک جس قدر بھی علامات یا دوسری متعلقہ ظاہری نشانیاں اور باتیں بیان کی گئی ہیں وہ اس وجود کے متعلق ہیں جسے مسیح علیہ السلام، عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور مسیح ناصری کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے اور ابھی جبکہ رسالہ مذکورہ کے مصنف کے خیال کے مطابق مسیح موعود یا مہدی موعود وغیرہ کا نزول نہیں ہوا (بلکہ انتظار ہی ہے) تب بھی پوری دنیا اس مسیح کے نام اور کام اور واقعات سے بخوبی واقف ہے۔ یہ نشانیاں تو اس قوم نے آج کے لوگوں سے زیادہ دیکھی تھی (محض سنی اور پڑھی ہی نہیں تھیں) جن کی طرف وہ نازل ہوا تھا، تب بھی اس قوم نے جو سلوک اس کے ساتھ کیا، کیا وہ دنیا سے چھپا ہوا ہے، اس وقت بھی اس قوم نے اسے اللہ تعالیٰ کا نبی ماننے سے انکار کر دیا تھا اب اگر وہ (یا کوئی) آ کر کہنے لگے کہ میں وہی ہوں جو بن باپ پیدا ہوا تھا، میری ماں مریم تھی اور میں پنگوڑے میں باتیں کیا کرتا تھا اور مردے زندہ کیا کرتا تھا۔ چڑیاں بنا کر ان میں روح پھونکا کرتا تھا، اندھوں کو بینائی بخشا تھا اور جذام کے مریض تندرست کر دیا کرتا تھا وغیرہ وغیرہ تو اب بھی موجودہ تمام اقوام کو کیونکر

یقین آسکے گا کہ واقعی پہلے بھی یہ ایسا کرتا رہا ہوگا اور یہ یقیناً وہی شخص ہے اور جو پہلی بار نازل ہوا تو محض بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے آیا تھا اور جب مقامی لوگوں نے دل وجان سے قبول نہ کیا تو گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں اتنے سفر اختیار کیے کہ ''مسیح'' کے لقب سے پکارا جانے لگا لیکن اب جبکہ وہ دوسری بار نازل ہوگا تو ایک سراپا قیامت بن کر آئے گا جیسا کہ رسالہ ہذا سے ظاہر ہے۔ مثلاً ملاحظہ فرمائیں۔

''جس کسی کافر پر آپ کے سانس کی ہوا پہنچ جائے گی وہ مرجائے گا''۔ (ص ۱۸ علامت ۶۴)

''سانس کی ہوا اتنی دور تک پہنچے گی جہاں تک آپ کی نظر جائے گی''۔ (ص ۱۸ علامت ۶۵)

﴿جواب﴾:

اس سوال کا جواب کئی طرح دیا جاسکتا ہے۔

(۱): مرزا قادیانی پر مسیح موعود کی ایک علامت بھی صادق نہیں آئی۔ مگر قادیانیوں کو دعویٰ ہے کہ انہوں نے مسیح موعود کو پہچان لیا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن پر قرآن وحدیث کی دوصد علامات صادق آئیں گی ان کی پہچان اہل حق کو کیوں نہ ہوسکے گی؟

(۲): یہود نے پہچاننے کے باوجود نہیں مانا تھا اور یہود اور ان کے بھائی (مرزائی) آئندہ بھی نہیں مانیں گے، نہ ماننے کے لیے آمادہ ہیں۔ اہل حق نے اس وقت بھی ان کو پہچان اور مان لیا تھا اور آئندہ بھی ان کو پہچاننے اور ماننے میں کوئی وقت پیش نہیں آئے گی۔

(۳): سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا جو خاکہ ارشادات نبویہ میں بیان کیا گیا ہے اگر وہ معترض کے پیش نظر ہوتا تو اسے یہ سوال کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی۔ فرمایا گیا ہے کہ مسلمان دجال کی فوج محاصرے میں ہوں گے نماز فجر کے وقت یکا یک عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، اس وقت کا آپ کا پورا حلیہ اور نقشہ بھی آپ ﷺ نے بیان فرمادیا ہے۔ ایسے

وقت میں جب ٹھیک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ نقشہ کے مطابق وہ نازل ہوں گے تو ان کو بالبداہت اسی طرح پہچان لیا جائے گا جس طرح اپنا جانا پہچانا آدمی سفر سے واپس آئے تو اس کے پہچاننے میں دقت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی حدیث میں یہ نہیں آتا کہ وہ نازل ہونے کے بعد اپنی مسیحیت کے اشتہار چھپوائیں گے، یا لوگوں سے اس موضوع پر مباحثے اور مباہلے کرتے پھریں گے۔[آپ کے مسائل اوران کا حل ج ا ص ۲۱۸ تا ۲۲۰] (فتاوی ختم نبوت، ج:۱،ص:۹۹ تا ۱۰۲، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان)



عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کا عقیدہ

﴿ســوال﴾:

مرزائیوں نے کتابیں چھپوا کر بستی میں تقسیم کی ہیں جس میں انھوں نے قرآن کی آیات سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے شہید کیا ہے۔ کچھ مسلمان اس عقیدے کی طرف رجوع بھی ہو گئے تو ان مسلمانوں کو مرتد خارج از اسلام اور کافر سمجھا جائے یا ضعیف الایمان مسلمان؟ بینوتو جروا

﴿الجواب باسم ملهم الصواب﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ [الصلاۃ و] السلام کی شہادت کا عقیدہ رکھنے والے خارج از اسلام اور بلا شبہ کافر ہیں اس لئے کہ نص قرآن سے ثابت ہے کہ کوئی حضرت عیسیٰ علیہ [الصلاۃ و] السلام کو شہید نہیں کر سکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا۔

قال اللّٰہ تعالی: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا.

جب تک یہ لوگ توبہ استغفار کر کے تجدید ایمان نہ کریں ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جیسا کہ قادیانی ودیگر مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ انکے ساتھ ہر قسم کا تعلق وکاروبار وغیرہ ناجائز ہے۔علاوہ ازیں مرتد کا حالت ارتداد میں کمایا ہوا مال اس کے وارثوں کو نہیں مل سکتا بلکہ مسلمانوں کا حق ہے اسلئے بیت المال کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔ نیز مرتد کے تصرفات نکاح،شرکت مفاوضہ، ولایۃ علی الولد الصغیر، ہبہ، اجارہ،قبض دین وغیرہ نافذ نہیں ہوتے اور احد الزوجین کے ارتداد سے نکاح باطل ہو جاتا ہے۔

قال فی لتنویرو یبطل منه النكاح والذ بيحة والصيد والشهادة والارث ويتوقف منه المفاوضة والتصرف على ولده الصغير والمبايعة والعتق والتدبير والكتابة والهبة والاجارة والوصية ان اسلم نفذ وان هلك اولحق بدار الحرب وحكم بطل. (ردالمحتار ص ۳۱۱ ج ۳) **(۸۳) فقط والله تعالى اعلم.** (احسن الفتاوی، ج: ۱، ص: ۴۷، ط، ایم ایچ سعید کراچی)



حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مشن کیا ہوگا؟

﴿ســوال﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے کا مقصد کیا ہے اوران کا مشن کیا ہوگا؟ جبکہ دین اسلام اللہ تعالیٰ کا مکمل اور پسندیدہ ہے۔ظاہر ہے کہ ان کی آمد عیسائیوں کی اصلاح کے لئے ہوسکتی ہے۔اگر اسلام کے لئے تسلیم کرلیا جائے تو ہمارے آخر الزمان نبی ﷺ

(۸۳):(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الجهاد، باب المرتد، قبیل مطلب المعصية تبقى بعد الردة، ج: ٦، ص: ٣٩٤تا ٣٩٦، ط، دار عالم الكتب رياض)

کے درجے میں ہوگی، برائے نوازش اخبار کے ذریعے میرے سوال کا جواب دے کر ایسے ذہنوں کو مطمئن کیجئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مشن کیا ہوگا؟

﴿جواب﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا مشن آنحضرت ﷺ نے خود پوری تفصیل ووضاحت سے ارشا فرمادیا ہے، اس سلسلے میں متعدد احادیث میں پہلے نقل کرچکا ہوں، یہاں صرف ایک حدیث پاک کا حوالہ دینا کافی ہے۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: انبیاء علاّتی بھائی ہیں، ان کی مائیں الگ ہیں مگران کا دین ایک ہے، اور میں عیسی بن مریم علیہ السلام سے سب سے زیادہ تعلق رکھنے والا ہوں، کیونکہ ان کے اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا اور وہ نازل ہونے والے ہیں، پس جب ان کو دیکھو تو پہچان لو۔

قامت میانہ، رنگ سرخ وسفیدی ملا ہوا، ہلکے زرد رنگ کی دوچادریں زیب تن کئے نازل ہوں گے۔ سرمبارک سے گویا قطرے ٹپک رہے ہیں، گو اس کو تری نہ پہنچی ہو، پس وہ نازل ہوکر صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ موقوف کردیں گے اور تمام لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے، پس اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں اسلام کے سوا تمام ملتوں کو ہلاک کردیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں مسیح دجال کو ہلاک کریں گے۔ روئے زمین پر امن وامان کا دور دورہ ہوجائے گا۔ شیر اونٹوں کے ساتھ، چیتے گائے بیلوں کے ساتھ اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چرتے پھریں گے۔ بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور وہ ان کو نقصان نہ دیں گے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام زمین میں چالیس برس ٹھہریں گے، پھر ان کی وفات ہوگی، مسلمان ان کی نماز پڑھیں گے اور ان کو دفن

کریں گے'' (مسند احمد ج:۲ص: ۴۰۶ واللفظ لہ، فتح الباری ج:۶ ص: ۴۵۷، التصریح بماتواتر فی نزول المسیح ص:۱۶۰)(۸۴)۔

اس ارشاد پاک سے ظاہر ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصل مشن یہود ونصاریٰ کی اصلاح اور یہودیت ونصرانیت کے آثار سے روئے زمین کو پاک کرنا ہے، مگر چونکہ یہ زمانہ خاتم الانبیاء ﷺ کی نبوت وبعثت کا ہے، اس لئے وہ امت محمدیہ کے ایک فرد بن کر آنحضرت ﷺ کے خادم اور خلیفہ کی حیثیت میں تشریف لائیں گے۔

چنانچہ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

''سن رکھو کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے اور میرے درمیان کوئی نبی اور رسول نہیں ہوا، سن رکھو کہ وہ میرے بعد میری امت میں میرے خلیفہ ہیں، سن رکھو کہ وہ دجال کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، جزیہ بند کردیں گے، لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے گی، سن رکھو جو شخص تم سے ان کو پائے ان سے میرا اسلام کہے''۔(مجمع الزوائد ج:۲ص: ۲۰۵، درمنثور

---

(۸۴):عن عبدالرحمٰن بن آدم، عن أبی هریرةؓ، أن النبی ﷺ، قال: الأنبیاء اخوة لعلات، أمهاتهم شتی، ودینهم واحد، وأنا أولی الناس بعیسیٰ ابن مریم لأنه لم یکن بینی وبینه نبی، وانه نازل، فاذا رأیتموه فاعرفوه رجلا مربوعا الی الحمرة والبیاض، علیه ثوبان ممصران، کأن راسه یقطر وان لم یصبه بلل، فیدق الصلیب، ویقتل الخنزیر، ویضع الجزیة ویدعوا الناس الی الاسلام، فیهلک اللّٰه فی زمانه الملل کلها الا الاسلام، ویهلک اللّٰه فی زمانه المسیح الدجال، وتقع الأمنة علی الأرض، حتی یرتع الأسود مع الأبل، والنمار مع البقر، والذئاب مع الغنم، ویلعب الصبیان بالحیات لاتضرهم، فیمکث أربعین سنة، ثم یتوفی ویصلی علیه المسلمون. أخرجه أحمد ۲/ ۴۰۶. (المسند الجامع، مسند أبی هریرةؓ، باب أشراط الساعة، ج: ۱۸، ص: ٤٣٤، ٤٣٥، رقم: ١٥٢٥٣، ط، رقم: دار الجیل بیروت لبنان)

ج:۲ص:۲۴۲)(۸۵)۔

اس لئے اسلام کی جو خدمت بھی وہ انجام دیں گے اوران کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم کی حیثیت سے امت محمدیہ میں آکر شامل ہونا ہمارے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں کمی کا باعث نہیں بلکہ آپ ﷺ کی سیادت وقیادت اور شرف ومنزلت کا شاہکار ہے، اسوقت دنیا دیکھ لے گی کہ واقعی تمام انبیاء گزشتہ (علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات) آنحضرت ﷺ کے مطیع ہیں، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

> ’’اللہ کی قسم! موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرے اطاعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا‘‘ (مشکوۃ شریف ص: ۳۰)(۸۶)۔(فتاوی ختم نبوت، ج:۱،ص:۱۳۲،۱۳۳، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان/آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۲، ص: ۱۷۸ تا ۱۸۰، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۸۵):عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ألا ان عیسی بن مریم لیس بینی وبینه نبی ولا رسول الله الا انه خلیفتی فی أمتی من بعدی، الا انه یقتل الدجال ویکسر الصلیب ویضع الجزیة وتضع الحرب أوزارها، ألا من ادرکه منکم فلیقرأ علیه السلام. (الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، ج: ۲، ص: ۲۴۲/ مجمع الزوائد، ج: ۲، ص: ۲۰۵)

(۸۶):وعن جابرؓ عن النبیﷺ حین أتاه عمر فقال: انا نسمع أحادیث من یهود بعجبنا، افتری أن نکتب بعضها؟ فقال أمتهوکون أنتم کما تهوکت الیهود والنصاری؟ لقد جئتکم بها بیضاء نقیة، ولو کان موسی حیاً ما وسعة الا أتباعی. رواه أحمد، والبیهقی فی کتاب شعب الایمان. (مشکاة المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی، ص: ۳۰، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی حقیقت

﴿سوال﴾:

حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام مردہ زندہ کرتے تھے اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کردیتے تھے آیا روحانی لحاظ سے ان کے گمرہ دلوں کو روشن کرکے راہ راست پر چلاتے تھے یا فی الواقع معذور کو آنکھیں دلا دیتے تھے اور روحانیت کے لحاظ سے مردے زندہ کرتے تھے آیا فی الواقع ؟

﴿الجواب﴾:

وہ فی الواقع ابرص واکمہ کو باذن اللہ اچھا کردیتے تھے اور مردوں کو زندہ کردیتے تھے جیسا کہ قرآن شریف میں مذکور ہے اور وہ آیات عام مفسرین کے نزدیک اپنے ظاہر پر محمول ہے اس میں کچھ تاویل کی ضرورت نہیں ہے(۸۷)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۱۸،ص:۲۴۴، ط،مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



---

(۸۷):قال اللہ تبارک وتعالی: ورسولاً الی بنی اسرائیل أنی قد جئتکم باٰیة من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئة الطیر فانفخ فیه فیکون طیراً باذن اللّٰه و ابرئ الاکمه والابرص واحی الموتیٰ باذن اللّٰه وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم ان فی ذٰلک لآیة لکم ان کنتم مؤمنین. (سورة ال عمران: ٤٩)

وفی تفسیر ابن کثیر: ﴿وأحیی الموتیٰ باذن اللّٰه﴾ قال کثیر من العلماء: بعث اللّٰه کل نبی من الأنبیاء بمعجزة تناسب أهل زمانه، فکان الغالب علی زمان موسی علیه السلام، السحر وتعظیم السحرة. فبعثه اللّٰه بمعجزة بهرت الأبصار وحیرت کل سحار، فلما استیقنوا أنها من عند العظیم الجبار انقادوا للاسلام، وصاروا من الأبرار. وأما عیسیٰ علیه السلام فبعث فی زمن الأطباء وأصحاب علم الطبیعة، فجاء هم من الآیات بما لا سبیل لأحد الیه، الا أن یکون مؤیداً من الذی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شادی کے بارے میں تحقیق

﴿سـوال﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب قیامت کے قریب نازل ہوں گے تو شادی کریں گے اور اولاد ہوگی، اور رسول اللہ ﷺ کے جوار میں دفن ہوں گے، یہ بات کسی روایت سے ثابت ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کا دنیا میں تشریف لانے کے بعد شادی کرنا اور اولاد ہونا، جوارِ نبوی میں دفن ہونا بعض روایات سے ثابت ہے اگر چہ روایات ضعیف ہیں۔

ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن عبد اللّٰه عمرو رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: ینزل عیسیٰ ابن مریم الی الأض فیتزوج ویولد له ویمکث خمساً وأربعین سنة ثم یموت فیدفن معی فی قبری، فأقوم أنا وعیسی ابن مریم فی واحد بین أبی بکر وعمر، رواه ابن الجوزی فی کتاب الوفاء. (مشکوٰة شریف: ٢/ ٤٨٠، باب نزول عیسی علیه السلام، قدیمی کتب خانه)

والحدیث: أخرجه ابن الجوزی (م ۵۹۷) فی ”العلل المتناهیة“ (١٥٢٩/٩١٥/٢) باسناده عن عبداللّٰه بن

شرع الشریعة. فمن أین للطبیب قدرة علی احیاء الجماد، أو علی مداواة الأکمة، والأبرص، وبعث من هو فی قبره رهین الی یوم التناد؟. (تفسیر ابن کثیر، سورة آل عمران، الآیة: ٤٩، ج: ٢، ص: ٤٥، ط، دار طیبة)

عمرو رضی اللّٰہ عنهما مرفوعاً، وقال: هذا حديث لايصح، والافريقي ضعيف بمرة. وكذا أورده في "المنتظم" (۲/۳۹)، وأيضاً في كتابه "الوفاء في حقوق المصطفى" (۲/۸۲٤)، وكذلك أورده الشيخ العلامة الشاه الكشميريؒ (م ۱۳۵۲ھ) في كتابه "التصريح بما تو اترفي نزول عيسى المسيح" (ص ۲٤۰، رقم ۵۸)، قال الشيخ عبد الفتاح في تعليقاته على "التصريح": "هذه رواية ضعيفة". وذكره الذهبي في "الميزان" في ترجمة عبد الرحمٰن بن زياد بن أنعم الافريقي، (۳/۲۷۵/٤۸٦٦۳) عن ابن أبي الدنيا، وقال: هذه مناكير غير محتملة، قال ابن قطان: من الناس من يوثق عبد الرحمٰن ويربأ به عن حضيض رد الرواية، لكن الحق فيه أنه ضعيف، وكان البخاري يقوى أمر، ولم يذكره في كتاب الضعفاء.

حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح مروی ہے۔
ملاحظہ ہو حافظ ابن حجرؒ (م۸۵۲ھ) فتح الباری میں ہے:

وروى نعيم بن حماد في "كتاب الفتن" من حديث ابن عباس رضي اللّٰه عنه أن عيسىٰ اذ ذاك يتزوج في الأرض ويقيم بها تسع عشرة سنة. (فتح الباري: ٦/ ٤۹۳/ ۳٤٤۹، باب نزول عيسى ابن مريم)

كذا نقل عنه العلامة الشيخ الكشميري في كتابه "التصريح بما تواتر في نزول عيسى المسيح" (ص ۲٤۵، رقم ٦۳)، وذكره العلامة العيني في "عمدة القاري". (۱۱/

۲۰۳/ ۳٤٤۹، باب نزول عیسی ابن مریم، ط: ملتان)

وروی نعیم بن حماد فی "کتاب الفتن" (۲/۵۷۸/۱٦۱٦، ط: القاهرة) باسناد واه، فقال: حدثنا یحی بن سعید العطار، عن سلیمان بن عیسی، قال: بلغنی أن عیسی ابن مریم اذا قتل الدجال، رجع الی بیت المقدس، فیتزوج الی قوم شعیب، ختن موسی، وهم جذام، فیولد له فیهم...... الخ.

یحیی بن سعید العطار: قال ابن لجوزی فی "الضعفاء" (۳/۱۹۵/ ۳۷۱۷): قال السعدی: منکر الحدیث. وقال ابن عدی: هو بین الضعف، وقال ابن حبان: یروی الموضوعات عن الأثبات، لایجوز الاحتجاج به.

وللا ستزادة انظر: (تهذیب الکمال للامام المزی (م ۷۳۲ھ) ۳۱/۳٤۵، ۳٤٦، مع تعلیق الدکتور بشار عواد)

سلیمان بن عیسیٰ: قال ابن الجوزی فی " الضعفاء" (۲/۲۳/۱۵۳۸): قال أبو حاتم الرازی: کان کذاباً، وقال السعدی: کان مصرح، وقال ابن عدی: یضع الحدیث.

علامہ عینیؒ (م۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

وعن یزید بن أبی حبیب: " یتزوج امرأة من الأزد لیعلم الناس أنه لیس باله" وقیل: یتزوج ویولد له ویمکث خمساً وأربعین سنة...... وفی حدیث عبد الله بن عمر رضی اللّٰه عنه: یمکث فی الأرض سبعاً، ویولد له ولدان: محمد وموسیٰ. (عمدة القاری: ۱۱/۲۰۳، ۲۰٤، باب نزول عیسی

ابن مریم، ط: ملتان). واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔(فتاوی دار العلوم زکریا، ج: ۱، ص: ۱۰۵ تا ۱۰۷، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں

﴿سوال﴾:

جیسا کہ احادیث وقرآن کی روشنی میں واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں، اب ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کون سے آسمان پر ہیں اور ان کے انسانی ضروریات کے تقاضے کیسے پورے ہوتے ہوں گے؟ مثلاً: کھانا پینا، سونا جاگنا اور اُنس واُلفت اور دیگر اشیائے ضرورت انسان کو کیسے ملتی گی؟ وضاحت کر کے مطمئن کریں۔

﴿جواب﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر زندہ اٹھایا جانا، اور قربِ قیامت میں دوبارہ زمین پر نازل ہونا اسلام کا قطعی عقیدہ ہے، جس پر قرآن وسنت کے قطعی دلائل قائم ہیں اور جس پر امت کا اجماع ہے(۸۸)۔ حدیث معراج میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حضرت

(۸۸): فی التصریح: وبه صرح الحافظ عماد الدین ابن کثیر حیث قال فی تفسیره... انه لعلم للساعة، وقد تواترت الأحادیث عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم أنه أخبر بنزول عیسیٰ علیه السلام قبل یوم القیامة اماماً عادلاً وحکماً مقسطاً، وصرح به فی تفسیر سورة النساء ایضاً، وذکر الحافظ ابن حجر فی کتابه (فتح الباری) تواتر نزول عیسیٰ علیه السلام عن أبی الحسین الآبری، وقال فی التلخیص الحبیر من کتاب الطلاق، وأما رفع عیسیٰ علیه السلام فاتفق أصحاب

عیسیٰ علیہ السلام سے دوسرے آسمان پر ملاقات ہوئی تھی (۸۹)۔آسمان پر مادّی غذا اور بول وبراز کی ضرورت پیش نہیں آتی جیسا کہ اہل جنت کو ضرورت پیش نہیں آئے گی (۹۰)۔

الأخبار والتفسير على أنه رفع ببدنه حياً...الخ. (التصريح بما تواتر فى نزول المسيح، ص: ۵۸تا ۶۲ بحواله حاشيه آپ کے مسائل)

وفى تفسير ابن كثير: قال مجاهد: ﴿وانه لعلم للساعة﴾ أى: آية للساعة خروج عيسىٰ ابن مريم قبل يوم القيامة. وهكذا روى عن أبى هريرة رضى الله عنه، وابن عباس، وأبى العالية، وأبى مالك، وعكرمة، والحسن، وقتادة، والضحاک، وغيرهم.

وقد تواترت الأحاديث عن رسول اللهﷺ، أنه أخبر بنزول عيسىٰ ابن مريم عليه السلام قبل يوم القيامة اماما عادلاً وحكماً مقسطاً. (تفسير ابن كثير، سورة الزخرف، الآية: ۶۱، ج: ۷، ص: ۲۳۶، ط، دار طيبة)

(۸۹):عن قتادة عن أنس بن مالک، عن مالک ابن صعصعة، أن نبى الله صلى الله تعالى عليه وسلم حدثهم عن ليلة أسرى به: بينما أنا فى الحطيم۔ وربما قال فى الحجر۔ مضطجعاً اذ أتانى آت، فشق ما بين هذه الى هذه يعنى من ثغرة نحره الى شعرته فاستخرج قلبى......فانطلق بى جبريل حتى أتى السماء الدنيا، فاستفتح....ثم صعد بى حتى أتى السماء الثانية، فاستفتح قيل: من هذا؟ قال جبريل. قيل: ومن معک؟ قال: محمد. قيل: وقد أرسل اليه؟ قال: نعم. قيل: مرحباً به، فنعم المجىء جاء، ففتح. فلما خلصت اذا يحيى وعيسى وهما ابنا خالة قال: هذا يحيى وهذا عيسىٰ فسلم عليهما، فسلمت فرداً، ثم قالا: مرحباً بالأخ الصالح والنبى الصالح...الخ. (مشكاة المصابيح، كتاب الفضائل والشمائل، باب فى المعراج، الفصل الأول، ص: ۵۲۷، ط، قديمى كتب خانه كراچى)

(۹۰): وعن جابرؓ قال قال رسول اللهﷺ: ان أهل الجنة يأكلون فيها ويشربون، ولايتفلون ولايبولون، ولايتغوطون، ولايمتخطون. قالوا: فما بال الطعام؟ قال: جشاء ورشح كرشح المسک، يلهمون التسبيح والتحميد كما تلهمون

(فتاوی ختم نبوت، ج:۱،ص:۱۲۹، ۱۳۰، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان/آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۲،ص:۱۸۰، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضرت عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر ہیں یا دوسرے آسمان پر؟

﴿سوال﴾:

عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر ہیں یا دوسرے آسمان پر؟ کسی حدیث میں اس کا ذکر بھی ہے؟

﴿جواب﴾:

دوسرے آسمان پر ہونا یہی صحیح ومعتبر ہے، لعات میں کہا کہ اصح یہی ترتیب ہے جو صحیحین میں ہے(۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج:۱۸،ص:۲۴۹، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند)



النفس. رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، كتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب صفة الجنة وأهلها، ص: ٤٩٦، ط، قديمی كتب خانه)

(۹۱):عن قتادة عن أنس بن مالك، عن مالك ابن صعصعة، أن نبي اللهﷺ حدثهم عن ليلة أسرى به: بينما أنا في الحطيم ـ وربما قال في الحجر ـ مضطجعاً اذ أتاني آت، فشق ما بين هذه الى هذه يعني من ثغرة نحره الى شعرته فاستخرج قلبي......فانطلق بي جبريل حتى أتى السماء الدنيا، فاستفتح....ثم صعد بي حتى أتى السماء الثانية، فاستفتح قيل: من هذا؟ قال جبريل. قيل: ومن معك؟ قال: محمد. قيل: وقد أرسل اليه؟ قال: نعم. قيل: مرحباً به، فنعم المجيء جاء، ففتح. فلما خلصت اذا يحيى وعيسى وهما ابنا خالة قال: هذا يحيى وهذا عيسىٰ فسلم عليهما، فسلمت فرداً، ثم قالا: مرحباً بالأخ الصالح والنبي الصالح...الخ. (مشكاة

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمانوں پر زکوٰۃ ونماز کی ادائیگی؟

﴿سوال﴾:

''دعوت'' میں حیاتِ مسیح پر ایک مسلسل مضمون کئی قسطوں میں آرہا ہے۔اس موضوع پر ایک شبہ وارد ہوتا ہے۔اس کا جواب ''دعوت'' میں ہی دے کر مشکور فرمائیں۔سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر قرآن کی رو سے ''**اوصانی بالصلاۃ والزکوۃ ما دمت حیا**'' کے مطابق ہر وقت جب تک وہ زندہ ہیں نماز اور زکاۃ فرض ہے۔اگر وہ اب آسمانوں میں زندہ ہیں تو وہاں نماز اور زکاۃ کیسے ادا کرتے ہوں گے اور وہ زکاۃ لیتا کون ہوگا۔اس کا جواب مطلوب ہے؟

﴿جواب﴾:

آپ پہلے اس آیت کے معنی سمجھ لیجئے جو آپ نے نقل کی ہے اس میں ان شاء اللہ العزیز تمام شبہات زائل ہوجائیں گے۔آیت اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔

المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فی المعراج، الفصل الأول، ص: ۵۲۷، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

وفی حاشیة المشکاة: ثم صعد بی الی السماء السابعة الی قوله فاذا ابراهیم هذا الترتیب الذی وقع فی هذا الحدیث هو اصح الروایات وارجحها وقد وقع فی بعض الروایات انه ای ابراهیم فی السماء السادسة أی موسی فی السابعة وفی روایة رای ادریس فی الثالثة وهارون فی الرابعة وفی اخری ادریس فی الخامسة ویوسف فی الثانیة ویحییٰ وعیسیٰ فی الثالثة وعلی تقدیر صحة الروایات یتعذر الجمع الا ان یقال بتعدد المعراج او یرجح بعض الروایات علی بعض والارجح هو روایة الجماعة کذا قال الشیخ. لمعات. (حاشیة مشکاة المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فی المعراج، الفصل الأول، ص: ۵۲۷، رقم الحاشیة: ۹، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

''وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلاَۃِ وَالزَّکوٰۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا''. (مریم ۳۱)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے نماز اور زکوۃ کا جب تک میں زندہ رہوں۔

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''یعنی جب تک زندہ رہوں، جس وقت اور جس جگہ مناسب جس قسم کی صلاۃ وزکاۃ کا حکم ہو اس کی شروط وحقوق کی رعایت کے ساتھ برابر ادا کرتا رہوں گا۔ جیسے دوسری جگہ مؤمنین کی نسبت فرمایا۔ ''اَلَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلاَتِهِمْ دَائِمُوْنَ'' اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر آن اور ہر وقت نماز پڑھتے رہتے ہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ جس وقت جس طرح کی نماز کا حکم ہو ہمیشہ پابندی سے تعمیل حکم کرتے ہیں اور اس کی برکات وانوار ہمہ وقت ان کو محیط رہتی ہیں۔ کوئی شخص کہے کہ ہم جب تک زندہ ہیں، نماز، زکاۃ، روزہ، حج وغیرہ کے مامور ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ ہر ایک مسلمان مامور ہے کہ ہر وقت نماز پڑھتا رہے، ہر وقت زکاۃ دیتا رہے، (خواہ نصاب کا مالک ہو یا نہ ہو) ہر وقت روزے رکھتا رہے، ہر وقت حج کرتا رہے، حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق بھی ''مادمت حیا'' کا ایسا ہی مطلب سمجھنا چاہئے۔ یاد رہے کہ لفظ ''صلاۃ'' کچھ اصطلاحی نماز کے ساتھ مخصوص نہیں۔ قرآن نے ملائکہ اور بشر سے گزر کر تمام جہان کی طرف صلاۃ کی نسبت کی ہے۔ ''اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرِ صَافَّاتٍ. کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ''. [نور ۴۱] اور یہ بھی بتلا دیا کہ ہر چیز کی تسبیح وصلاۃ کا حال اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کی صلاۃ کس رنگ کی ہے اسی طرح زکاۃ کے معنی بھی اصل میں طہارت، نماز، برکت، مدح کے ہیں جن میں سے ہر ایک معنی کا استعمال قرآن وحدیث میں اپنے اپنے موقع پر ہوا ہے۔ اسی رکوع میں حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت ''غُلاَماً زَکِیًّا'' کا لفظ گزر چکا جو زکاۃ سے مشتق ہے اور یحییٰ علیہ السلام کو فرمایا۔ [مریم ۱۳] ''وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکوٰۃً'' سورۂ

کہف ۸۱ میں ہے "خَیراً مِنهُ زَکوٰۃً وَّاَقرَبَ رُحمًا" اسی طرح کے عام معنی یہاں بھی زکوۃ کے کیے جاسکتے ہیں اور ممکن ہے۔ "اَوصَانِی بِالصَّلوٰۃِ وَالزَّکوٰۃِ" سے "اوصانی بان امر بالصلوٰۃ والزکوٰۃ" مراد ہو جیسے اسماعیل علیہ السلام کی نسبت فرمایا۔ "وکان یامر اھلہ بالصلوٰۃ والزکوٰۃ" پھر لفظ "اوصانی" اپنے مدلول لغوی کے اعتبار سے اس کو مقتضی نہیں کہ وقت ایصاء ہی سے اس پر عمل درآمد شروع ہو جائے۔ نیز بہت ممکن ہے کہ "مادمت حیا" سے یہ ہی زمینی حیات مراد لی جائے جیسے ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ جابرؓ کے والد کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کے بعد زندہ کر کے فرمایا کہ ہم سے کچھ مانگ، اس نے کہا مجھے دوبارہ زندہ کر دیجئے کہ دوبارہ تیرے راستہ میں قتل کیا جاؤں۔ اس زندگی سے یقیناً زمینی زندگی مراد ہے۔ ورنہ شہداء کے لیے نفس حیات کی قرآن میں اور خود اسی حدیث میں تصریح موجود ہے"۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ خالد محمود عفا اللہ عنہ۔ [عبقات ص: ۲۰۲، ۲۰۴]۔ (فتاوی ختم نبوت، ج:۱،ص: ۱۳۷، ۱۳۸، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان)

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں؟

﴿سوال﴾:

کیا قرآن کریم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا چوتھے آسمان پر مجسم اٹھایا جانا ثابت ہے اور پھر زمین پر اترنا؟ اگر یہ صحیح ہے تو وہ پھر آیت نقل فرمادیں۔

۲:... ہمارے یہاں مسلمانوں میں یہ جھگڑا چل رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات شدہ ہیں یا حیات، از روئے قرآن درست کیا ہے؟

۳:... زید کہتا ہے کہ توفی باب تفعل سے ہے اور اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور حضرت عیسیٰ ذی روح ہیں اور مفعول ہیں، ایسی صورت میں توفی کے معنی سوائے قبض روح کے اور کچھ نہیں ہوتے، اس کے خلاف قرآن سے کوئی مثال دیجئے۔

۴:..زید کہتا ہے کہ قرآن مجید، احادیث، تفاسیر اور محاورۂ عرب کی رو سے لفظ ''رفع'' اللہ تعالیٰ کی طرف یا کسی انسان کی نسبت بولا جائے گا، تو اس کے معنی ہمیشہ بلندئ درجات اور قرب روحانی کے ہوتے ہیں۔

گذارش ہے کہ کلام عرب سے کوئی ایسی مثال دیں کہ لفظ رفع کا فاعل اللہ تعالیٰ مذکور ہو اور کوئی ذی روح اس کا مفعول ہو اور رفع کے معنی جسم سمیت آسمان پر اٹھا لینے کے ہیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

جواب سے پہلے اولاً بطور تمہید ایک بات ذہن نشین کرلیں، اس کے بعد جواب سمجھنے میں سہولت ہوگی۔ اصالۃً کا سرچشمہ قرآن پاک ہے: ﴿ھُدًی لِّلنَّاسِ﴾ (۹۲) لیکن اس میں عموماً بنیادی اصول دینی امور کو بطور ضابطہ کلیہ مختصراً بیان کیا گیا ہے، تفصیلات وتشریحات کا بیان کرنا حضرت نبی اکرم ﷺ کے سپرد ہے: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ﴾ (۹۳)۔

مثال: (۱) قرآن پاک میں ہے ﴿أَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ﴾ (۹۴) (نماز قائم کرو، اس کی پوری تفصیل کہ کس نماز میں کتنی رکعات ہیں یا کس رکعت کے بعد قعدہ ہے یا کس رکعت میں صرف ''الحمد'' پڑھی جاتی ہے، کس میں آہستہ سے قرأت کی جاتی ہے اور کس میں آواز سے اور کس میں سورۃ ملائی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ حتی کہ کس نماز کے وقت کی ابتدا کب سے ہے، انتہا کہاں پر ہے، اس سب کا براہ راست قرآن کریم سے بغیر حدیث کی مدد کے سمجھنا دشوار ہے، اس کو حضور اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

مثال: (۲) ﴿وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ (۹۵) اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اس کی تفصیل کہ چاندی

---

(۹۲): (سورۃ البقرۃ: ۱۸۵)

(۹۳): (سورۃ النحل: ٤٤)

(۹۴): (سورۃ البقرۃ: ٤٣)

(۹۵): (سورۃ البقرۃ: ٤٣)

کی کتنی مقدار میں زکوۃ لازم ہے، سونے کی کتنی مقدار میں، بکری، گائے، اونٹ وغیرہ کی کسی حساب سے زمین کی پیداوار میں کس حساب سے، یہ سب احادیث سے معلوم ہوئی، قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں۔

مثال: (۳) ﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ ﴾ (۹۶) اور لوگوں کے ذمہ اللہ کے گھر کا حج کرنا لازم ہے۔ اس کی تفصیل کہ طواف کا کیا طریقہ ہے، کتنے چکر ہیں، عرفات، مزدلفہ، منی، رمی جمار وغیرہ کے مسائل کو حضور پاک ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے حدیث شریف کی روشنی حاصل کرنا ضروری ہے، حدیث سے بے نیاز ہو کر قرآن شریف کو صحیح طور پر سمجھنا ناممکن ہے، امت کو حکم ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بیان فرمودہ تفصیلات کے تحت قرآن شریف سے ہدایت حاصل کریں، اسی سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ کی اطاعت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہی اطاعت ہے: ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (۹۷) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔ اس لئے کہ یہ تفصیل وتشریح بھی وحی ہی کے ذریعہ ہے: ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ﴾ (۹۸)۔

قرآن پاک عربی میں نازل ہوا، صحابہ کرام عربی زبان اور محاورات کو خوب سمجھتے تھے، ان کی مادری زبان تھی مگر یہ نہیں فرمایا گیا کہ جس طرح تمہاری سمجھ میں قرآن سے آئے اس طرح نماز پڑھا کرو بلکہ ارشاد ہے "صلوا کما رأیتمونی أصلی" (۹۹) (بخاری

---

(۹۶): (سورة سورة آل عمران: ۹۷)

(۹۷): (سورة النساء: ۸۰)

(۹۸): (سورة النجم: ۳، ٤)

(۹۹): عن أبی قلابة قال: حدثنا مالک قال: أتینا الی النبی ﷺ ونحن شببة متقاربون فأقمنا عنده عشرین یوما ولیلة، وکان رسول اللّٰه رحیماً رفیقاً فلما ظن أنا قد اشتهینا أهلنا أو قد اشتقنا سألنا عمن ترکنا بعدنا فأخبرناه. قال: ارجعوا الی

شریف:۱۰۷۲) یعنی جس طرح تم مجھ کو (حضور اکرم ﷺ کو) نماز پڑھتا دیکھا اسی طرح نماز پڑھو۔

الحاصل یہ سمجھنا غلط ہے کہ ہر چیز کی پوری تفصیل وتشریح قرآن پاک میں ہے، حدیث کی ضرورت نہیں، اور یہ مطالبہ قابل تسیم نہیں کہ ہر چیز کو صرف قرآن سے ثابت کیا جائے اور حدیث کی طرف التفات نہ کیا جائے اور یہ بات کہ جو چیز پوری تفصیل کے ساتھ قرآن پاک میں مذکور نہ ہوا اور احادیث سے ثابت ہو، وہ قابل تسلیم نہیں، صحیح نہیں بالکل غلط ہے، ورنہ صلوۃ، زکوۃ، حج اور اس طرح بے شمار دینی امور کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ اس بنیادی تمہید کے بعد آپ کے سوالات کا جواب عرض ہے۔

ا... قرآن کریم میں رفع عیسیٰ کا مختصراً تذکرہ ہے(۱۰۰) جیسے کہ ﴿أتو الزکوۃ﴾ میں زکوۃ کا تذکرہ ہے، باقی تفصیلات احادیث کے سپرد ہیں، اسی طرح پر زمین پر اترنا بڑی تفصیل کے ساتھ احادیث میں مذکور ہے اور یہ احادیث درجۂ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔(۱۰۱) نیز حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں تصریح کی ہے(۱۰۲) نیز حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں

أهـليكم فأقيموا فيهم وعلموهم ومروهم، وذكر أشياء أحفظها أو لا أحفظها. وصلوا كـمـا رأيتـموني أصلي فاذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم أحدكم وليؤمكم أكبركم.

(صـحيـح البـخـاري، كتـاب الأذان، بـاب الأذان لـلـمسافرين اذا كانوا جماعة و الاقامة، و كذلك بعرفة وجمع، ص: ۱۲۸، رقم: ٦٣١، ط، دار السلام رياض)

(۱۰۰):قال الله تبارک وتعالى:وما قتلوه يقيناً بل رفعه الله اليه. (سورة النساء: ۱٥٧)

(۱۰۱):(فتـح اباری بشرح صحيح البخاری، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسیٰ ابن مريم عليه السلام، ج: ٦، ص: ٥٦٩)

(۱۰۲):فی تفسير ابن كثير: ذكر الأحاديث الواردة فی نزول عيسى ابن مريم الا الأرض مـن السـمـاء فـی آخـر الـزمـان قبل يوم القيامة، وأنه يدعو الى عبادة الله

لکھا ہے:" أما رفع عیسیٰ فاتفق أصحاب الأخبار والتفسیر علی أنه رفع ببدنه" (۱۰۳) حافظ ابن کثیر نے دس صفحات میں وہ احادیث جمع کی ہیں جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ مع جسم عنصری کے آسمان پر موجود ہونا، قرب قیامت میں ان کا اترنا مذکور ہے (۱۰۴)۔

وحده لاشريک له:

قال البخاری: رحمه الله فی کتاب ذکر الأنبیاء من صحیحه المتلقی بالقبول: (نزول عیسی ابن مریم ـ علیها السلام): حدثنا اسحاق بن ابراهیم، حدثنا یعقوب بن ابراهیم، حدثنا أبی، عن صالح، عن ابن شهاب، عن سعید بن المسیب، عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: والذی نفسی بیده لیوشکن أن ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً، فیکسر الصلیب، ویقتل الخنزیر، ویضع الجزیة، ویقبض المال حتی لایقبله أحد، حتی تکون السجدة خیرا من الدنیا وما فیها. ثم یقول أبوهریرة رضی الله تعالی عنه: واقرؤوا ان شئتم: ﴿وان من أهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته ویوم القیامة یکون علیهم شهیداً﴾.......فهذه أحادیث متواترة عن رسول اللهﷺ من روایة أبی هریرة، وابن مسعود، وعثمان بن أبی العاص، وأبی أمامة، والنواس بن سمعان، وعبدالله بن عمرو بن العاص، ومجمع بن جاریة، وأبی سریحة حذیفة بن أسید رضی الله تعالیٰ عنهم

وفیها دلالة علی صفة نزوله ومکانه، من أنه بالشام، بل بدمشق، عند المنارة الشرقیة، وأن ذلک یکون عند اقامة الصلاة للصبح. (تفسیر ابن کثیر، سورة النساء، الآیة: ۱۵۵تا ۱۵۹، ج: ۲، ص: ٤٥٥، تا ٤٦٤، ط، دار طیبة)

(۱۰۳):(تلخیص الحبیر فی تخریج أحادیث الرافعی الکبیر، ج: ۳، ص: ٤٣١، رقم ١٧٤٨، ط، مؤسسة قرطبة)

(۱۰۴):(تفسیر ابن کثیر، سورة النساء، الآیة: ۱۵۵تا ۱۵۹، ج: ۲، ص: ٤٥٥، تا ٤٦٤، ط، دار طیبة)

دونوں چیزیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مع جسم عنصری کے زندہ اٹھایا جانا اور قریب قیامت کے زمین پر اترنا، اجماعی، اتفاقی، قطعی ہیں، ان میں اختلاف نہیں۔ گذشتہ صدی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اس اجماعی عقیدہ کی مخالفت کی ہے اور تیرہ سو سال کے اجماعی عقیدہ کو غلط کہا ہے جس کی تردید میں مستقل کتابیں تصنیف کر کے دلائل جمع کر دیئے گئے۔

۲......ان کا اٹھایا جانا قرآن پاک میں ہے(۱۰۵) تشریح احادیث میں ہے(۱۰۶) جیسا کہ جواب نمبر:۱ میں گزرا، اس کے خلاف کا عقیدہ رکھنا غلط ہے۔

---

(۱۰۵):قال اللّٰہ تبارک وتعالی: واذ قال اللّٰہ یاعیسٰی انی متوفیک ورافعک الی. (سورة آل عمران: ٥٥)

وقال تعالی: وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللّٰہ الیہ. (سورة النساء: ١٥٧)

(۱۰۶):عن أبی ھریرةؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم: والذی نفسی بیدہ لیوشکن أن ینزل فیکم ابن مریم، حکماً عدلاً، فیکسر الصلیب، ویقتل الخنزیر، ویضع الجزیة، ویقبض المال حتی لایقبلہ أحد، حتی تکون السجدة الواحدة خیراً من الدنیا وما فیھا. ثم یقول أبوھریرةؓ: فاقرؤوا ان شئتم ﴿وان من أھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ﴾ الآیة. متفق علیہ.

وعنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: واللّٰہ لینزلن ابن مریم حکماً عادلاً، فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الخنزیر، ولیضعن الجزیة، ولیترکن القلاص، فلایسعی علیھا، ولتذھبن الشحناء والتباغض والتحاسد، ولیدعون الی المال فلایقبلہ أحد. رواہ مسلم. وفی روایة لھما قال: کیف أنتم اذا نزل ابن مریم فیکم، وامامکم منکم؟. (مشکاة المصابیح، کتاب الفتن، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام، ص: ٤٧٩، ٤٨٠، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

وفی الدر المنثور: وأخرج ابن جریر بسند صحیح عن کعب قال: لما رأی عیسی قلة من اتبعہ وکثرة من کذبہ، شکا ذلک الی اللّٰہ، فأوحی اللّٰہ الیہ: ﴿انی متوفیک ورافعک الی﴾ ولیس من رفعتہ عندی میتا. وانی سأبعثک علی الأعور

۳......زید کا لفظ ''توفی'' کے متعلق یہ دعویٰ کہاں سے ماخوذ ہے؟ اس کے بالمقابل یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں لفظ توفی باب تفعل سے آئے اور اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور معیّن شخص (عیسیٰ) مفعول ہیں تو اس کے معنی جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھا لینے کے ہوں گے، اس کے خلاف کوئی ثابت ہی نہیں کر سکتا تو کیا زید کے پاس اس کے خلاف کا ثبوت ہے؟

علاوہ ازیں جب کہ زندہ جسم عنصری کے ساتھ خاص طریقہ سے آسمان پر اٹھا لینے کا واقعہ بطور معجزہ وخرق عادت صرف ایک دفعہ ایک شخص کے ساتھ پیش آیا ہے تو پھر اس کی نظیریں تلاش کرنا یا نظیروں کا مطالبہ کرنا بے محل ہے۔ (حضرت محمد ﷺ کو جو معراج جسمانی ہوئی، اس کی شان جداگانہ ہے)۔

قرآن پاک میں ہے: ﴿أَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا﴾ (۱۰۷) آیت پاک میں اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور ذی روح مفعول ہے، کیا یہاں بھی ''یتوفی'' موت کے معنی میں ہے اور نوم کی حالت میں روح قبض ہو جاتی ہے، اور کیا سونے والے پر میت کے احکام: نماز جنازہ، تدفین، عدت زوجہ، تقسیم میراث وغیرہ سب جاری ہوں گے؟

یہاں تک لفظ ''توفی'' کے متعلق زید کے مخصوص نظریہ کا جواب تھا۔

اصل وضع محاورات عرب استعمال کی روشنی میں اس کی حقیقت عرض ہے (و، ف، ی) وفي يفي وفا ثلاثی مجرد، أوفي يوفي ايفا، باب افعال سے، توفي يتوفي توفياً

الدجال فتقتله، ثم تعيش بعد ذلك أربعاً وعشرين سنة، ثم أميتك الحي. قال كعب: و ذلك تصديق حديث رسول الله ﷺ حيث قال: كيف تهلك أمة أنا في أولها وعيسىٰ في آخرها؟. (الدر المنثور في التفسير بالمأثور، سورة آل عمران، الآية: ۵۵، ج: ۳، ص: ۵۹۶، ۵۹۷، ط، دار طيبة)

(۱۰۷): (سورة الزمر: ۴۲)

تفعل سے، استوفی یستوفی استیفاءً استفعال سے،وفی ویفی توفیۃً تفعیل سے،سب طرح یہ لفظ مستعمل ہے،اس کے معنی ہیں پورا کرنا پورا لینا، پورا وصول کرنا، پورا دینا اسی سے ہے،وفاءً (عہد) وفا وعدہ عرب بولتے ہیں۔جیسے کیل واف (پورا پیانہ) أوفیت الکیل والوزن، میں نے ناپ تول پورا کردیا۔یعنی کچھ کمی نہیں کی، قرآن پاک میں ہے:﴿اَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ﴾ (۱۰۸)یعنی جب تم کسی کے لئے تول کروتو پورا پورا کیل کر کے دو۔﴿اَوْفُوْا بِعَھْدِیْ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ﴾ (۱۰۹)تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔﴿یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ﴾ (۱۱۰)نذر پوری کرتے ہیں ﴿وُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ﴾ (۱۱۱)ہر ایک نے جو کچھ (دنیا میں) کیا یا عمل کیا اس کو پورا دے دیا جائے گا۔﴿اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ﴾ (۱۱۲)تم کو بلاشبہ تمہارا اجر پورا کردیا جائے گا۔﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ﴾ (۱۱۳)جو کچھ تم خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہو تم کو اس کا پورا اجر دیدیا جائے گا۔﴿فَوَفّٰہُ حِسَابَہٗ﴾ (۱۱۴) اس کا حساب پورا پورا کیا﴿اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ﴾ (۱۱۵)میں تجھ کو پورا پورا لے لوں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن قتل کے درپے تھے اور منصوبہ بنا رہے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھ کو پورا پورا لے لوں گا،ان دشمنوں کو تجھ پر قتل کے لئے قابو نہیں دونگا۔یہ چیز بطور تسلی کے فرمائی گئی ہے اور تسلی کی صورت یہی ہے کہ دشمن قتل کرنے یا

(۱۰۸):(سورۃ الاسراء: ۳۵)

(۱۰۹):(سورۃ البقرۃ: ۴۰)

(۱۱۰):(سورۃ الدھر: ۷)

(۱۱۱):(سورۃ آل عمران: ۲۵)

(۱۱۲):(سورۃ آل عمران: ۱۸۵)

(۱۱۳):(سورۃ البقرۃ: ۲۷۲)

(۱۱۴):(سورۃ النور: ۳۹)

(۱۱۵):(سورۃ آل عمران: ۵۵)

سولی دینے میں ناکام رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھایا لیا اور دشمن اشتباہ میں رہے، اس کو فرمایا ہے: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْناً بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ (۱۱۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دشمنوں نے بالیقین قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھایا لیا۔ اگر "توفی" سے مراد یہاں موت لی جائے تو اس میں تسلی کی کونسی بات ہے، اس وقت تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ یہ لوگ آپ کو قتل نہیں کریں گے بلکہ میں آپ کو موت دوں گا، موت سے تسلی کیا ہو سکتی ہے، علاوہ ازیں اگر وہ دشمنی میں قتل کر دیتے تو یہ چیز باعث ترقی درجات ہوتی، شہید کا درجہ بہت بلند ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے شہادت کی تمنا کا ذکر خاص انداز میں فرمایا ہے (۱۱۷)، درجۂ بلند سے بچا کر عام موت کا وعدہ خاص اہمیت نہیں رکھتا، پھر یہ کہ الفاظ "موت" یا "امانت" سے کیوں تعبیر نہیں کیا، "توفی" میں کیا نکتہ ہے ہاں توفی کے اصل معنی موت کے نہیں، کبھی موت کا مفہوم اس میں پیدا ہو جاتا ہے وہ اس طرح بولتے ہیں (فلان توفی عمره) فلاں شخص نے اپنی عمر پوری کر لی، جب عمر پوری کر لی تو موت آ ہی جائے گی، آیت ﴿اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ﴾ کا مفہوم یہ بھی ہے کہ تیری عمر پوری کروں گا اور ان کی اسکیم فیل ہو جائے گی (۱۱۸)۔

---

(۱۱۶): (سورة النساء: ۱۵۷)

(۱۱۷): عن سعيد بن المسيب أن أبا هريرة رضي الله عنه قال: سمعت النبي ﷺ يقول: والذي نفسي بيده لولا أن رجالاً من المؤمنين لاتطيب أنفسهم أن يتخلفوا عني ولا أجد ما أحملهم عليه ما تخلفت عن سرية تغدو في سبيل الله. والذي نفسي بيده لوددت أني أقتل في سبيل الله ثم أحيا، ثم أقتل ثم أحيا، ثم أقتل ثم أحيا، ثم أقتل. (صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب تمنى الشهادة، ص: ٥٦٨، رقم: ٢٧٩٧، ط، دار السلام رياض)

(۱۱۸): في روح المعاني: أن المراد اني مستوفي أجلك ومميتك حتف أنفك لا أسلط عليك من يقتلك فالكلام كناية عن عصمته من الاعداء وما هم

اس کی صورت یہ ہے کہ جتنی عمر یہاں ہوئی اس کے بعد اٹھالیا گیا پھر زمین پر نزول ہوگا، اس وقت بقیہ عمر پوری ہوگی، جیسا کہ احادیث میں تفصیل مذکور ہے، یہاں تک کہ جب اس وقت انتقال ہوگا تو قبر کی جگہ بھی بتادی گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے قریب ایک قبر کی جگہ باقی ہے وہاں دفن ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجموعی حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ نزول کے بعد شادی کریں گے (۱۱۹)۔

اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت طاری ہوچکی ہے وہ آسمان پر زندہ موجود نہیں اور قریب قیامت زمین پر نہیں اتریں گے تو وہ اجماعی عقیدہ کا منکر ہے، قرآن پاک کی آیات کا منکر ہے اور احادیث متواترہ کا منکر ہے (۱۲۰)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج:۱،ص:۴۲۴تا۴۳۰)



بصدده من الفتک به علیه السلام لانه یلزم من استیفاء الله تعالی أجله وموته حتف أنفه ذلک. (روح المعانی، سورة آل عمران، الآیة: ٥٥، ج: ٣، ص: ١٧٩، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

وفی مفاتیح الغیب: معنی وقوله (انی متوفیک) أی متمم عمرک، فحینئذ أتوفاک، فلاأترکهم حتی یقتلوک، بل أنا رافعک الی سمائی، ومقربک بملائکتی، وأصونک عن أن یتمکنوا من قتلک وهذا تأویل حسن. (مفاتیح الغیب، سورة آل عمران، الآیة: ٥٥، ج: ٨، ص: ٧٤، ط، دار الفکر)

(۱۱۹): عن عبدالله بن عمرو رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: ینزل عیسیٰ بن مریم الی الأرض، فیزوج، ویولد له، ویمکث خمساً وأربعین سنة، ثم یموت، فیدفن معی فی قبری فأقوم أنا وعیسی ابن مریم فی قبر واحد بین أبی بکر وعمر. رواه ابن الجوزی فی کتاب الوفاء. (المشکاة المصابیح، کتاب الفتن، باب نزول عیسیٰ علیه السلام، الفصل الثالث، ص: ٤٨٠، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

(۱۲۰): قرآن پاک کی آیات واحادیث متواترہ کا انکار کفر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

وفات مسیح علیہ السلام کی نسبت ہمارے اہل سنت والجماعت کا کیا عقیدہ ہے؟

﴿الجواب﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا قرآن شریف میں مذکور ہے، اور احادیث شریف میں اس کی تصریح ہے، پس اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھالئے گئے ہیں، اور پھر قرب قیامت میں آسمان سے اتریں گے۔

فی التاتارخانية: اذا أنكر آية من القرآن أو سخر بآية من القرآن، وفی الخزانة: أو عاب فقد كفر. (الفتاوی التاتارخانیه، كتاب أحكام المرتدين، الفصل العاشر: فيما يتعلق بالقرآن، ج: ۷، ص:۳۱۵، ط، مكتبة زكريا، بديوبند، الهند)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ج: ۵، ص: ۲۰۲، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفی الفتاوی التاتارخانية: واذا روى رجل حديثا عن النبیﷺ ورده آخر قال بعض مشايخنا انه يكفر، ومن المتأخرين من قال: ان كان متواترا يكفر، وكذلك لو قال بطريق الاستخفاف، سمعناه كثيرا يكفر. (الفتاوی التاتارخانیه، كتاب أحكام المرتدين، الفصل السابع: فيما يعود الى الأنبياء عليهم السلام، ج:۷، ص:۳۰۵، ط، مكتبة زكريا، ديوبند)

وفی مجمع الانهر: ومن استخف بسنة، أو حديث من أحاديثه عليه الصلاة والسلام أو رد حديثاً متواتراً، أو قال: سمعناه كثيراً بطريق الاستخفاف كفر. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، ج: ۲، ص: ۵۰۶، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ الآية﴾ ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا، بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ الآية﴾ (سورۂ نساء، آیت: ۱۵۷-۱۵۸)

وروى الشّيخان عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى الله تعالى عليه وسلم: و الذى نفسى بيده ليوشكن ان ينزل فيكم ابن مريم حكما عدلا فيكسر الصليب الحديث(۱۲۱)۔

اور تفصیل اس کی کتب ردقادیانی میں ملاحظہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج:۱۸، ص:۲۴۵، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



(۱۲۱):عن أبى هريرةؓ قال قال رسول اللهﷺ: والذى نفسى بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم، حكماً عدلاً، فيكسر الصليب، ويقتل الخنزير، ويضع الجزية، ويقبض المال حتى لايقبله أحد، حتى تكون السجدة الواحدة خيراً من الدنيا وما فيها. ثم يقول أبوهريرةؓ: فاقرؤوا ان شئتم ﴿وان من أهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته﴾ الآية. متفق عليه.

وعنه قال: قال رسول اللّٰهﷺ: واللّٰه لينزلن ابن مريم حكماً عادلاً، فليكسرن الصليب وليقتلن الخنزير، وليضعن الجزية، وليتركن القلاص، فلايسعى عليها، ولتذهبن الشحناء والتباغض والتحاسد، وليدعون الى المال فلايقبله أحد. رواه مسلم. وفى رواية لهما قال: كيف أنتم اذا نزل ابن مريم فيكم، وامامكم منكم؟. (مشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب نزول عيسىٰ عليه السلام، ص: ٤٧٩، ٤٨٠، ط، قديمى كتب خانه كراچى)

عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل کا حکم

﴿سوال﴾:

حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا معتقد دائرہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

اس نص قطعی الثبوت کا اگر یہ شخص منکر ہے تو اسلام سے خارج ہے اور اگر اس کو غیر قطعی الدلالۃ قرار دے کر تاویل کرتا ہے تو مبتدع وضال ہے(۱۲۲)۔(امداد الفتاوی، ج: ۱۲،ص:۷۰، ط، زکریا بک ڈپو الہند)



---

(۱۲۲):في شرح العقائد النسفية: ورد النصوص، بأن ينكر الأحكام التى دلت عليها النصوص القطعية من الكتاب والسنة، كحشر الأجساد مثلاً، كفر، لكونه تكذيباً صريحاً لله تعالى، ورسوله صلى الله تعالى عليه وسلم. (شرح العقائد النسفية، مبحث جحود الأحكام القطعية والاستهزاء بها، ص: ۳۸۲، ط، مكتبة البشرىٰ كراتشى)

وفي شرح الفقه الأكبر: وقال القاضي عضد الدين في المواقف لايكفر أحد من أهل القبلة الا فيما فيه نفي الصانع القادر العليم أو شرك أو انكار للنبوة وما علم مجيئه بالضرورة أو الجمع عليه كاستحلال المحرمات وأما ماعداه فالقائل به مبتدع لا كافر انتهىٰ. (شرح الفقه الأكبر، مطلب يجب معرفة المكفرات لاجتنابها وفيه فروع كثيرة تتعلق بهذا البحث، ص: ۱٤۸، ط، دار الكتب العربية الكبرىٰ مصر)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوان کے پیروکار نے شہید کردیا تھا زندہ آسمان پر اٹھائے گئے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ انہیں ان کے متبعین نے شہید کردیا تھا کیسا ہے؟ اور وہ شہید ہونے کی بناء پر زندہ ہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

صورت مسئولہ میں یہ عقیدہ رکھنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوان کے متبعین نے شہید کیا ہے اور وہ شہید ہونے کی بناء پر زندہ ہیں، سراسر غلط قرآن وسنت کی صراحت کے خلاف ہے، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح مع الجسد آسمانوں پر زندہ اٹھایا گیا ان کا دوبارہ نزول قرب قیامت کے وقت ہوگا اس کے بعد ان کو موت آئے گی۔

لما فی القرآن الکریم: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ الآیة (النساء: ۱۵۷)

وفیها ایضا: اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسیٰ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا الآیة (ال عمران: ۵۵)

وفی التفسیر المنیر (۳/۲۴۰): وللمفسرین رأیان فی تاویل هذه الآیة، ان فی الآیة تقدیما وتاخیرا والتقدیر انی رافعک الی ومطهرک من الذین کفروا ومتوفیک بعد ان تنزل من السماء ای انه رفعه الی السماء حیا بجسمه وروحه

وسینزل فی آخر الزمان فیحکم بشریعة الاسلام ثم یمیته اللّٰه وهذا ما دلت علیه الاحادیث النبویة الصحیحة...

وفی الجامع لاحکام القرآن للقرطبی (۲/۱۰۰): والصحیح ان اللّٰه تعالی رفعه الی السماء من غیر وفاة ولانوم کما قال الحسن وابن زید وهو اختیار الطبری وهو الصحیح عن ابن عباس وقاله الضحاک...

وفی الصحیح لمسلم (۱/۸۷): عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه انه قال رسول اللّٰه ﷺ واللّٰه لینزلن ابن مریم حکما عادلا فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الخنزیر ولیضعن الجزیة ولیترکن القلاص... الحدیث وفی فتح الملهم (۲/۲۸۵): وقال الحافظ ابن حجر فی الفتح قال العلماء الحکمة فی نزول عیسیٰ علیه السلام دون غیره الانبیاء الزد علی الیهود فی زعمهم انهم قتلوه، فبین اللّٰه تعالیٰ کذبهم وانه الذی یقتلهم او نزوله لدنو اجله لیدفن فی الارض. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۳۶)



حیات عیسیٰ علیہ السلام پر شبہ کا جواب

﴿سوال﴾:

علمائے کرام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے پر آیت "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ" (۱۲۳) پیش کر کے عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ ہونا ثابت کرتے ہیں جیسا کہ مفسرین نے بھی لکھا ہے کہ توفی کے معنی رفع الی السماء ہے۔

اب مرزائی اعتراض کرتے ہیں کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوں اور قریب قیامت کے نزول فرماویں اور اپنی امت کے عقائد تثلیث پرستی سے واقف ہوں تو قیامت کے دن کس طرح اپنی لاعلمی اور بے خبری ظاہر کریں گے اس سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کذب لازم آتا ہے ہدایت بخشا مرزائی کے جواب سے عاجز کو سرفرازی فرماویں فقط؟

﴿الجواب﴾:

صحیح تفسیر معلوم ہونے کے بعد اگر کوئی سوال رہے تو دیکھو۔ وہ تفسیر یہ ہے کہ میں ان کی حالت سے مطلع رہا جب تک ان میں موجود رہا (سو اس وقت تک کا حال تو میں نے مشاہدہ کیا ہے اس کے متعلق بیان کر سکتا ہوں) پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھا لیا یعنی اول بار میں تو زندہ آسمان کی طرف، اور دوسری بار میں وفات کے طور پر: **ومن ههنا لم يقل رفعتي ولا أمتني والتوفي عام لهما كما في قوله تعالىٰ "يتوفى الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها"** تو اس وقت صرف آپ کے احوال پر مطلع رہے الخ **وقد تقرر في محله أن عدم دليل لايستلزم عدم المدعي خصوصاً مع وجود دليل آخر**. (امداد الفتاوی، ج:۱۰،ص:۴۹۱، ط، زکریا بک ڈپو الہند)

﴿سوال﴾:

عرض یہ ہے کہ قادیانی مرزائیوں نے مندرجہ ذیل سوال کئے ان کے جوابات تحریر

(۱۲۳): (سورۃ المائدۃ: ۱۱۷)

فرمائیے:

(۱) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جو اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کی رو سے زندہ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے تھے) قیامت سے پہلے دجال ملعون کو قتل کرنے کے لئے نازل ہوں گے تو آمد ثانی میں وہ نبی اللہ ہوں گے یا صرف امتی ہوں گے؟

(۲) اگر محض امتی ہوں گے نہ کہ نبی اللہ تو ان سے نبوت کیوں چھینی جائے گی ان کا کیا قصور ہے؟

(۳) اگر نازل ہوں گے اور اس وقت بھی نبی اللہ ہوں گے تو کیا ان کا نبی ہونا آیت قرآنی "**خاتم النبیین**" (۱۲۴). اور حدیث نبوی "**أنا خاتم النبيين لا نبی بعدی**" (۱۲۵) کے خلاف نہ ہوگا؟

(۴) صحیح مسلم شریف جلد۲ صفحہ ۴۰۰، ۴۰۱ اور مشکاۃ شریف باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال فصل اول میں ہے (**اذا أوحى الله الى عيسىٰ**) (۱۲۶) کیا حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد وحی و نبوت ہے؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی الٰہی کا ہونا آیت خاتم النبیین و حدیث لا نبی بعدی کے خلاف نہیں ہے؟

(۵) سورۂ آلِ عمران پارۂ سوم رکوع ۱۳ میں ہے (**وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ**) (۱۲۷) معلوم ہوا کہ خدا نے ان کو توریت شریف اور انجیل شریف

---

(۱۲۴): (سورة الاحزاب: ٤٠)

(۱۲۵): **وأخرج ابن مردويه عن ثوبان قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: انه سيكون في أمتي كذابون ثلاثون، كلهم يزعم أنه نبي، وأنا خاتم النبيين لا نبي بعدي.** (الدر المنثور في التفسير بالمأثور، سورة الأحزاب، الآية: ٤٠، ج: ١٢، ص: ٦٤)

(۱۲۶): (مشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب العلامات بين يدي الساعة وذكر الدجال، الفصل الأول، قديمي كتب خانه كراچی)

(۱۲۷): (سورة آل عمران ٤٨)

سکھادی ہے نازل ہونے کے بعدوہ انجیل شریف پر عمل کریں گے یا قرآن مجید کی شریعت پر عمل کریں گے؟

(۶) کیا خدانے آسمان میں ان کوقرآن مجید بھی سکھلا دیا ہے یا نازل ہونے کے بعد کسی مولوی صاحب سے فرقان حمید اور سنت وحدیث سیکھیں گے ان سوالوں کے جواب قرآن مجید کی آیت مبارکہ احادیث نبویہ اقوال صحابہ اوراقوال تابعین کی رُوسے فرمایئے؟

﴿الجواب﴾:

اول وثانی وثالث ورابع کا حاصل ایک سوال ہےاور خامس وسادس کا حاصل ایک سوال ہے کل دوسوال ہیں۔ پہلے سوال میں نبوت عیسوی پر اشکال کیا گیا ہے۔اور دوسرے سوال میں آپ کے قرآن وحدیث پر عمل کرنے پر اشکال کیا گیا ہےاور اشکال دعویٰ ہے اس کے جواب میں منع کافی ہے دلیل کی حاجت نہیں پس سائل مدعی ہے اور مدعی مطالب بالدلیل ہوتا ہےاور مجیب مانع ہے اور مانع مطالب بالدلیل نہیں ہوتا پس سوال کے اخیر میں جوقرآن وحدیث واقوال صحابہ وتابعین سے دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے محض بے اصول ہے (جس شخص کے ذہن میں یہ کلیہ نہ آیا ہو ماہرانِ فن مناظرہ سے سمجھ لے) اب جواب عرض کرتا ہوں۔

اشکال اول کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بوقت نزول نبی ہوں گے اور آپ کی وحی بھی وحی نبوت ہوگی مگر شریعت محمدیہ کے متبع ہوں گے اور وہ وحی بھی خلاف شریعت محمدیہ نہ ہوگی (۱۲۸)۔

---

(۱۲۸): عن عبداللہ بن مغفلؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ما أهبط اللّٰه الی الأرض منذ خلق آدم الی أن تقوم الساعة فتنة أعظم من فتنة الدجال، وقد قلت فيه قولاً لم يقله أحد قبلی، انه آدم جعد ممسوح عين اليسار علی اليسار علی عينه ظفرة غليظ، وأنه يبرئ الأكمه، والأبرص، ويقول أنا ربكم، فمن قال ربی اللّٰه فلا فتنة عليه، ومن قال: أنت ربی، فقد افتتن، يلبث ما شاء اللّٰه، ثم ينزل

اور آپ کی نبوت ختم نبوت کے منافی اس لئے نہیں کہ ختم نبوت سدّ باب عطائے لاحقہ ہے نہ سدّ باب بقائے نبوت سابقہ مع اتباع خاتم نبوت (۱۲۹)۔

عیسیٰ ابن مریم مصدقا بمحمد صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم وعلی ملتہ، اماماً مهدیاً وحکماً عدلاً، فیقتل الدجال. وفی تخریج هذا الحدیث: أخرجه الطبرانی فی الأوسط [۱/ ۲۸۰] وعزاه الهیثمی فی المجمع [۷/ ۳۳۵، ۳۳۶] الی الکبیر. أیضاً ورجاله ثقات وفی بعضهم ضعف لایضر. قلت: اسناده حسن. (مجمع البحرین فی زوائد المعجمین، کتاب الفتن، باب ماجاء فی الدجال، ج: ۷، ص: ۳۰۹، ط، مکتبة الرشد الریاض)

وفی روح المعانی: وادعی بعضهم الوحی الی عیسیٰ علیه السلام بعد نزوله، وقد سئل عن ذلک ابن حجر الهیثمی فقال: نعم یوحی علیه السلام وحی حقیقی کما فی حدیث مسلم وغیره عن النواس بن سمعان، وفی روایة صحیحة: فبینما هو کذالک اذ أوحی اللّٰه تعالی یا عیسیٰ انی أخرجت عبادا لی لاید لأحد بقتالهم فحول عبادی الی الطور وذلک الوحی علی لسان جبریل علیه السلام، اذ هو السفیر بین اللّٰه تعالی وأنبیائه لایعرف ذلک لغیره وخبر لا وحی بعدی باطل..... ولعل من نفی الوحی عنه علیه السلام بعد نزوله أراد وحی التشریع وما ذکر وحی لاتشریع فیه فتأمل. (روح المعانی، سورة الأحزاب، الآیة: ۴۰، ج:۲۲، ص:۴۱، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

وفی الفتاوی البزازیة: وعیسیٰ علیه الصلاة والسلام ینزل الی الناس ویدعوا الی شریعته وهو سائق لامته الی دینه. (الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب ألفاظ تکون اسلاماً أو کفراً أو خطأً، وفیه ثلاثة فصول، الثالث فی الأنبیاء، ج: ٦، ص: ۳۲۷)

(۱۲۹): فی روح المعانی: والمراد بکونه علیه الصلاة والسلام خاتمهم انقطاع حدوث وصف النبوة فی أحد من الثقلین بعد تحلیه علیه الصلاة والسلام بها فی هذه النشأة ولایقدح فی ذلک ما أجمعت الأمة علیه اشتهرت فیه الأخبار لعلها

اور اشکال ثانی کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آپ شریعت محمدیہ کے تابع ہوں گے اس لئے آپ کا عمل قرآن وحدیث پر ہوگا اور اس کی ضرورت نہیں کہ انہوں نے آسمان پر پڑھا ہو یا نزول کے بعد کسی استاد سے پڑھیں موہوب طور پر آپ کو قرآن وحدیث کا علم عطا ہوگا۔ جیسا بعض اولیاء امت کو بھی اس طریق پر علم دیا گیا ہے اس تقریر سے سب سوالوں کا جواب ہو گیا۔ (امداد الفتاوی، ج:۱۰، ص:۴۹۲ تا ۴۹۴، ط، زکریا بک ڈپو الہند)



وفات عیسیٰ علیہ السلام پر چند اشکالات کا جواب

﴿سوال﴾:

لو كان موسىٰ وعيسىٰ حيين لما وسعها الا اتباعى ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان صفحہ ۲۴۶ ج ۲ الیواقیت الجواھر جلد ۲ صفحہ ۲۴ شرح فقہ اکبر ص ۱۰ میں بھی یہی مضمون ہے۔

(۲) **ان عيسىٰ بن مريم عاش عشرين ومائة سنة** الحدیث کنز العمال صفحہ ۱۲۰ جلد ۶ جلالین مجتبائی ص ۵۰، اس حدیث سے وفات ثابت ہوتی ہے (۳) خلاصہ سوال یہ ہے کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ کی وفات کیوں ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر کیوں نہ اٹھائے گئے؟

(۴) **مَا الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُوْل. قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ.** سورہ ال عمران اس آیت سے وفات عیسیٰ علیہ السلام پر استدلال کرنا کیسا ہے

بلغت مبلغ التواتر المعنوى...... من نزول عيسىٰ عليه السلام آخر الزمان، لأنه كان نبيا قبل تحلى نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالنبوة فى هذه النشأة وقوله: انه عليه السلام حين ينزل باق على نبوته السابقة لم يعرل عنها بحال لكنه لايتعبد بها الخ. (روح المعاني، سورة الأحزاب، الآية: ٤٠، ج: ٢٢، ص: ٣٤، ط، دار احياء التراث العربي بيروت لبنان)

(۵) اموات غیر احیاء الآیۃ سے وفات عیسیٰ علیہ السلام ثابت ہوتی ہے۔
(۶) شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ لانبی بعدی کے یہ معنی ہیں کہ تشریعی نبوت ختم ہوچکی لیکن غیر تشریعی نبوت ختم نہیں کیا یہ صحیح ہے؟

﴿الجواب﴾:

حدیث لو کان موسیٰ وعیسیٰ حیین. دوتین کتابوں میں مذکور ہے مگر سب میں بلاسند لکھی ہے اور جب تک سند معلوم نہ ہو کیسے یقین کرلیا جائے۔ کہ یہ حدیث قابل عمل صحیح ہے اگر اسی طرح بلاسند روایات پر عمل کریں تو سارا دین برباد ہوجائے اسی لئے بعض اکابر محدثین نے غالباً حضرت عبداللہ ابن مبارک نے فرمایا ہے لو لا اسناد یقال من شاء ماشاء دوسرے اگر بالفرض سند موجود بھی ہو اور مان لو کہ صحیح بھی تو غایت یہ ہے کہ یہ حدیث دوسری احادیث سے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی پر صریح ہیں اور درجہ تواتر کو پہنچ گئی ہیں (۱۳۰) ان کی معارض کے وقت شرعی اور عقلی قاعدہ یہی ہے کہ اقوی کو ترجیح ہوتی

---

(۱۳۰):فی تلخیص الحبیر: وأما رفع عیسیٰ علیه الصلاة والسلام فاتفق أصحاب الأخبار والتفسیر علی أنه رفع ببدنه حیاً. (تلخیص الحبیر فی تخریج أحادیث الرافعی الکبیر، ج: ۳، ص: ۴۳۱، رقم ۱۷۴۸، ط، مؤسسة قرطبة)

وفی تفسیر ابن کثیر: ذکر الأحادیث الواردة فی نزول عیسی ابن مریم الا الأرض من السماء فی آخر الزمان قبل یوم القیامة، وأنه یدعو الی عبادة اللّٰه وحده لاشریک له:

قال البخاری: رحمه اللّٰه فی کتاب ذکر الأنبیاء من صحیحه المتلقی بالقبول: (نزول عیسی ابن مریم ۔علیها السلام): حدثنا اسحاق بن ابراهیم، حدثنا یعقوب بن ابراهیم، حدثنا أبی، عن صالح، عن ابن شهاب، عن سعید بن المسیب، عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: والذی نفسی بیده لیوشکن أن ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً، فیکسر الصلیب، ویقتل الخنزیر، ویضع الجزیة، ویقبض المال حتی لایقبله أحد، حتی تکون السجدة خیرا من الدنیا وما فیها. ثم یقول أبو

ہے اور ظاہر ہے کہ ایک غیر معروف حدیث ان تمام صحیح اور قوی متواتر روایات حدیث پر راجح نہیں ہوسکتی یہ قادیانی ہی مذہب کی خصوصیت ہے کہ مطلب کے موافق نہ ہو تو صحیح بخاری ومسلم کی حدیث کو معاذ اللہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے لئے تیار ہو جائیں اور مطلب کے بزعم خود موافق ہو تو ضعیف روایت کو ایسا اہم بنا ہیں کہ صحیح اور متواتر روایات پر ترجیح دیدیں کوئی مسلمان ایسا نہیں کرسکتا اس حدیث کی تحقیق پر مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب مدظلہم ناظم تبلیغ دارالعلوم نے ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے جو عنقریب طبع ہو کر شائع ہونے والا ہے۔

حدیث عاش علیه السلام مائه وعشرین سنة سے وفات مسیح کا شبہ اور اس کا جواب:

(۲) اس حدیث سے وفات کا ثابت کرنا قادیانی فراست ہی کی خصوصیات سے

هريرةؓ: واقرؤوا ان شئتم: ﴿وان من أهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيداً﴾ .... فهذه أحاديث متواترة عن رسول اللهﷺ من رواية أبي هريرة، وابن مسعود، وعثمان بن أبي العاص، وأبي أمامة، والنواس بن سمعان، وعبدالله بن عمرو بن العاص، ومجمع بن جارية، وأبي سريحة حذيفة بن أسيد رضي الله تعالىٰ عنهم

وفيها دلالة على صفة نزوله ومكانه، من أنه بالشام، بل بدمشق، عند المنارة الشرقية، وأن ذلک يكون عند اقامة الصلاة للصبح. (تفسير ابن كثير، سورة النساء، الآية: ١٥٥ تا ١٥٩، ج: ٢، ص: ٤٥٥، تا ٤٦٤، ط، دار طيبة)

وفيه ايضاً: قال مجاهد: ﴿وانه لعلم للساعة﴾ أي: آية للساعة خروج عيسىٰ ابن مريم قبل يوم القيامة. وهكذا روى عن أبي هريرة رضي الله عنه، وابن عباس، وأبي العالية، وأبي مالک، وعكرمة، والحسن، وقتادة، والضحاک، وغيرهم.

وقد تواترت الأحاديث عن رسول اللهﷺ، أنه أخبر بنزول عيسىٰ ابن مريم عليه السلام قبل يوم القيامة اماما عادلاً وحكماً مقسطاً. (تفسير ابن كثير، سورة الزخرف، الآية: ٦١، ج: ٧، ص: ٢٣٦، ط، دار طيبة)

ہے اولاً اس لئے کہ حدیث خود متکلم فیہ ہے بعض محدثین نے اس کو قابل اعتماد نہیں مانا، ثانیاً اگر حدیث ثابت بھی ہو جائے تو صحاح ستہ میں جو قوی اور صریح وصحیح روایات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی اور نزول آخر الزماں کے متعلق وارد ہیں یہ حدیث ان کا معارضہ عقلاً واصولاً نہیں کرسکتی ثالثاً حدیث کی مراد صاف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر ایک سوبیس سال زندہ رہے آسمان پر زندہ رہنا چونکہ بطور معجزہ ہے اس لئے حیات کو حیات دینوی میں شمار نہ کرنا چاہئیے تھا اور نہ کیا گیا اور اس عالم عناصر کی حیات کا ذکر ہے بطور اعجاز جو حیات کسی کے لئے ثابت ہو اس کا اس میں شمار کرنا اور داخل سمجھنا عقل ونقل کے خلاف ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آنحضرت ﷺ کو آسمان پر کیوں نہ اٹھالیا گیا؟

(۳) حق تعالےٰ کے معاملات ہر شخص کے ساتھ جدا جدا گانہ ہیں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرے کہ جو معاملہ نوح علیہ السلام کے ساتھ کیا وہی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیوں نہ کیا اور نہ صرف ان معاملات وواقعات سے ایک نبی کو دوسرے نبی پر کوئی ترجیح وتفضیل دی جاسکتی ہے جب تک دوسری صحیح وصریح روایات تفضیل پر دلالت نہ کریں انبیاء علیہ السلام کی تاریخ پڑھنے والوں پر مخفی نہیں کہ بعض انبیاء کو آروں کے ذریعہ دو ٹکڑے کردیا گیا اور بعض کو آگ میں ڈالا گیا اور بعض کو خندق وغیرہ (۱۳۱) میں پھر کسی پر

---

(۱۳۱):فی البداية: وقد اختلفت الرواية عن وهب بن منبه هل مات زكريا عليه السلام موتاً أو قتل قتلاً على روايتين فروى عبدالمنعم بن ادريس بن سنان عن أبيه عن وهب بن منبه أنه قال هرب من قومه فدخل شجرة فجاؤا فوضعوا المنشار عليهما فلما وصل المنشار الى أضلاعه أن فأوحى الله اليه لئن لم يسكن أنينك لأقلبن الارض ومن عليها فسكن انينه حتى باثنتين. (البداية والنهاية، ج: ۲، ص: ۵۲، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

وفي تفسير الخازن: يروى أن اليهود قتلت سبعين نبياً في أول النهار، وقامت الى سوق بقلها في آخره وقتلوا زكريا ويحيى وشعياء وغيرهم من الأنبياء. (تفسير الخازن المسمى لباب التأويل في معاني التنزيل، سورة البقرة، الآية: ۱، ج: ۱، ص: ۵۰،

آفات ومصائب اول جاری کردیئے پھر آخر الامر بچالیا اور کسی کو اول ہی سے محفوظ رکھا اب یہ سوال کرنا جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا کر زندہ رکھا گیا ایسے ہی حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ معاملہ کیوں کیا گیا یہ تو ایسا ہی سوال ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ جو معاملہ موسیٰ علیہ السلام اور لشکر فرعون کے ساتھ بنص قرآن کیا گیا وہی معاملہ نبی کریم ﷺ اور کفار مکہ کے ساتھ کیوں نہ ہوا کہ جنگ احد میں حضور ﷺ کا دندان مبارک شہید ہونے اور چہرہ انور زخمی ہونے کی نوبت آئی آپ کو ہجرت کر کے وطن اور مکہ چھوڑنا پڑا غار میں چھپنا پڑا (۱۳۲) سب کفار قریش پر ایک دفعہ ہی آسمانی بجلی کیوں نہ آگئی یا دریا میں غرق کیوں نہ

ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وفی تفسیر الثعالبی: روی أن بنی اسرائیل کانوا یقتلون فی الیوم ثلاثمائة نبی، ثم تقوم سوقهم آخر النهار، وروی سبعین نبیاً، ثم تقوم سوق بقلهم آخر النهار.
(تفسیر الثعالبی المسمٰی بالجواهر الحسان فی تفسیر القرآن، سورة البقرة، الآیة: ۸۷، ج: ۱، ص: ۲۷۷، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

وفی الدر المنثور: أخرج أبو داؤد الطیالسی، وابن أبی حاتم، عن ابن مسعودؓ قال: کانت بنو اسرائیل فی الیوم تقتل ثلاثمائة نبی، ثم یقیمون سوق بقلهم فی آخر النهار. (الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة البقرة، الآیة: ۶۱، ج: ۱، ص: ۳۸۸/ تفسیر ابن کثیر، سورة البقرة، الآیة: ۶۱، ج: ۱، ص: ۲۸۳، ط، دار طیبه)

(۱۳۲):فی السیرة النبویة: قال ابن اسحاق: وانکشف المسلمون، فأصاب فیهم العدو، وکان یوم بلاء وتمحیص، أکرم الله فیه من أکرم من المسلمین بالشهادة، حتی خلص العدو الی رسول الله ﷺ. فدث بالحجارة حتی وقع لشقه، فأصبیت رباعیته، وشج فی وجهه، وکلمت شفته، وکان الذی أصابه عتبة بن أبی وقاص.

قال ابن اسحاق: فحدثنی حمید الطویل، عن أنس بن مالک، قال: کسرت رباعیة النبی ﷺ یوم أحد، وشج فی وجهه، فجعل الدم یسیل علی وجهه، ویجعل

ہوگئے، جسے یہ سوال حضرت حق تعالیٰ کے معاملات میں بے جا ہیں ایسے ہی یہ بھی بالکل

یمسح الدم وهو يقول: كيف يفلح قوم خضبوا وجه نبيهم، وهو يدعوهم الى ربهم؟ فأنزل الله عزوجل فى ذلك ﴿ليس لک من الامر شیء أو يتوب عليهم أو يعذبهم فانهم ظالمون﴾. (السيرة النبوية، ج: ٣، ص: ٤٢، ٤٣، ط، دار الكتاب العربى)

وفيه ايضاً: هجرة الرسول ﷺ: وأقام رسول الله ﷺ بمكة بعد أصحابه من المهاجرين ينتظر أن يؤذن له فى الهجرة، ولم يتخلف معه بمكة أحد من المهاجرين الا من حبس أو فتن، الا على بن أبى طالب، وأبوبكر بن أبى قحافة الصديق رضى الله عنهما، وكان أبوبكر كثيراً ما يستأذن رسول الله ﷺ فى الهجرة، فيقول له رسول الله ﷺ: لاتعجل لعل الله يجعل لک صاحباً....قال: وخرج عليهم رسول الله ﷺ، فأخذ حفنة من تراب فى يده، ثم قال: أنا أقول ذلک، أنت أحدهم. وأخذ الله تعالى على أبصارهم عنه، فلا يرونه، فجعل ينثر ذلک التراب على رؤوسهم وهو يتلو هؤلاء الآيات من يٰس: ﴿يٰس. والقرآن الحكيم. انک لمن المرسلين على صراط مستقيم. تنزيل العزيز الرحيم﴾....الى قوله: ﴿فأغشيناهم فهم لايبصرون﴾ حتى فرغ رسول الله ﷺ من هؤلاء الآيات، ولم يبق منهم رجل الا قد وضع على رأسه تراباً، ثم انصرف الى حيث أراد أن يذهب، فأتاهم آت ممن لم يكن معهم، فقال: ماتنتظرون هاهنا؟ قالوا: محمداً: قال: خيبكم الله! قد والله خرج عليكم محمد، ثم ما ترک منكم رجلاً الا وقد وضع على رأسه تراباً.....قال ابن اسحاق: فلما أجمع رسول الله ﷺ الخروج، أتى أبا بكر بن أبى قحافة، فخرجا من خوخة لأبى بكر فى ظهر بيته، ثم عمداً الى غار ثور ـ جبل بأسفل مكة ـ فدخلاه وأمر أبوبكر ابنه عبدالله بن أبى بكر أن يتسمع لهما ما يقول الناس فيهما نهاره، ثم يأتيهما اذا أمسى بما يكون فى ذلک اليوم من الخبر، وأمر عامر بن فهيرة مولاه أن يرعى غنمه نهاره، ثم يريحها عليهما، يأتيهما اذا أمسى فى الغار. وكانت أسماء بنت أبى بكر تأتيهما من الطعام اذا أمست بما يصلحهما. (السيرة النبوية، هجرة الرسول ﷺ، ص: ١٢١ تا ١٢٧، ط، دار الكتاب العربى بيروت لبنان)

بیجا اور نامعقول سوال ہے کہ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ رکھا آپ کو بھی زندہ آسمان پر رکھنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ زیادہ دنوں تک زندہ رہنا یا آسمان پر رہنے سے کوئی فضیلت نبی کریم ﷺ پر ثابت نہیں ہوتی کیونکہ زیادتی عمر فضیلت ہوتی تو بہت سے صحابہ کرامؓ اور عوام امت کی عمریں آپ سے دوگنی چوگنی ہوئی ہیں ان کو بھی افضل کہہ سکیں گے اور اسی طرح اگر آسمان میں رہنا یا چڑھنا ہی مدار فضیلت ہو تو فرشتوں کو حضور ﷺ سے افضل ماننا لازم آئے گا جو نصوص شرعیہ اور اجماع امت کے خلاف ہے۔

آیت قد خلت من قبله الرسل. اور اموات غیر احیاء سے وفات مسیح پر استدلال صحیح نہیں:

(۴) **قد خلت من قبله الرسل** سے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر استدلال کرنا انہیں لوگوں کا کام ہے جنہیں عربی عبارت سمجھنے سے کوئی علاقہ نہیں اور جو محاورات زبان سے بالکل واقف نہیں کیونکہ اول تو اس جیسے عمومات سے کسی خاص واقعہ مشہورہ پر کوئی اثر محاورات کے اعتبار سے نہیں پڑتا بلکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بیمار طبیب سے پوچھے کہ پرہیز کس چیز کا ہے وہ کہہ دے کہ ترشی اور تیل مت کھاؤ ترشی اور تیل کے سوا ساری چیزیں کھاؤ مضر نہیں۔ اب اگر یہ بیوقوف جا کر پتھر یا لوہا کھائے یا سنکھیہ کھائے اور استدلال میں قادیانی مجتہدین کا سا استدلال پیش کرے کہ حکیم صاحب نے کہا تھا کہ ترشی اور تیل مت کھاؤ ترشی اور تیل کے سوا ساری چیزیں کھاؤ کوئی مضر نہیں اور ساری چیزوں میں پتھر اور لوہا اور سنکھیہ (زہر) بھی داخل ہے لہٰذا میں جو کچھ کھاتا ہوں حکیم صاحب کے فرمانے سے کھاتا ہوں انصاف کیجئے کہ کوئی عقلمند اس کو صحیح العقل سمجھے گا اور پھر یہ بھی انصاف کیجئے کہ اس قادیانی استدلال میں اور اس میں کوئی فرق ہے یا نہیں ذرا غور سے معلوم ہو جائے گا کہ اگر بالفرض خلت کے معنی موت ہی ہوں تو بھی اس سے ان انبیاء کی موت ثابت نہیں ہو سکتی جس کے قرآن وحدیث کی دوسری نصوص حیات ثابت کرتی ہیں جیسے سب چیز کھاؤ کے قول سے پتھر اور زہر کا کھانا داخل مراد نہیں۔ اس کے علاوہ خلت کے معنی لغت میں موت کے نہیں بلکہ

گزر جانے کے ہیں خواہ مر کر خواہ کسی دوسرے طریقہ سے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوا۔
امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں اس لفظ کے یہی معنی لکھتے ہیں۔

والخلو يستعمل في الزمان والمكان لكن لما تصور في الزمان المضي فسر اهل اللغة خلا الزمان بقولهم مضى الزمان و ذهب قال تعالى وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل. انتهى.

یہ لفظ صریح ہیں کہ خلت کے معنی قرآن شریف میں چلے جانے اور گزر جانے کے جس میں عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء بلاشبہ برابر ہو گئے تعجب ہے کہ قادیانی خانہ ساز پیغمبر کے صحابی اتنی سے بات کو کیوں نہیں سمجھتے اور اگر حق تعالیٰ ان کو چشم بصیرت عطا فرمائے اور وہ اب بھی غور کریں تو سمجھیں گے کہ یہ آیت بجائے وفات عیسیٰ پر دلیل ہونے کے حیات کی طرف مشیر ہے کیونکہ صریح لفظ ماتت وغیرہ چھوڑ کر خلت شاید اللہ تعالیٰ نے اس لئے اختیار فرمایا ہے کہ کسی بے وقوف کو موت عیسیٰ علیہ السلام کا شبہ نہ ہو جائے اگرچہ محاورہ شناس کو تو پھر شبہ کی گنجائش نہ تھی۔

(۵) **اموات غیر احیاء** ۔کی تفسیر باعتبار لغت بھی اور جو کچھ مفسرین نے تحریر فرمایا ہے اس کے اعتبار سے بھی یہی ہے کہ یہ سب حضرات ایک معین مدت کے بعد مرنے والے ہیں نہ یہ کہ بالفعل مر چکے ہیں اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے۔**انک میت و انهم میتون**. تو کیا اس کا یہ مطلب تھا کہ معاذ اللہ آپ اس وقت وفات پا چکے ہیں بلکہ بالاتفاق وہی معنے مذکور مراد ہیں کہ ایک وقت معین میں وفات پانے والے ہیں یہ بھی جھوٹی نبوت کی نحوست ہے کہ اتنی سے بات سمجھ میں نہ آئی۔

(۶) شیخ محی الدین ابن عربی کا قول استدلال میں پیش کرنا اول تو اصولاً غلطی ہے کیونکہ مسئلہ ختم نبوت عقیدہ کا مسئلہ ہے جو باجماع امت بغیر دلیل قطعی کے کسی چیز سے ثابت نہیں ہوسکتا اور دلیل قطعی قرآن کریم اور حدیث متواتر اور اجماع امت کے سوا کوئی نہیں ابن

عربی کا قول ان میں سے فرمائیے کس میں داخل ہے اس لئے اس کو استدلال میں پیش کرنا اصولی غلطی ہے۔ ثانیاً خود ابن عربی اپنی اسی کتاب فتوحات میں نیز فصول میں اس کی تصریح کرتے ہیں کہ نبوت شرعی ہر قسم کی ختم ہو چکی ہے ابن عربی اور دوسرے حضرات کی عبارتیں صریح وصاف رسائل ذیل میں مذکور ہیں **عقیدة الاسلام فی حیات عیسیٰ علیه السلام التنبیه الطربی فی الذب عن ابن العربی وغیره.**

اسی طرح صاحب مجمع البحار اور ملا علی قاری بھی اپنی دوسری تصانیف میں اس کی تصریح کرتے ہیں جو جمہور کا مذہب ہے یعنی ہر قسم کی نبوت ختم ہو چکی ہے آئندہ یہ عہدہ کسی کو نہ ملے گا۔ (امداد المفتین، ص: ۱۲۸ تا ۱۳۱، ط، دار الاشاعت کراچی)



کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی رضی اللہ عنہ قرب قیامت دنیا میں آئیں گے؟

﴿سوال﴾:

یہاں امریکہ میں کچھ لوگوں کا کہنا ہے: کہ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام واپس نہیں آئیں گے۔ اور امام مہدی بھی نہیں آئیں گے۔ تو صحیح بات کیا ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً﴾:

امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے پہلے آسمان سے اترنا اہل سنت والجماعت کے عقائد میں سے ہے۔ اور احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ شرح فقہ اکبر ص: ۱۰۱ پر اس کی تفصیل موجود ہے (۱۳۳)۔ اس لئے حقیقت کا

---

(۱۳۳): فی شرح الفقه الأكبر: (ونزول عيسى عليه السلام من السماء) كما قال الله تعالى وانه أى عيسى لعلم الساعة أى علامة القيامة وقال الله تعالى وان من أهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته أى قبل موت عيسىٰ عليه السلام بعد نزوله عند

انکار کرنا صحیح نہیں ہے۔اس کے خلاف عقیدہ رکھنا گمراہی ہے(۱۳۴)۔(فتاوی دینیہ، ج:۱، ص:۱۰۱)



قيام الساعة فتصير الملل واحدة وهی ملة الاسلام الحقيقة. وفی نسخة قدم طلوع الشمس على البقية و على كل تقدير فالواو لمطلق الجمعية والا فترتيب القضية أن المهدی عليه السلام يظهر أولا فی الحرمين الشريفين ثم يأتی بيت المقدس فيأتی الدجال ويحصره فی ذلک الحال فينزل عيسى عليه السلام من المنارة الشرقية فی دمشق الشام ويجئ الی قتال الدجال فيقتله بضربة فی الحال فانه يذوب كالملح فی الماء عند نزول عيسیٰ عليه السلام من السماء فيجتمع عيسیٰ عليه السلام بالمهدی رضی الله عنه وقد أقيمت الصلاة فيشير المهدی لعيسى بالتقديم فيمتنع معللا بأن هذه الصلاه أقيمت لک فأنت اولیٰ بأن تكون الامام فی هذه المقام ويقتدى به ليظهر متابعته لنبينا صلى الله تعالى عليه وسلم...الخ. (شرح الفقه الأكبر، بحث فی أن خروج الدجال وسائر ماجاء ت به السنة من أشراط الساعة حق، ص: ۱۰۱، ط، دار الكتب العربية الكبرىٰ مصر)

(۱۳۴): یہاں گمراہی سے مراد کفر ہے اس لیے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ السلام کا نزول احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے اور احادیث متواترہ کا انکار کفر ہے۔

فی تفسير ابن كثير: ذكر الأحاديث الواردة فی نزول عيسى ابن مريم الا الأرض من السماء فی آخر الزمان قبل يوم القيامة، وأنه يدعو الی عبادة الله وحده لاشريک له:

قال البخاری رحمه الله فی كتاب ذكر الأنبياء من صحيحه المتلقی بالقبول: (نزول عيسى ابن مريم ـ عليهما السلام): حدثنا اسحاق بن ابراهيم، حدثنا يعقوب بن ابراهيم، حدثنا أبی، عن صالح، عن ابن شهاب، عن سعيد بن المسيب، عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: والذی نفسی بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ونزول قرآن وحدیث کی روشنی میں

میرے دل میں دو تین سوال آئے ہیں جن کے جواب چاہتا ہوں، اور یہ جواب

حکماً عدلاً، فیکسر الصلیب، ویقتل الخنزیر، ویضع الجزیة، ویقبض المال حتی لایقبله أحد، حتی تکون السجدة خیرا من الدنیا وما فیها. ثم یقول أبو هریرةؓ: واقرؤوا ان شئتم: ﴿وان من أهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته ویوم القیامة یکون علیهم شهیداً﴾.......فهذه أحادیث متواترة عن رسول اللهﷺ من روایة أبی هریرة، وابن مسعود، وعثمان بن أبی العاص، وأبی أمامة، والنواس بن سمعان، وعبدالله بن عمرو بن العاص، ومجمع بن جاریة، وأبی سریحة حذیفة بن أسید رضی الله تعالیٰ عنهم.

وفیها دلالة علی صفة نزوله ومکانه، من أنه بالشام، بل بدمشق، عند المنارة الشرقیة، وأن ذلک یکون عند اقامة الصلاة للصبح. (تفسیر ابن کثیر، سورة النساء، الآیة: ۱۵۵تا ۱۵۹، ج: ۲، ص: ۴۵۵، تا ۴۶۴، ط، دار طیبة)

وفی الفتاوی التاتارخانیة: واذا روی رجل حدیثا عن النبیﷺ ورده آخر قال بعض مشایخنا انه یکفر، ومن المتأخرین من قال: ان کان متواترا یکفر، وکذلک لو قال بطریق الاستخفاف، سمعناه کثیرا یکفر. (الفتاوی التاتارخانیه، کتاب أحکام المرتدین، الفصل السابع: فیما یعود الی الأنبیاء علیهم السلام، ج:۷،ص:۳۰۵، ط، مکتبة زکریا، دیوبند)

وفی مجمع الانهر: ومن استخف بسنة، أو حدیث من أحادیثه علیه الصلاة والسلام أو رد حدیثاً متواتراً، أو قال: سمعناه کثیراً بطریق الاستخفاف کفر. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب السیر والجهاد، باب المرتد، ج: ۲، ص: ۵۰۶، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

قرآن مجید کے ذریعے دیئے جائیں، اور میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں ''احمدی'' ہوں، اگر آپ نے میرے سوالوں کے جواب صحیح دیئے تو ہوسکتا ہے کہ میں آپ کے قریب زیادہ آجاؤں۔

﴿سوال ۱﴾:

کیا آپ قرآن مجید کے ذریعے یہ بتا سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود ہیں اور اس جہان میں فوت نہیں ہوئے؟

﴿سوال ۲﴾:

کیا قرآن مجید میں کہیں ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے؟ اور وہ آکر امام مہدی کا دعویٰ کریں گے؟

﴿سوال ۳﴾:

''كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ'' کا لفظی معنی کیا ہے؟ اور کیا اس سے آپ کے دوبارہ آنے پر کوئی اثر نہیں پڑتا؟

﴿جواب﴾:

جہاں تک آپ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ: ''اگر آپ نے میرے سوالات کے جواب صحیح دیئے تو ہوسکتا ہے کہ میں آپ کے قریب آجاؤں'' یہ تو محض حق تعالیٰ کی توفیق وہدایت پر منحصر ہے۔ تاہم جناب نے جو سوالات کئے ہیں، میں ان کا جواب پیش کررہا ہوں اور یہ فیصلہ کرنا آپ کا اور دیگر قارئین کا کام ہے کہ میں جواب صحیح دے رہا ہوں یا نہیں؟ اگر میرے جواب میں کسی جگہ لغزش ہو تو آپ اس پر گرفت کرسکتے ہیں، وباللہ التوفیق!

اصل سوالات پر بحث کرنے سے پہلے میں اجازت چاہوں گا کہ ایک اصولی بات پیش خدمت کروں۔ وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور ان کی دوبارہ تشریف آوری کا مسئلہ آج پہلی بار میرے اور آپ کے سامنے نہیں آیا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور

سے لے کر آج تک یہ امت اسلامیہ کا متواتر اور قطعی عقیدہ چلا آتا ہے، امت کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہ رہا ہو، اور امت کے اکابر صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور ائمہ مجدّ دینؒ میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں جو اس عقیدے کا قائل نہ ہو۔ جس طرح نمازوں کی تعداد رکعات قطعی ہے، اسی طرح اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور آمد کا عقیدہ بھی قطعی ہے، خود جناب مرزا صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''مسیح ابن مریم کے آنے کی پیش گوئی ایک اوّل درجے کی پیش گوئی ہے، جس کو سب نے بالاتفاق قبول کرلیا ہے اور جس قدر صحاح میں پیش گوئی لکھی گئی ہیں کوئی پیش گوئی اس کے ہم پہلو اور ہم وزن ثابت نہیں ہوتی، تواتر کا اوّل درجہ اس کو حاصل ہے''۔ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن، ج:۳، ص:۴۰۰)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''اس امر سے دنیا میں کسی کو بھی انکار نہیں کہ احادیث میں مسیح موعود کی کھلی کھلی پیش گوئی موجود ہے، بلکہ قریباً تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احادیث کی رو سے ضرور ایک شخص آنے والا ہے جس کا نام عیسیٰ بن مریم ہوگا، اور یہ پیش گوئی بخاری اور مسلم اور ترمذی وغیرہ کتب حدیث میں اس کثرت سے پائی جاتی ہے جو ایک منصف مزاج کی تسلی کے لئے کافی ہے''۔

''یہ خبر مسیح موعود کے آنے کی اس قدر زور کے ساتھ ایک زمانے میں پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی جہالت نہ ہوگی کہ اس کے تواتر سے انکار کیا جائے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر اسلام کی وہ کتابیں جن کی رو سے یہ خبر سلسلہ وار شائع ہوتی چلی آئی ہے صدی وار مرتب کر کے اکٹھی کی جائیں تو ایسی کتابیں ہزارہا سے کچھ کم نہ ہوگی۔ ہاں! یہ بات اس

شخص کو سمجھانا مشکل ہے جو اسلامی کتابوں سے بالکل بے خبر ہے"۔ (شہادۃ القرآن، ص:۲، روحانی خزائن، ج:۶، ص:۲۹۸)

مرزا صاحب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کی احادیث کو متواتر اور امت کے اعتقادی عقائد کا مظہر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پھر ایسی احادیث جو تعامل اعتقادی یا عملی میں آکر اسلام کے مختلف گروہوں کا ایک شعار ٹھہر گئی تھیں، ان کو قطعیت اور تواتر کی نسبت کلام کرنا تو حقیقت جنون اور دیوانگی کا ایک شعبہ ہے"۔

جناب مرزا صاحب کے یہ ارشادات مزید تشریح و وضاحت کے محتاج نہیں، تاہم اس پر اتنا اضافہ ضرور کروں گا کہ:

۱:...احادیث نبویہ میں (جن کو مرزا صاحب قطعی متواتر تسلیم فرماتے ہیں)، کسی گمنام "مسیح موعود" کے آنے کی پیش گوئی نہیں کی گئی، بلکہ پوری وضاحت وصراحت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قرب قیامت میں دوبارہ نازل ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ پوری امت اسلامیہ کا ایک ایک فرد قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں صرف ایک ہی شخصیت کو "عیسیٰ علیہ السلام" کے نام سے جانتا پہچانتا ہے، جو آنحضرت ﷺ سے پہلے بنی اسرائیل میں آئے تھے، اس ایک شخصیت کے علاوہ کسی اور کے لئے "عیسیٰ بن مریم علیہ السلام" کا لفظ اسلامی ڈکشنری میں کبھی استعمال نہیں ہوا۔

۲:...آنحضرت ﷺ سے لے کر آج تک امت اسلامیہ میں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا عقیدہ متواتر رہا ہے، اس طرح ان کی حیات اور رفع آسمانی کا عقیدہ بھی متواتر رہا ہے، اور یہ دونوں عقیدے ہمیشہ لازم وملزوم رہے ہیں۔

۳:...جن ہزارہا کتابوں میں صدی وار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنا لکھا ہے، ان ہی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں اور قرب قیامت میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا انکار مرزا صاحب کے بقول

''دیوانگی اور جنوں کا ایک شعبہ ہے'' تو ان کی حیات کے انکار کا بھی یقیناً یہی حکم ہوگا۔ ان تمہیدی معروضات کے بعد اب آپ کے سوالوں کا جواب پیش خدمت ہے۔

ا:...حیات عیسیٰ علیہ السلام:

آپ نے دریافت کیا تھا کہ کیا قرآن کریم سے یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں؟ جواباً گزارش ہے کہ قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے یہ عقیدہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود کی گرفت سے بچا کر آسمان پر زندہ اٹھالیا۔

پہلی آیت:...سورۃ النساء آیت:۱۵۷،۱۵۸ میں یہود کا یہ دعویٰ نقل کیا ہے کہ:

''ہم نے مسیح بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا۔''

اللہ تعالیٰ ان کے اس ملعون دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''انہوں نے تو نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا، نہ انہیں سولی دی، بلکہ ان کو اشتباہ ہوا...اور انہوں نے آپ کو یقیناً قتل نہیں کیا، بلکہ ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے بڑی حکمت والا ہے''(۱۳۵)۔

---

(۱۳۵): قال اللّٰہ تبارک وتعالی: وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفي شک منه ما لهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه يقينا. بل رفعه الله اليه وكان الله عزيزاً حكيماً. (سورة النساء: ۱۵۷، ۱۵۸)

وفي مفاتيح الغيب:قلنا: قوله: (انی متوفيک) يدل على حصول التوفي وهو جنس تحته أنواع بعضها بالموت وبعضها بالاصعاد الى السماء، فلما قال بعدهٗ (و رافعک الی) كان هذا تعيينا للنوع ولم يكن تكراراً. (مفاتيح الغيب، سورة آل عمران، الآية: ۵۵، ج: ۸، ص: ۷۵، ط، دار الفكر)

یہاں جناب کو چند چیزوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں:

۱:... یہود کے دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قتل اور صلب (سولی دیئے جانے) کی تردید فرمائی، بعدازاں قتل اور رفع کے درمیان مقابلہ کر کے قتل کی نفی کی اور اس کی جگہ رفع کو ثابت فرمایا۔

۲:... جہاں قتل اور رفع کے درمیان اس طرح کا مقابلہ ہو، جیسا کہ اس آیت میں ہے، وہاں رفع سے روح اور جسم دونوں کا رفع مراد ہوسکتا ہے، یعنی زندہ اٹھالینا صرف روح کا رفع مراد نہیں ہوسکتا اور نہ رفع درجات مراد ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم، حدیث نبوی اور محاوراتِ عرب میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملے گی کہ کسی جگہ قتل کی نفی کر کے اس کی جگہ رفع کو ثابت کیا گیا ہو، اور وہاں صرف روح کا رفع یا درجات کا رفع مراد لیا گیا ہو، اور نہ یہ عربیت کے لحاظ سے ہی صحیح ہے۔

۳:... حق تعالیٰ شانہ جہت اور مکان سے پاک ہیں، مگر آسمان چونکہ بلندی کی جانب ہے اور بلندی حق تعالیٰ کی شان کے لائق ہے، اس لئے قرآن کریم زبان میں ''رفع الی اللہ'' کے معنی ہیں آسمان کی طرف اٹھایا جانا۔

۴:... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہود کی دست بُرد سے بچا کر صحیح سالم آسمان پر اٹھالیا جانا آپ کی قدر ومنزلت کی دلیل ہے، اس لئے یہ رفع جسمانی بھی ہے اور روحانی اور مرتبی بھی۔ اس کو صرف رفع جسمانی کہہ کر اس کو رفع روحانی کے مقابل سمجھنا غلط ہے، ظاہر ہے کہ اگر صرف ''روح کا رفع'' عزت کرامت ہے تو ''روح اور جسم دونوں کا رفع'' اس سے بڑھ کر موجب عزت وکرامت ہے۔

۵:... چونکہ آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا واقعہ عام لوگوں کی عقل سے بالاتر تھا اور اس بات کا احتمال تھا کہ لوگ اس بارے میں چہ میگوئیاں کریں گے ان کو آسمان پر کیسے اٹھالیا؟ اس کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اللہ تعالیٰ زمین پر ان کی حفاظت نہیں کرسکتا تھا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی اور نبی کو کیوں نہیں اٹھایا گیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام شبہات کا جواب ”وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا“ (النساء:۱۵۸) میں دے دیا گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ زبردست ہے، پوری کائنات اس کے قبضہ قدرت میں ہے، اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صحیح سالم اٹھالینا اس کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں اور ان کے ہاں زندہ رہنے کی استعداد پیدا کردینا بھی اس کی قدرت میں ہے، کائنات کی کوئی چیز اس کے ارادے کے درمیان حائل نہیں ہوسکتی اور پھر وہ حکیم مطلق بھی ہے، اگر تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو تمہیں اجمالی طور پر یہ ایمان رکھنا چاہئے کہ اس حکیم مطلق کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالینا بھی خالی از حکمت نہیں ہوگا، اس لئے تمہیں چون و چرا کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر یقین رکھنا چاہئے۔

۲:... اس آیت کی تفسیر میں پہلی صدی سے لے کر تیرہویں صدی تک کے تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ اٹھایا گیا اور وہی قرب قیامت میں آسمان سے نزول اجلال فرمائیں گے۔ چونکہ تمام بزرگوں کے حوالے دینا ممکن نہیں، اس لئے میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر پر اکتفا کرتا ہوں۔ ”جو قرآن کریم کے سمجھنے میں اوّل نمبر والوں میں سے ہیں اور اس بارے میں ان کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا بھی ہے“ (۱۳۶)۔

تفسیر درمنثور (ج:۲ص:۳۶)، تفسیر ابن کثیر (ج:۱ص:۳۶۶)، تفسیر ابن جریر (ج:۳ص:۲۰۲) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا:

---

(۱۳۶): عن عکرمة، عن ابن عباسؓ قال: ضمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی صدرہ وقال: اللّٰھم علمه الحکمة.

حدثنا ابو معمر: حدثنا عبدالوارث وقال: اللّٰھم علمه الکتاب. (صحیح البخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب ذکر ابن عباس رضی اللہ عنھما، ص: ۷۷۰، رقم: ۳۷۵۶، ط، دار السلام ریاض)

''بے شک عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں اور بے شک وہ تمہاری طرف دوبارہ آئیں گے'' (۱۳۷)۔

تفسیر درمنثور (ج:۲ص:۳۰) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عیسائیوں کے وفد سے مباحثہ کرتے ہوئے فرمایا:

''کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا، اور عیسیٰ علیہ السلام پر موت آئے گی؟'' (۱۳۸)۔

تفسیر ابن کثیر (ج:۱ص:۵۷۴)، تفسیر درمنثور (ج:۲ص:۲۳۸) میں حضرت ابن عباسؓ سے بہ سند صحیح منقول ہے کہ:

''جب یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے کے لئے آئے تو اللہ

---

(۱۳۷): وأخرج ابن جرير، وابن أبی حاتم، من وجه آخر، عن الحسن فی قوله: ﴿انی متوفیک﴾: یعنی وفاة المنام، رفعه اللّٰه فی منامه. قال الحسن: قال رسول اللّٰه ﷺ للیهود: ان عیسیٰ لم یمت، وانه راجع الیکم قبل یوم القیامة.
(الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة آل عمران، الآیة: ۵۵، ج: ۳، ص: ۵۹۶/ تفسیر الطبری، سورة آل عمران، الآیة: ۵۵، ج: ۵، ص: ۴۴۸/ تفسیر ابن کثیر، سورة آل عمران، الآیة: ۵۵، ج: ۲، ص: ۴۷، ط، دار طیبة)

(۱۳۸): عن الربیع فی قوله: ﴿آلم اللّٰه لآ اله الا هو﴾. قال: ان النصاری أتوا رسول اللّٰه ﷺ فخاصموه فی عیسی ابن مریم، وقالوا له: من أبوه؟ وقالوا علی اللّٰه الکذب والبهتان ـ لا اله الا هو، لم یتخذ صاحبة ولاولداً ـ فقال لهم النبی ﷺ: ألستم تعلمون أنه لایکون ولداً الا وهو یشبه أباه؟ قالوا: بلی. قال: ألستم تعلمون أن ربنا حی لایموت، وأن عیسیٰ یأتی علیه الفناء؟ قالوا: بلی. قال: ألستم تعلمون أن ربنا قیم علی کل شیء یکلوه ویحفظه ویرزقه؟ قالوا: بلی. قال: فهل یملک عیسیٰ من ذلک شیئاً؟ قالوا: لا. الخ. (تفسیر الطبری، سورة آل عمران، الآیة: ۲، ج: ۵، ص: ۱۷۴/ الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة آل عمران، الآیة: ۲، ج: ۳، ص: ۴۴۳)

تعالیٰ نے ان کی شباہت ایک شخص پر ڈال دی، یہود نے اسی ''مثیل مسیح'' کو مسیح سمجھ کر صلیب پر لٹکا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مکان کے اوپر زندہ آسمان پر اٹھالیا'' (۱۳۹)۔

جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں امت کے تمام اکابر مفسرین ومجدّدین متفق اللفظ ہیں کہ اس آیت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا، اور

---

(۱۳۹): **قال ابن أبي حاتم: حدثنا أحمد بن سنان، حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن المنهال بن عمرو، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباسؓ قال: لما أراد اللّٰہ أن يرفع عيسیٰ الی السماء، خرج علی أصحابه۔ وفي البيت اثنا عشر رجلاً من الحواريين ۔ يعني: فخرج عليهم من عين في البيت، ورأسه يقطر ماء، فقال: ان منكم من يكفر بي اثنتي عشرة مرة، بعد أن آمن بي. ثم قال: أيكم يلقی عليه شبهي، فيقتل مكاني ويكون معي في درجتي؟ فقام شاب من أحدثهم سنا، فقال له: اجلس. ثم أعاد عليهم فقام ذلک الشاب، فقال: اجلس. ثم أعاد عليهم فقام الشاب فقال: أنا. فقال: أنت هو ذاک. فألقي عليه شبه عيسیٰ. ورفع عيسیٰ من روزنة في البيت الی السماء. قال: وجاء الطلب من اليهود فأخذوا الشبه فقتلوه، ثم صلبوه وكفر به بعضهم اثنتي عشرة مرة، بعد أن آمن به، افترقوا ثلاث فرق، فقالت طائفة: كان اللّٰہ فينا ما شاء ثم صعد الی السماء. وهؤلاء اليعقوبية، وقالت فرقة: كان فينا ابن اللّٰہ ما شاء، ثم رفعه اللّٰہ اليه. وهؤلاء النسطورية، وقالت فرقة: كان فينا عبداللّٰہ ورسوله ما شاء، ثم رفعه اللّٰہ اليه. وهؤلاء المسلمون، فتظاهرت الكافرتان علی المسلمة، فقتلوها، فلم يزل الاسلام طامساً حتی بعث اللّٰہ محمداً ﷺ. وهذا الاسناد صحيح الی ابن عباسؓ، ورواه النسائي عن أبي كريب، عن أبي معاوية، بنحوه.** (تفسير ابن كثير، سورة النساء، الآية: ١٥٥ تا ١٥٩، ج: ٢، ص: ٤٤٩، ٤٥٠، ط، دار طيبة/ الدرالمنثور في التفسير بالمأثور، سورة النساء، الآية: ١٥٦، ١٥٧، ج: ٥، ص: ٩٦)

سوائے فلاسفہ اور زنادقہ کے سلف میں سے کوئی قابل ذکر شخص اس کا منکر نہیں ہوا(۱۴۰)، اور نہ کوئی شخص اس بات کا قائل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی چڑھنے اور پھر صلیبی زخموں سے شفایاب ہونے کے بعد کشمیر چلے گئے اور وہاں ۸۷ برس بعد ان کی وفات ہوئی۔

اب آپ خود ہی انصاف فرماسکتے ہیں کہ امت کے اس اعتقادی تعامل کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی میں شک کرنا، اور اس کی قطعیت اور تواتر میں کلام کرنا، جناب مرزا صاحب کے بقول ''درحقیقت جنوں اور دیوانگی کا ایک شعبہ'' ہے یا نہیں...؟

۲:...حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری:

سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری کا مضمون قرآن کریم کی کئی آیتوں میں ارشاد ہوا ہے، اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ متواتر احادیث جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی اطلاع دی گئی ہے اور جن پر بقول مرزا صاحب کے ''امت کا اعتقادی تعامل چلا آرہا ہے'' وہ سب انہی آیات کریمہ کی تفسیر ہیں۔

پہلی آیت:

سورۃ الصّف آیت:۹ میں ارشاد ہے:

''وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول، ہدایت اور دین حق دے کر

---

(۱۴۰): فی الیواقیت والجواهر: (فان قیل): فما الدلیل علی نزوله عیسیٰ علیه السلام من القرآن؟

(فالجواب): الدلیل علی نزوله قوله تعالیٰ: ﴿وان من أهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته﴾ [النساء: ۱۵۹] أی حین ینزل ویجتمعون علیه وأنکرت المعتزلة والفلاسة والیهود والنصاری عروجه بجسده الی السماء. (الیواقیت والجواهر فی بیان عقائد الأکابر، المبحث الخامس والستون: فی بیان أن جمیع أشراط الساعة التی أخبرنا بها الشارع حق، ص: ۵٦٧، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

تاکہ اسے غالب کردے تمام دینوں پر، اگرچہ کتنا ہی ناگوار ہو مشرکوں کو"(۱۴۱)۔

"یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے، اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعے سے ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔ لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت اور انکسار اور توکل اور ایثار اور آیات اور انوار کے رُو سے مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہے....سو چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت نامہ ہے، اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیش گوئی میں ابتدا سے عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے۔ یعنی حضرت مسیح پیش گوئی متذکرہ بالا کا ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہے اور یہ عاجز روحانی اور معقولی طور پر۔" (براہین احمدیہ مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب ص: ۴۹۸، ۴۹۹، روحانی خزائن ج: ۱ ص: ۵۹۳،۵۹۴)

"یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ایک کامل ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو ہر ایک قسم کے دین پر غالب کردے یعنی ایک عالم گیر غلبہ اس کو عطا کرے اور چونکہ وہ عالم گیر غلبہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ظہور میں نہیں آیا اور ممکن نہیں کہ خدا کی پیشگوئی میں کچھ تخلف ہو، اس لئے آیت کی نسبت ان سب متقدمین کا اتفاق ہے جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں کہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ظہور میں آئے

(۱۴۱): قال اللّٰہ تبارک وتعالی: هو الذی أرسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کلهٖ ولو کره المشرکون. (الصف: ۹)

گا۔" (چشمہ معرفت مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب ص: ۸۳، ۹۱، روحانی خزائن ج:۲۳ص:۹۱)

جناب مرزا صاحب کی اس تفسیر سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

۱:...اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسمانی طور پر دوبارہ آنے کی پیش گوئی کی گئی ہے۔

۲:...مرزا صاحب پر بذریعہ الہام خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس آیت کی پیش گوئی کا جسمانی اور ظاہری طور پر مصداق ہیں۔

۳:...امت کے تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ اسلام کا غلبہ کاملہ حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں ہوگا۔

جناب مرزا صاحب کی الہامی تفسیر سے جس پر تمام مفسرین کے اتفاق کی مہر بھی ثبت ہے، یہ ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ کے اس قرآنی وعدہ کے مطابق سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام ضرور دوبارہ تشریف لائیں گے اور ان کے ہاتھ سے اسلام تمام مذاہب پر غالب آجائے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ: "اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تمام مذاہب کو مٹادیں گے" (۱۴۲)۔ (ابوداؤد ص: ۵۹۴، مسند احمد ج:۲ص:۴۰۶)۔

بعد میں جناب مرزا صاحب نے خود مسیحیت کا منصب سنبھال لیا، لیکن یہ تو فیصلہ

---

(۱۴۲): عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ليس بينی وبينه يعنی عيسى عليه السلام، نبی، وانه نازل فاذا رأيتموه فاعرفوه: رجل مربوع الى الحمرة والبياض بين ممصرتين كأن رأسه يقطر وان لم يصبه بلل، فيقاتل الناس على الاسلام فيدق الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية ويهلك الله فی زمانه الملل كلها الا الاسلام ويهلك المسيح الدجال فيمكث فی الأرض أربعين سنة ثم يتوفى فيصلی عليه المسلمون. (سنن أبی داؤد، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال، ص: ٦٠٧، رقم: ٤٣٢٤، ط، دار السلام رياض)

آپ کر سکتے ہیں کہ کیا ان کے زمانے میں اسلام کو غلبہ کاملہ نصیب ہوا؟ نہیں! بلکہ اس کے برعکس یہ ہوا کہ دنیا بھر کے مسلمان جناب مرزا صاحب کو نہ ماننے کی وجہ سے کافر ٹھہرے، ادھر مسلمانوں نے مرزا صاحب اور ان کی جماعت کو اسلام سے الگ ایک فرقہ سمجھا، نتیجہ یہ کہ اسلام کا وہ غلبہ کاملہ ظہور میں نہ آیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مقدّر تھا۔ اس لئے جناب مرزا صاحب کے دعویٰ مسیحیت کے باوجود زمانہ قرآن کے وعدے کا منتظر ہے اور یقین رکھنا چاہئے کہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام اس وعدے کے ایفاء کے لئے خود بنفس نفیس تشریف لائیں گے، کیونکہ بقول مرزا صاحب... ''ممکن نہیں کہ خدا کی پیش گوئی میں کچھ تخلف ہو''۔

دوسری آیت:

سورۃ النساء آیت: ۱۵۹ میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے اور تمام اہل کتاب کے ان پر ایمان لانے کی خبر دی ہے(۱۴۳)، چنانچہ ارشاد ہے:

''اور نہیں کوئی اہل کتاب سے مگر البتہ ایمان لاوے گا ساتھ اس کے موت اس کی کے پہلے اور دن قیامت کے ہوگا اوپر ان کے گواہ۔''

(فصل الخطاب ج:۲ ص:۸۰ مؤلفہ حکیم نوردین قادیانی)

حکیم صاحب کا ترجمہ بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے فارسی ترجمہ کا گویا اردو ترجمہ ہے۔ شاہ صاحب اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''یعنی یہودی کہ حاضر شوند نزول عیسیٰ را البتہ ایمان آرند''۔

ترجمہ:... ''یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو یہودی نزول عیسی علیہ السلام کے وقت موجود ہوں گے وہ ایمان لائیں گے۔''

---

(۱۴۳): قال اللہ تبارک وتعالی: وان من أهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيداً. (سورة النساء: ۱۵۹)

اس آیت کے ترجمے سے معلوم ہوا کہ:

ا:...عیسیٰ علیہ السلام کا آخری زمانے میں دوبارہ تشریف لانا مقدرّ ہے۔

۲:...تب سارے اہلِ کتاب ان پر ایمان لائیں گے۔

۳:..اور اس کے بعد ان کی وفات ہوگی۔

پورے قرآن مجید میں صرف اس موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا ذکر ہے، جس سے پہلے تمام اہل کتاب کا ان پر ایمان لانا شرط ہے۔

اب اس آیت کی وہ تفسیر ملاحظہ فرمایئے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہؓ وتابعینؒ سے منقول ہے۔

صحیح بخاری ج:اص: ۴۹۰ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات میں امام بخاریؒ نے ایک باب باندھا ہے: ''باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام'' اور اس کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے:

> ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! البتہ قریب ہے کہ نازل ہوں تم میں ابن مریم حاکم عادل کی حیثیت سے، پس توڑ دیں گے صلیب کو اور قتل کریں گے خنزیر کو اور موقوف کریں گے لڑائی اور بہہ پڑے گا مال، یہاں تک کہ نہیں قبول کرے گا اس کو کوئی شخص، یہاں تک کہ ایک سجدہ بہتر ہوگا دنیا بھر کی دولت سے۔ پھر فرماتے تھے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ پڑھو اگر چاہو قرآن کریم کی آیت: ''اور نہیں کوئی اہل کتاب میں سے مگر ضرور ایمان لائے گا (حضرت) عیسیٰ پر ان کی موت سے پہلے اور ہوں گے عیسیٰ (علیہ السلام) قیامت کے دن ان پر گواہ'' (۱۴۴)۔

(۱۴۴): عن ابن شهاب: أن سعيد بن المسيب، سمع أبا هريرة رضى الله عنه

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی قرآن کی اس آیت کی تفسیر ہے، اسی لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لئے آیت کا حوالہ دیا۔ امام محمد بن سیرینؒ کا ارشاد ہے کہ ابوہریرہ کی ہر حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتی ہے (۱۴۵)۔

بخاری شریف کے اسی صفحے پر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول کی خبر دیتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے "وامامکم منکم" فرمایا (۱۴۶)۔

یہ حدیث بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ دونوں حدیثوں سے آنحضرت ﷺ کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری زمانے میں حاکم عادل کی حیثیت سے اس امت میں تشریف لانا۔

۲:... کنز العمال ج:۱۴ص:۶۱۹ (حدیث نمبر:۳۹۷۲۶) میں بروایت ابن عباس

قال: قال رسول اللهﷺ: والذی نفسی بیده لیوشکن أن ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلاً، فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر، ویضع الجزیة، ویقبض المال حتی لایقبله أحد، حتی تکون السجدة الواحدة خیر من الدنیا وما فیها. ثم یقول ابوهریرة رضی اللّٰه تعالی عنه: واقرؤا ان شئتم ﴿وان من أهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته و یوم القیامة یکون علیهم شهیدا﴾. (صحیح البخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب نزول عیسی بن مریم علیهما السلام، ص: ۷۱۰، رقم: ۳٤٤۸، دار السلام ریاض)

(۱۴۵): عن محمد بن سیرین انه کان اذا حدث عن ابی هریرةؓ فقیل له عن النبیﷺ فقال کل حدیث ابی هریرةؓ عن النبیﷺ وانما کان یفعل ذلک لأن ابا هریرة لم یکن یحدثهم الا عن النبیﷺ. (شرح معانی الآثار مع امانی الاحبار، باب سور الهرة، ج: ۱، ص: ۷۰، ط، ادارة تالیفات اشرفیه ملتان)

(۱۴۶): عن نافع مولی أبی قتادة الأنصاری: أن ابا هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: کیف أنتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم. (صحیح البخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب نزول عیسی بن مریم علیهما السلام، ص: ۷۱۰، رقم: ۳٤٤۹، دار السلام ریاض)

رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''میرے بھائی عیسیٰ بن مریم آسمان سے نازل ہوں گے.... الخ''(۱۴۷)۔

۳:...امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات ص:۴۲۴ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''تم کیسے ہو گے جب عیسیٰ بن مریم تم میں آسمان سے نازل ہوں گے اور تم میں شامل ہو کر تمہارے امام ہوں گے''(۱۴۸)۔

۴:...تفسیر درمنثور ج:۲ص:۲۴۲ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''میرے اور عیسیٰ بن مریم کے درمیان کوئی اور رسول نہیں ہوا، دیکھو! وہ میرے بعد میری امت میں میرے خلیفہ ہوں گے''(۱۴۹)۔

---

(۱۴۷): **قال ابن عباسؓ: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فعند ذلک ینزل أخی عیسیٰ ابن مریم من السماء علی أفیق اماماً هادیاً وحکما عدلا...الخ.** (کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، کتاب القیامة، نزول عیسی علیه الصلاة والسلام، ص: ۱۹۳۰، رقم: ۳۹۷۲۶، ط، بیت الافکار الدولیة)

(۱۴۸): **وأخرج أحمد، والبخاری، ومسلم، والبیهقی فی الأسماء والصفات، عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کیف أنتم اذا نزل فیکم ابن مریم وامامکم منکم.** (الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة النساء، الآیة: ۱۵۹، ج: ۵، ص: ۱۱۲)

(۱۴۹): **وأخرج الطبرانی عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ألا ان عیسیٰ ابن مریم لیس بینی وبینه نبی ولا رسول، ألا انه خلیفتی فی أمتی من بعدی، ألا انه یقتل الدجال، ویکسر الصلیب، ویضع الجزیة، وتضع الحرب أوزارها، ألا من أدرکه منکم فلیقرأ علیه السلام.** (الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة النساء، الآیة: ۱۵۹، ج: ۵، ص: ۱۱۳)

۵:...ابوداؤد ص:۵۹۴ اور مسند احمد ج:۲ ص:۴۰۶ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''انبیائے کرام باپ شریک بھائی ہیں۔ ان کی مائیں (شریعتیں) الگ الگ ہیں اور دین سب کا ایک ہے، اور مجھے سب سے زیادہ تعلق عیسیٰ بن مریم سے ہے کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا۔ اور بے شک وہ تم میں نازل ہوں گے، پس جب ان کو دیکھو تو پہچان لینا، ان کا حلیہ یہ ہے: قد میانہ، رنگ سرخ وسفید، دو زرد رنگ کی چادریں زیب بدن ہوں گی، سر سے گویا قطرے ٹپک رہے ہوں گے، خواہ ان کو تری نہ پہنچی ہو، پس لوگوں سے اسلام پر قتال کریں گے، پس صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ موقوف کردیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں تمام مذاہب کو مٹادیں گے اور مسیح دجال کو ہلاک کردیں گے، پس زمین میں چالیس برس ٹھہریں گے، پھر ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے'' (۱۵۰)۔

---

(۱۵۰): عن عبدالرحمٰن بن آدم، عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ، أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال: الأنبياء اخوة لعلات، أمهاتهم شتى، ودينهم واحد، وأنا أولى الناس بعيسىٰ ابن مريم لأنه لم يكن بينی وبينه نبی، وانه نازل، فاذا رأيتموه فاعرفوه رجلا مربوعا الى الحمرة والبياض، عليه ثوبان ممصران، كأن راسه يقطر وان لم يصبه بلل، فيدق الصليب، ويقتل الخنزير، ويضع الجزية ويدعوا الناس الى الاسلام، فيهلك الله فی زمانه الملل كلها الا الاسلام، ويهلك الله فی زمانه المسيح الدجال، وتقع الأمنة على الأرض، حتى يرتع الأسود مع الأبل، والنمار مع البقر، والذئاب مع الغنم، ويلعب الصبيان بالحيات لاتضرهم، فيمكث أربعين سنة، ثم يتوفى ويصلی عليه المسلمون. أخرجه أحمد ۲/ ۴۰۶...وأبو داؤد: ۴۳۲۴، قال: حدثنا هدبة بن خالد. قال: حدثنا همام بن يحيىٰ. (المسند الجامع، مسند أبی هريرة رضی اللہ عنہ، باب أشراط

یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں جن سے آیت زیر بحث کی تشریح ہو جاتی ہے۔

اب چند صحابہؓ وتابعینؒ کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمایئے:

۱:... مستدرک حاکم ج:۲ص:۳۰۹، درمنثور ج:۲ص:۲۴۱، اور تفسیر ابن جریر ج:۶ ص:۱۴ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر فرمائی ہے کہ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے کی خبر دی گئی ہے اور یہ کہ جب وہ تشریف لائیں گے تو ان کی موت سے پہلے آسمان سے نازل ہوں گے تو اس وقت جتنے اہل کتاب ہوں گے آپ کی موت سے پہلے آپ پر ایمان لائیں گے(۱۵۱)۔

۲:... ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس آیت کی تفسیر یہ فرماتی ہیں کہ ہر اہلِ کتاب اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا اور جب وہ قیامت سے پہلے آسمان سے نازل ہوں گے تو اس وقت جتنے اہلِ کتاب ہوں آپ کی موت سے پہلے آپ پر ایمان لائیں گے(۱۵۲)۔(تفسیر درمنثور ج:۲ص:۲۴۱)

الساعة، ج: ۱۸، ص: ٤٣٤، ٤٣٥، رقم: ۱٥٢٥٣، ط، رقم: دار الجيل بيروت لبنان)

(۱۵۱):أخرج الفريابي، وعبد بن حميد، والحاكم وصححه، عن ابن عباسؓ في قوله: ﴿وان من أهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته﴾. قال: خروج عيسى ابن مريم.

وأخرج ابن جرير عن ابن عباسؓ في الآية قال: يعني أنه سيدرك أناس من أهل الكتاب حين يبعث عيسىٰ، سيؤمنون به. (الدرالمنثور في التفسير بالمأثور، سورة النساء، الآية: ۱٥٨، ۱٥٩، ج: ٥، ص: ۱٠٦)

(۱۵۲):وأخرج ابن المنذر عن شهر بن حوشب قال: قال لي الحجاج: يا شهر، آية من كتاب الله ما قرأتها الا اعترض في نفسي منها شيء، قال الله: ﴿وان من أهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته﴾. واني أوتي بالأسارى فأضرب أعناقهم ولا أسمعهم يقولون شيئا؟ فقلت: رفعت اليك على غير وجهها، ان النصراني اذا

۳:...درمنثور کے مذکورہ صفحے پر یہی تفسیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے حضرت محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ سے منقول ہے(۱۵۳)۔

۴:..اور تفسیر ابن جریر ج:۶ ص:۱۴ میں یہی تفسیر اکابر تابعین حضرت قتادہؒ، حضرت محمد بن زید مدنیؒ (امام مالکؒ کے استاذ)، حضرت ابو مالک غفاریؒ اور حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے(۱۵۴)۔حضرت حسن بصریؒ کے الفاظ یہ ہیں:

خرجت روحه ضربته الملائكة من قبله ومن دبره وقالوا: أى خبيث، ان المسيح الذى زعمت أنه اللّٰه، أو ابن اللّٰه، أو ثالث ثلاثة، عبداللّٰه وروحه و كلمته. فيؤمن حين لاينفعه ايمانه، وان اليهودى اذا خرجت نفسه ضربته الملائكة من قبله ومن دبره وقالوا: أى خبيث، وان المسيح الذى زعمت قتلته، عبداللّٰه وروحه. فيؤمن به حين لاينفعه الايمان. فاذا كان عند نزول عيسى آمنت به أحياؤهم كما آمنت به موتاهم، فقال: من أين أخذتها؟ فقلت: من محمد بن على. قال: لقد أخذتها من معدنها. قال شهر: وايم اللّٰه، ما حدثنيه الا أم سلمة، ولكن أحببت أن أغيظه.
(الدرالمنثور فى التفسير بالمأثور، سورة النساء: ۱۵۹، ج: ۵، ص: ۱۰۸، ۱۰۹)

(۱۵۳):وأخرج عبد بن حميد، وابن المنذر، عن شهر بن حوشب فى قوله: ﴿وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته﴾. عن محمد بن علىؓ بن أبى طالب، هو ابن الحنفية، قال: ليس من أهل الكتاب أحد الا أتته الملائكة يضربون وجهه ودبره، ثم يقال: يا عدو اللّٰه، ان عيسى روح اللّٰه و كلمته، كذبت على اللّٰه، وزعمت أنه اللّٰه، ان عيسىٰ لم يمت وانه رفع الى السماء، وهو نازل قبل أن تقوم الساعة، فلايبقى يهودى ولانصرانى الا آمن به. (الدرالمنثور فى التفسير بالمأثور، سورة النساء: ۱۵۹، ج: ۵، ص: ۱۰۸)

(۱۵۴):قال ابن جرير: حدثنى يعقوب، قال: ثنا ابن علية، عن أبى رجاء، عن الحسن فى قوله: ﴿وان من أهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته﴾. قال: قبل موت عيسىٰ، واللّٰه انه الآن لحى عنداللّٰه، ولكنه اذا نزل آمنوا به أجمعون.

''آیت میں جس ایمان لانے کا ذکر ہے یہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ بھی آسمان پر زندہ ہیں، لیکن آخری زمانے میں جب وہ نازل ہوں گے تو ان پر سب لوگ ایمان لائیں گے''۔

اس آیت کی جو تفسیر میں نے آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ وتابعین سے نقل کی ہے بعد کے تمام مفسرین نے اسے نقل کیا ہے اور اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے، لہٰذا کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری کی خبر دی ہے اور دور نبوی سے آج تک یہی عقیدہ مسلمانوں میں متواتر چلا آرہا ہے۔

تیسری آیت:

سورۂ زخرف آیت:۶۱ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہے:

''اور وہ نشانی ہے قیامت کی، پس تم اس میں مت شک کرو''(۱۵۵)۔

اس آیت کی تفسیر میں آنحضرت ﷺ اور بہت سے صحابہؓ وتابعینؒ کا ارشاد ہے کہ:

حدثنا الحسن بن یحیی، قال: أخبرنا عبدالرزاق، قال: أخبرنا معمر، عن قتادة: ﴿وان من أهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته﴾. قال: قبل موت عیسیٰ اذا نزل آمنت به الأدیان کلها.

حدثنا ابن وکیع، قال: ثنا عمران بن عیینة، عن حصین، عن أبی مالک، قال: لایبقی أحد منهم عند نزول عیسیٰ الا آمن به.

حدثنی یونس، قال: أخبرنا ابن وهب، قال: قال ابن زید فی قوله: ﴿وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته﴾. قال: اذا نزل عیسی ابن مریم، فقتل الدجال، لم یبق یهودی فی الأرض الا آمن به. قال: فذلک حین لاینفعهم الایمان. (تفسیر الطبری، سورة النساء، الآیة:۱۵۹، ج: ۷، ص: ۶۶۵، ۶۶۶)

(۱۵۵): قال اللّٰه تبارک وتعالی: وانه لعلم للساعة فلاتمترن بها. (الزخرف: ۶۱)

عیسیٰ علیہ السلام کا آخری زمانے میں نازل ہونا قربِ قیامت کی نشانی ہوگی۔

ا:...صحیح ابن حبان میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

''قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نازل ہونا قیامت کی نشانی ہے''(۱۵۶)۔(موارد الظمآن ج:۵ ص:۴۳۵ حدیث:۱۷۵۸)

۲:...حضرت حذیفہ بن اُسید الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ہم آپس میں مذاکرہ کررہے تھے، اتنے میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو فرمایا کہ: کیا مذاکرہ ہورہا تھا؟ عرض کیا: قیامت کا تذکرہ کررہے تھے! فرمایا: قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو! دخان، دجال، دابۃ الارض، مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا، عیسیٰ بن مریم کا نازل ہونا، یأجوج ومأجوج کا نکلنا...الخ''(۱۵۷)۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ ص:۴۷۲)

---

(۱۵۶): **عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ فی قوله: ﴿وانه لعلم للساعة﴾** [الزخرف: ٦١]، **قال نزول عیسیٰ بن مریم من قبل یوم القیامة.** (الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، ذکر البیان بأن نزول عیسیٰ بن مریم من أعلام الساعة، ج: ٧، ص: ٤٦٤، رقم: ٦٨٥٩، ط، دار التاصیل)

(۱۵۷): **عن حذیفة بن اسید الغفاری قال اطلع النبی ﷺ علینا ونحن نتذاکر فقال ما تذکرون قالوا نذکر الساعة قال انها لن تقوم حتی تروا قبلها عشر آیات فذکر الدخان والدجال والدابة وطلوع الشمس من مغربها ونزول عیسی ابن مریم ویاجوج وماجوج وثلثة خسوف خسف بالمشرق وخسف بالمغرب وخسف بجزیرة العرب واخر ذلک نار تخرج من الیمن تطرد الناس الی محشرهم وفی روایة نار تخرج من قعر عدن تسوق الناس الی المحشر وفی روایة فی العاشرة وریح تلقی الناس فی البحر رواه مسلم.** (مشکاة المصابیح، باب العلامات بین یدی

۴:...اور حدیث معراج جسے میں پہلے بھی کئی بار نقل کر چکا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

معراج کی رات میری ملاقات حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ہوئی، قیامت کا تذکرہ ہوا کہ کب آئے گی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا، موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی، پھر عیسیٰ علیہ السلام کی باری آئی تو انہوں نے فرمایا:

''قیامت کا ٹھیک ٹھیک وقت تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی معلوم نہیں، البتہ مجھ سے میرے رب کا ایک عہد ہے کہ قربِ قیامت میں دجال نکلے گا تو میں اسے قتل کرنے کے لئے نازل ہوں گا۔ (آگے قتل دجال اور یأجوج مأجوج کے نکلنے کی تفصیل ہے، اس کے بعد فرمایا) پس مجھ سے میرے رب کا عہد ہے کہ جب یہ سب کچھ ہو جائے گا تو قیامت کی مثال پورے دنوں کی حاملہ جیسی ہوگی'' (۱۵۸)۔ (مسند احمد ج:۱ص:۳۷۵، ابن

الساعة و ذکر الدجال، ص: ٤٧٢، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

(۱۵۸):عن عبداللّٰہ بن مسعود قال لما کان لیلة اسری برسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لقی ابراهیم وموسی وعیسیٰ فتذاکروا الساعة فبدؤا بابراهیم فسالوه عنها فلم یکن عنده منها علم ثم سالوا موسیٰ فلم یکن عنده منها علم فرد الحدیث الی عیسیٰ بن مریم فقال قد عهد الی فیما دون وجبتها فاما وجبتها فلایعلمها الا اللّٰہ فذکر خروج الدجال قال فانزل فاقتله فیرجع الناس الی بلادهم فیستقبلهم یاجوج وماجوج وهم من کل حدب ینسلون فلایمرون بماء الا شربوه ولاشیء الا افسدوه فیجأرون الی اللّٰہ فادعو اللّٰہ ان یمیتهم فتنتن الارض من ریحهم فیجأرون الی اللّٰہ فادعو اللّٰہ فیرسل السماء بالماء فیحملهم فی البحر ثم تنسف الجبال وتمد الارض مد الادیم فعهد الی متی کان ذٰلک کانت الساعة من الناس کالحامل التی لایدری اهلها متی

ماجہ ص:۲۲۹، تفسیر ابن جریر ج:۷اص:۲۰، مستدرک حاکم ج:۴ص:۴۸۸، ۵۴۵، فتح الباری ج:۱۳ص:۷۹، درمنثور ج:۴ص:۳۳۲)

ان ارشاداتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت کی تفسیر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد جو انہوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کے مجمع میں فرمایا اور جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے سامنے نقل کیا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت کی نشانی کے طور پر دوبارہ تشریف لانا اور آکر دجال لعین کو قتل کرنا، اس پر اللہ تعالیٰ کا عہد، انبیائے کرامؑ کا اتفاق اور صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے، اور گزشتہ صدیوں کے تمام مجدّدِ دین اس کو تسلیم کرتے چلے آئے ہیں، کیا اس کے بعد بھی کسی مؤمن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے میں شک رہ جاتا ہے....؟

۴:...اس آیت کی تفسیر بہت سے صحابہؓ و تابعینؒ سے یہی منقول ہے کہ آخری زمانے میں سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا قربِ قیامت کی نشانی ہے، حافظ ابن کثیر اس آیت کی تحت لکھتے ہیں:

> ”یعنی قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا قیامت کی نشانی ہے، یہی تفسیر حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، ابو العالیہؒ، عکرمہؒ، حسن بصریؒ، ضحاکؒ اور دوسرے بہت سے حضرات سے مروی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مضمون کی احادیث متواتر ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے کی خبر دی

تفجأهم بولادها قال العوام ووجد تصديق ذلك في كتاب الله تعالى حتى اذا فتحت يأجوج ومأجوج وهم من كل حدث ينسلون. (سنن ابن ماجة، ابواب الفتن، باب فتنة الدجال وخروج عيسى بن مريم وخروج يأجوج ومأجوج، ص: ۲۹۹، قديمي كتب خانه كراچي)

ہے‘‘(۱۵۹)۔(تفسیر ابن کثیر ج:۴ص:۱۳۲)

چوتھی آیت:

سورۂ مائدہ کی آیت: ۱۱۸ میں ارشاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے عرض کریں گے:

’’اے اللہ! اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں، اور اگر بخش دیں تو آپ عزیز وحکیم ہیں‘‘(۱۶۰)۔

سیّدنا ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

’’عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ: الٰہی! یہ تیرے بندے ہیں (مگر انہوں نے میری غیر حاضری میں مجھے خدا بنایا اس لئے) واقعی انہوں نے اپنے اس عقیدے کی بنا پر اپنے آپ کو عذاب کا مستحق بنالیا ہے اور اگر آپ بخش دیں، یعنی ان لوگوں کو، جن کو صحیح عقیدے پر چھوڑ کر گیا تھا اور (اسی طرح ان لوگوں کو بھی بخش دیں جنھوں نے اپنے عقیدے سے رجوع کرلیا، چنانچہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر لمبی کردی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ آخری زمانے میں دجال کو قتل کرنے کے لئے آسمان سے زمین کی

---

(۱۵۹):في تفسير ابن كثير: قال مجاهد: ﴿وانه لعلم للساعة﴾ أي: آية للساعة خروج عيسىٰ ابن مريم قبل يوم القيامة. وهكذا روي عن أبي هريرة رضي الله عنه، وابن عباس، وأبي العالية، وأبي مالك، وعكرمة، والحسن، وقتادة، والضحاك، وغيرهم.

وقد تواترت الأحاديث عن رسول الله ﷺ، أنه أخبر بنزول عيسىٰ ابن مريم عليه السلام قبل يوم القيامة اماما عادلاً وحكماً مقسطاً. (تفسير ابن كثير، سورة الزخرف، الآية: ٦١، ج: ٧، ص: ٢٣٦، ط، دار طيبة)

(۱۶۰):قال الله تبارك وتعالى: ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزيز الحكيم. (سورة المائدة: ١١٨)

طرف اتارے جائیں گے، تب عیسائی لوگ اپنے قول سے رجوع کرلیں گے، تو جن لوگوں نے اپنے قول سے رجوع کیا اور تیری توحید کے قائل ہوگئے اور اقرار کرلیا کہ ہم سب (بشمول عیسیٰ علیہ السلام کے) خدا کے بندے ہیں، پس اگر آپ ان کو بخش دیں جبکہ انہوں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا ہے تو آپ عزیز وحکیم ہیں" (۱۶۱)۔(تفسیر درمنثور ج:۲ص: ۳۵۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس تفسیر سے واضح ہوا کہ یہ آیت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری کی دلیل ہے۔

آپ نے اپنے سوال میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوکر امام مہدی ہونے کا دعویٰ کریں گے؟ اس کے جواب میں صرف اتنا عرض کردینا کافی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے لے کر تیرہویں صدی کے آخر تک امت اسلامیہ کا یہی عقیدہ رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدیؓ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں (۱۶۲)، اور یہ

---

(۱۶۱):فی تفسیر ابن کثیر: وأخرج أبو الشیخ عن ابن عباسؓ: ﴿ان تعذبهم فانهم عبادک﴾. یقول: عبیدک قد استوجبوا العذاب بمقالتهم، ﴿وان تغفر لهم﴾. أی: من ترکت منهم ومد فی عمره حتی أهبط من السماء الی الأرض لقتل الدجال، فنزلوا عن مقالتهم ووحدک، وأقروا أنا عبید، وان تغفرلهم حیث رجعوا عن مقالتهم ﴿فانک أنت العزیز الحکیم﴾. (الدرالمنثور فی تفسیر بالمأثور، سورة المائدة، الآیة: ۱۱۸، ج: ۵، ص: ۶۱۰)

(۱۶۲/۱۶۳):عن أبی قتادة الأنصاری، أن ابا هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: کیف أنتم اذا نزل ابن مریم فیکم، وامامکم منکم؟. وفی فتح تحت هذا الحدیث: معنی قوله: "وامامکم منکم" أن الشریعة المحمدیة متصلة الی یوم القیامة، وأن فی کل قرن طائفة من أهل العلم. وهذا والذی قبله لایبین کون عیسیٰ اذا نزل یکون اماما أو مأموماً، وعلی تقدیر أن یکون عیسی اماماً فمعناه أنه یصیر معکم بالجماعة

کہ نازل ہوکر پہلی نماز حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مہدی کی اقتدا میں پڑھیں گے۔
جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی پہلے شخص ہیں جنھوں نے عیسیٰ اور مہدی کے ایک ہونے کا عقیدہ ایجاد کیا ہے، اس کی دلیل نہ قرآن کریم میں ہے، نہ کسی صحیح اور مقبول حدیث میں، اور نہ سلف صالحین میں سے کوئی اس کا قائل ہے۔ آنحضرت ﷺ کی متواتر احادیث میں وارد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت حضرت مہدیؓ اس امت کے امام ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے (۱۶۳)۔

۳:...حیات عیسیٰ علیہ السلام پر شبہات:

جناب نے یہ بھی دریافت فرمایا ہے کہ کیا "**كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ**" کی آیت

من هذه الأمة قال الطيبي: المعنى يؤمكم عيسى حال كونه في دينكم. ويعكر عليه قوله في حديث آخر عند مسلم "فيقال له: صل لنا فيقول: لا، ان بعضكم على بعض أمراء تكرمة لهذه الأمة". وقال ابن الجوزي: لو تقدم عيسى اماما لوقع في النفس اشكال، ولقيل: أتراه تقدم نائباً أو مبتدعاً شرعاً، فصلى مأموماً لئلا يتدنس بغبار الشبهة وجه قوله "لانبي بعدي". كذا في الفتح. (موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب الايمان، باب نزول عيسى ابن مريم حاكما بشريعة نبينا محمد ﷺ، ج: ۲، ص: ۲۰۹، ط، دار احياء التراث العربي بيروت لبنان)

وفي الفتح: ولابن ماجة في حديث أبي أمامة الطويل في الدجال قال: "وكلهم أي المسلمون ببيت المقدس وامامهم رجل صالح قد تقدم ليصلي بهم، اذ نزل عيسىٰ فرجع الامام ينكص ليتقدم عيسىٰ، فيقف عيسىٰ بين كتفيه ثم يقول: تقدم فانها لک أقيمت" وقال أبو الحسن الخسعي الأبدي في مناقب الشافعي: تواترت الأخبار بأن المهدي من هذه الأمة وأن عيسىٰ يصلي خلفه، ذكر ذلک رداً للحديث الذي أخرجه ابن ماجه عن أنسؓ وفيه ولامهدي الا عيسى. (فتح الباري بشرح صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسىٰ ابن مريم عليه السلام، ج: ٦، ص: ٥٦٩)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر اثر انداز نہیں ہوتی؟ جواباً گزارش ہے کہ یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف آپ کو، مجھ کو، زمین کے تمام لوگوں کو، آسمان کے تمام فرشتوں کو، بلکہ ہر ذی روح مخلوق کو شامل ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر متنفس کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے، چنانچہ حضرت عیسی علیہ السلام کو بھی موت آئے گی۔ لیکن کب؟ آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا وقت بھی بتادیا ہے کہ آخری زمانے میں نازل ہوکر وہ چالیس برس زمین پر رہیں گے، پھر ان کا انتقال ہوگا، مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور میرے روضے میں ان کو دفن کیا جائے گا (۱۶۴)۔ (مشکوٰۃ شریف ص: ۴۸۰)

اس لئے آپ نے جو آیت نقل فرمائی ہے وہ اسلامی عقیدے پر اثر انداز نہیں ہوتی، البتہ یہ عیسائیوں کے عقیدے کو باطل کرتی ہے۔ اسی بناپر آنحضرت ﷺ نے نجران کے پادریوں کے وفد سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> ''کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا اور عیسیٰ علیہ السلام کو موت آئے گی۔'' یہ نہیں فرمایا کہ: ''عیسیٰ علیہ السلام مرچکے ہیں'' (۱۶۵)۔ (درمنثور ج:۲ص:۳)

---

(۱۶۴): عن عبداللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ عنهما قال قال رسول اللّٰہ ﷺ: ینزل عیسیٰ بن مریم الی الأرض، فیزوج، ویولد له، ویمکث خمساً وأربعین سنة، ثم یموت، فیدفن معی فی قبری فأقوم أنا وعیسی ابن مریم فی قبر واحد بین أبی بکر وعمر. رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء. (المشکاة المصابیح، کتاب الفتن، باب نزول عیسیٰ عیبه السلام، الفصل الثالث، ص: ٤٨٠، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

(۱۶۵): عن الربیع فی قوله: ﴿آلم اللّٰہ لآ اله الا هو﴾. قال: ان النصاری أتوا رسول اللّٰہ ﷺ فخاصموہ فی عیسی ابن مریم، وقالوا له: من أبوہ؟ وقالوا علی اللّٰہ الکذب والبهتان ـ لا اله الا هو، لم یتخذ صاحبة ولا ولداً ـ فقال لهم النبی ﷺ: ألستم تعلمون أنه لایکون ولداً الا وهو یشبه أباہ؟ قالوا: بلی. قال: ألستم تعلمون أن ربنا حی لایموت، وأن عیسیٰ یأتی علیه الفناء؟ قالوا: بلی. قال: ألستم تعلمون أن

آخری گزارش

جیسا کہ میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ووفات کا مسئلہ آج پہلی بار میرے آپ کے سامنے پیش نہیں آیا اور نہ قرآن کریم ہی پہلی مرتبہ میرے، آپ کے مطالعے میں آیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے قرآن مجید متواتر چلا آتا ہے اور حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ بھی۔ اس امت میں اہل کشف، ملہم ومجدّد بھی گزرے ہیں اور بلند پایہ مفسرین ومجتہدین بھی، مگر ہمیں جناب مرزا صاحب سے پہلے کوئی ملہم، مجدّد، صحابی، تابعی اور فقیہ ومحدث ایسا نظر نہیں آتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری زمانے میں دوبارہ تشریف آوری کا منکر ہو۔ قرآن کریم کی جن آیتوں سے جناب مرزا غلام احمد صاحب وفات مسیح ثابت کرتے ہیں، ایک لمحے کے لئے سوچئے کہ کیا یہ آیات قرآن کریم میں پہلے موجود نہیں تھیں؟ کیا چودھویں صدی میں پہلی بار نازل ہوئی ہیں؟ یا گزشتہ صدیوں کے تمام اکابر.... نعوذ باللہ.... قرآن کو سمجھنے سے معذور اور عقل وفہم سے عاری تھے؟

''پس اگر اسلام میں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے معلم نہیں آئے جن میں ظلّی طور پر نورِ نبوت تھا تو گویا خدا تعالیٰ نے عمداً قرآن کو ضائع کیا کہ اس کے حقیقی اور واقعی طور پر سمجھنے والے بہت جلد دنیا سے اٹھا لئے۔ مگر یہ بات اس کے وعدے کے برخلاف ہے، جیسا کہ وہ فرماتا ہے **انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون.** یعنی ہم نے ہی قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ اب میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر قرآن کے سمجھنے والے ہی باقی نہ رہے اور اس پر یقینی اور حالی طور پر ایمان لانے والے زاویۂ عدم میں مختفی ہوگئے تو پھر قرآن کی حفاظت کیا ہوئی........ اور اس پر ایک اور آیت بھی بین قرینہ ہے اور وہ یہ ہے: **بل هو اٰيات بينات في صدور الذين اوتوا العلم** ۔ یعنی قرآن آیات

ربنا قيم على كل شيء يكلوه ويحفظه ويرزقه؟ قالوا: بلى. قال: فهل يملك عيسىٰ من ذلك شيئاً؟ قالوا: لا. الخ. (تفسير الطبرى، سورة آل عمران، الآية: ۲، ج: ۵، ص: ۱۷۴ / الدرالمنثور فى التفسير بالمأثور، سورة آل عمران، الآية: ۲، ج: ۳، ص: ۴۴۳)

بینات ہیں جو اہل علم کے سینوں میں ہیں....... یہ آیت بلند آواز سے پکار رہی ہے کہ کوئی حصہ قرآن کا برباد اور ضائع نہیں ہوگا اور جس طرح روز اوّل سے اس کا پودا دلوں میں جمایا گیا، یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔''

بلا شبہ جس شخص کو قرآن کریم پر ایمان لانا ہوگا اسے اس تعلیم پر بھی یمان لانا ہوگا جو گزشتہ صدیوں کے مجدّدین اور اکابر امت قرآن کریم سے متواتر سمجھتے چلے آئے ہیں، اور جو شخص قرآن کریم کی آیتیں پڑھ پڑھ کر ائمہ مجدّدین کے متواتر عقیدے کے خلاف کوئی عقیدے پیش کرتا ہے، سمجھنا چاہئے کہ وہ قرآن کریم کی حفاظت کا منکر ہے۔

سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر میں نے جو آیات پیش کی ہیں، ان کی تفسیر صحابہؓ وتابعینؒ کے علاوہ خود آنحضرت ﷺ سے بھی نقل کی ہے۔ ان کے علاوہ جس صدی کے ائمہ دین اور صاحب کشف والہام مجدّدین کے بارے میں آپ چاہیں، میں حوالے پیش کروں گا کہ انہوں نے قرآن کریم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے اور آخری زمانے دوبارہ آنے کو ثابت کیا ہے۔

جن آیتوں کو آپ کی جماعت کے حضرات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کی دلیل میں پیش کرتے ہیں، من گھڑت تفسیر کے بجائے ان سے کہئے کہ ان میں ایک ہی آیت کی تفسیر آنحضرت ﷺ سے، صحابہ کرامؓ سے، تابعینؒ سے یا بعد کے کسی صدی کے مجدّد کے حوالے سے پیش کردیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مرچکے ہیں، وہ آخری زمانے میں نہیں آئیں گے، بلکہ ان کی جگہ ان کا کوئی مثیل آئے گا۔ کیا یہ ظلم وستم کی انتہا نہیں کہ جو مسلمان آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ وتابعینؒ اور ائمہ مجدّدین کے عقیدے پر قائم ہیں ان کو تو ''فیج اعوج'' (یعنی گمراہ اور کجرو لوگ) کہا جائے، اور جو لوگ آنحضرت ﷺ اور تمام اکابر امت کے خلاف قرآن کی تفسیر کریں اور ان تمام بزرگوں کو ''مشرک'' ٹھہرائیں، ان کو حق پر مانا جائے۔ (فتاویٰ ختم نبوت، ج:۱،ص:۱۲۰تا۱۲۶، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان/آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۲،ص:۱۸۰تا۱۹۴، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور نزول

﴿سوال﴾:

حضرت عیسی علیہ السلام کی حیات اور قربِ قیامت میں آپ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں دین اسلام کا کیا موقف ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور نزول کے بارے میں دین اسلام اس عقیدے کی تعلیم دیتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے، اب بھی زندہ ہیں اور زندہ رہ کر قربِ قیامت میں آسمان سے اتریں گے اور دجال کا خاتمہ فرمائیں گے، اس کے بعد کچھ عرصہ تک زندہ رہ کر پھر اپنی طبعی موت وفات ہوں گے اور بعض روایات کے مطابق ان کو رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن کیا جائے گا(۱٦٦)۔

---

(۱٦٦): عن أبی هريرةؓ عن النبیﷺ قال: ليس بينی وبينه يعنی عيسی عليه السلام، نبی، وانه نازل فاذا رأيتموه فاعرفوه: رجل مربوع الی الحمرة والبياض بين ممصرتين كأن رأسه يقطر وان لم يصبه بلل، فيقاتل الناس علی الاسلام فيدق الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية ويهلک اللّٰه فی زمانه الملل كلها الا الاسلام ويهلک المسيح الدجال فيمكث فی الأرض أربعين سنة ثم يتوفی فيصلی عليه المسلمون. (سنن أبی داؤد، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال، ص: ٦٠٧، رقم: ٤٣٢٤، ط، دار السلام رياض)

عن عبداللّٰه بن عمرو رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰهﷺ: ينزل عيسیٰ بن مريم الی الأرض، فيزوج، ويولد له، ويمكث خمساً وأربعين سنة، ثم يموت، فيدفن معی فی قبری فأقوم أنا وعيسی ابن مريم فی قبر واحد بين أبی بكر وعمر. رواه ابن الجوزی فی كتاب الوفاء. (المشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب نزول عيسیٰ عليه السلام، الفصل الثالث، ص: ٤٨٠، ط، قديمی كتب خانه كراچی)

والدلیل علی ذلک:

﴿اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ﴾

قال ابن کثیر: قال الأکثرون: المراد بالوفاۃ ھھنا النوم...قال الحسن قال رسول اللّٰہ ﷺ للیھود: ان عیسیٰ لم یمت، وانہ راجع الیکم قبل یوم القیٰمۃ(۱۶۷).

ترجمہ: ''جب اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ اے عیسیٰ میں تمہیں صحیح سالم واپس لے لوں گا اور تمہیں اپنی طرف اٹھا لوں گا'' علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ: ''اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہاں وفات سے مراد سلانا ہے''...... حضرت حسن روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے فرمایا کہ: عیسیٰ (علیہ السلام) کو موت نہیں آئی اور قیامت کے دن سے پہلے تمہاری طرف لوٹ آئیں گے۔

وأما رفع عیسی، فاتفق أصحاب الأخبار، والتفسیر علی أنہ رفع ببدنہ حیا(۱۶۸).

ترجمہ: رفع عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں محدثین اور مفسرین کا اتفاق اس بات پر ہے کہ ان کو زندہ جسمانی طور پر اٹھایا گیا ہے۔(فتاوی عثمانیہ، ج:۱،ص:۱۰۲،۱۰۳، ط، العصر اکیڈمی پشاور)



(۱۶۷):(تفسیر ابن کثیر، سورۃ آل عمران، الآیۃ: ۵۵، ج: ۲، ص: ۴۷، ط، دار طیبۃ)

(۱۶۸):(تلخیص الحبیر فی تخریج أحادیث الرافعی الکبیر، ج: ۳، ص: ۴۳۱، رقم ۱۷۴۸، ط، مؤسسۃ قرطبۃ)

خروج دجال ونزول عیسیٰ علیہ السلام

﴿سوال﴾:

پنجاب کے بعض عالم کہتے ہیں کہ دجال کا کچھ وجود نہیں، دجال یہی حاکم ظالم ہیں اور جنت ونار اس کی ہی ریل گاڑی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے۔ عیسیٰ موعود میں ہوں، اس واسطے علمائے دیندار اہل سنت والجماعت سے استفتاء ہے کہ پنجاب کے اس عالم کے یہ اقوال سچ ہیں یا محض غلط، بیان کرو، کہ عوام کا شک وشبہ رفع ودفع ہو جائے۔

﴿الجواب﴾:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بارہ تیرہ صحابی وصحابیہ حذیفہ بن اسید الغفاری وابو ہریرۃ وعمران بن حصین وعبداللہ بن مسعود وانس بن مالک وحذیفہ بن یمان ونواس بن سمعان وابوسعید خدری وابی بکرہ وفاطمہ بنت قیس وعبداللہ بن عمر وابی عبیدۃ بن الجراح واسماء بن یزید بن السکن ومغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم روایت کرتے ہیں کہ قرب قیامت کے دجال ظاہر ہوگا اور شبیہ عبد العزی بن قطن کے ہوگا، کہ یہ مشرکین میں سے گزرا ہے۔ اور وہ مثل ابر کے تمام دنیا میں پھیل جائے گا اور قیام اس کا چالیس دن ہوگا۔ ایک دن مثل برس کے، اور ایک دن مہینے بھر کا ہوگا اور ایک دن ہفتہ بھر کا ہوگا۔ باقی دن اپنے حال بدستور رہیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، کہ برس دن کی نماز کیوں کر ادا ہوگی۔ آیا ایک دن کی نماز کافی ہوگی، فرمایا نہیں، وقت کا اندازہ کر کے پانچوں نمازیں پڑھتے رہنا، اور [مشکوۃ شریف باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال ص ۴۷۴] میں دجال کا احوال دیکھنا چاہیے، یہاں ایک دو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں، اور دجال کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور وہ دجال کو قتل کریں گے اور مشکوۃ میں ایک خاص باب نزول عیسیٰ علیہ السلام کا منعقد کیا ہے سب احوال عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا اس باب میں دیکھنا چاہیے اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا بیان صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں مفصلاً مذکور ہے اور قرآن شریف میں سورہ زخرف

سے نازل ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صاف واضح ہوتا ہے۔ **وانہ ای عیسیٰ لعلم للساعة تعلم بنزوله و قرأ ابن عباس بفتحتين للمبالغة كذا فى الكمالين** اور اسی طرح سے تفسیر مدارک وبیضاوی وکبیر ومعالم وغیرہ میں مذکورہ ہے۔

وانہ بدرستیکہ عیسیٰ علیہ السلام لعلم للساعۃ علم است مرساعت رایعنی بدو بدانیند، کہ نزدیک است قیامت چہ یکے از علامات قیامت نزول عیسیٰ علیہ السلام است کہ بعد از تسلط دجال از آسمان برزمین فرود آید، نزدیک منارۂ بیضاء درطرف شرقی دمشق وجامہ رنگین پوشیدہ باشد وہر دوکف دست خودرا بر بالہائے دوفرشتہ نہادہ درخسارہ مبارکش عرق کردہ چون سر درپیش افگند قطرات از وریش ریزان گردد وچون سر بالا کند آن قطرہا بر بروئے دے چون مروارید ردان شود، ونفس دے بر ہر کافر کہ رسد، میرد، وہر جا کہ چشم وے افتد نفس وے برسد، پس درطلب دجال رواں گردد، در باب لُد کہ موضعے است در ولایت شام بدو رسد واورا بکشد انگہ یاجوج ماجوج بیروں آیند، وعیسیٰ علیہ السلام بکوہ طور بر مومناں راوآنجا متحصن گردد، القصہ چون معلوم شد، کہ عیسیٰ علیہ السلام نشانہ قرب قیامت است کذا فی التفسیر الحسینی۔

اوراس آیت کی مفسر حدیثیں صحاح ستہ کی ہیں۔ **کما لایخفی علی الماھر بھذا الفن،** پس منکر نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فاسق ہے، بلکہ کافر، کیونکہ صریح نص کا منکر ہےاور تاویل اس کی باطل اور مردود خلاف سبیل مؤمنین کے ہے۔ **وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ.** [النساء آیة ۱۱۵] کا مصداق اوروہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں۔ آپ کے نازل ہونے سے قیامت کے وقت کا قرب معلوم ہوجائے گا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ لعلم کو مبالغہ کے لیے بفتحتین پڑھتے تھے۔ کمالین میں ایسا ہی منقول ہے۔ جو آدمی ہدایت واضح ہوجانے کے بعد بھی رسول کی نافرمانی کرے اور ایمانداروں کی راہ چھوڑ کر کوئی

اور راہ اختیار کرے تو ہم اس کو جدھر جاتا ہے جانے دیں گے اور بالاخراس کو جہنم میں ڈال دیں گے۔

[مشکوۃ کے باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال ص۴۷۳] میں ہے:

عن النواس بن سمعان رضی اللّٰہ عنہ قال ذکر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم الدجال فقال ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجہ دونکم وان یخرج ولست فیکم فامرء حجیج نفسہ واللّٰہ خلیفتی علی کل مسلم انہ شاب قطط عینہ طافیۃ کانی اشبہہ بعبد العزی بن قطن فمن ادرکہ منکم فلیقرأ فواتح سورۃ الکہف وفی روایۃ فلیقرء علیہ بفواتح سورۃ الکہف فانہا جوارکم من فتنتہ انہ خارج خلۃ بین الشام والعراق فعاث یمیناً وعاث شمالاً یا عباداللّٰہ فاثبتوا قلنا یارسول اللّٰہ وما لبثہ فی الارض قال اربعون یوما یوم کسنۃ ویوم کشہر ویوم کجمعۃ وسائر ایامہ کایامکم قلنا یارسول اللّٰہ فذلک الیوم الذی کسنۃ ایکفینا فیہ صلاۃ یوم قال لااقدروا لہ قدرہ قلنا یارسول اللّٰہ وما اسراعہ فی الارض قال کالغیث استدبرتہ الریح فیاتی علی القوم فیدعوہم فیؤمنون بہ فیأمر السماء فتمطروا الارض فتنبت فتروح علیہم سارحتہم اطول ما کانت ذری واسبغہ ضرو عاوا مدہ خواصر ثم یاتی القوم فیدعوہم فیردون علیہ فینصرف عنہم فیصبحون ممحلین لیس بایدیہم شئ من اموالہم ویمر بالخربۃ فیقول لہا اخرجی کنوزک فتتبعہ کنوزہا کیعا سیب النحل ثم یدعو رجلاً ممتلیا.

اور وہ قیامت کا ایک نشان ہیں یعنی عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں، ان کے آنے سے قیامت کا وقت قریب ہونا معلوم ہو جائے گا، شرط دال علی الشی کو علم سے تعبیر کیا کیونکہ ان کے آنے سے قیامت کا علم ہو جائے گا۔ عبداللہ بن عباسؓ نے اس کو علم پڑھا ہے۔ جس کے معنی نشانی ہیں۔ تفسیر کبیر کا خلاصہ ختم ہوا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، قتادہؓ وغیرہ نے اس کو علم پڑھا ہے۔ جس کے معنی علامت اور نشانی ہے۔

شابا فیضربه فالسیف فیطعه جزلتین رمیة الغرض ثم یدعوه فیقبل ویتهلل وجهه ویضحک فبینما هو کذلک اذ بعث اللّٰه المسیح بن مریم فینزل عند المنارة البیضاء شرقی دمشق بین مهروذتین واضعاً کفیه علی اجنحة ملکین اذا طاطاء رأسه قطرو اذا رفعه تحدر منه مثل جمان کاللؤلؤ فلا یحل لکافر یجد ریح نفسه الا مات ونفسه ینتهی حیث ینتهی طرفه فیطلبه حتی یدرکه بباب لد فیقتله ثم یأتی عیسیٰ قوم قد عصمهم اللّٰه منه فیمسح عن وجوههم ویحدثهم بدرجاتهم فی الجنة فبینما هو کذالک ذا وحی اللّٰه الی عیسیٰ انی قد اخرجت عباد الی لا یدان لاحد بقتالهم فحرز عبادی الی الطور فیبعث اللّٰه یاجوج وماجوجوهم من کل حدب ینسلون فیمر اوائلهم علی بحیرة طبریة فیشربون ما فیها ویمر اخرهم فیقول لقد کان بهذه مرة ماء ویحصر نبی اللّٰه عیسیٰ علیه السلام واصحابه حتی یکون راس الثور لاحدهم خیراً من مائة دینار لاحدکم الیوم فیرغب نبی اللّٰه عیسیٰ واصحابه فیرسل اللّٰه علیهم النغف فی رقابهم

فیصبحون فرسی کموت نفس واحدة ثم یھبط نبی اللّٰہ عیسیٰ واصحابہ الی الارض فلایحدون فی الارض موضع شبر الا ملأہ زھھم ونتنھم فیرغب نی اللّٰہ عیسیٰ واصحابہ الی اللّٰہ فیرسل اللّٰہ طیراً کاعناق البخت فتحملھم فتطرحھم حیث شاء اللّٰہ ثم یرسل اللّٰہ مطراً لایکن منہ بیت مدرولا وبر فیغسل الارض حتی یترکھا کالزلقة ثم یقال للارض انبتی ثمرتک وردی برکتک فیومئذ تاکل العصابة من الرمانة ویستظلون بقحفھا ویبارک فی الرسل حتی ان اللقحة من الابل لتکفی الفا من الناس واللقحة من البقر لتکفی القبیلة من الناس واللقحة من الغنم لتکفی الفخذ من الناس فبینما ھم کذلک اذ بعث اللّٰہ ریحا طیبة فتاخذھم تحت اباطھم فتقبض روح کل مؤمن وکل مسلم ویبقی شرار الناس یتھارجون فیھا تھارج الحمر فعلیھم تقوم الساعة [رواہ مسلم ج ٢ ص ٤٠١، ٤٠٢] باب ذکر الدجال الراویة الثانیة وھی قولھم تطرحھم النھبل الی قولہ سبع سنین رواہ الترمذی.

حضرت نواس بن سمعانؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا، پس فرمایا اگر وہ میری موجودگی میں ظاہر ہوا تو تم سب کی طرف سے میں اس سے جھگڑوں گا۔ اگر میرے بعد نکلا، تو ہر ایک شخص خود اس سے جھگڑے گا اور اللہ میرا خلیفہ ہے، ہر مسلمان پر، وہ دجال جوان ہوگا، گھونگریالے بال والا، اس کی آنکھ نکلی ہوئی ہوگی، یعنی کانا ہوگا، بس ایسا ہوگا، جیسے عبدالعزی بن قطن کو جانتے ہو، سو جو اس کو پائے، تو اس پر

سورہ کہف کی ابتدائی آیتیں ضرور پڑھ لے کیونکہ وہ اس کے فتنہ سے اس کو بچائیں گی، وہ شام اور عراق کے درمیان میں سے نکلنے والا ہے، اور داہنے بائیں (گویا ہر طرف) دوڑنے والا ہے۔ سو اللہ کے بندہ ثابت رہنا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ زمین میں کس قدر ٹھہرا رہے گا، فرمایا چالیس دن، ایک دن سال بھر کا۔ ایک دن مہینہ بھر کا۔ ایک دن ہفتہ بھر کا اور باقی دن یہ تمہارے معمولی دن ہوں گے۔ ہم نے عرض کیا، یا حضرت تو اس سال بھر کے دن میں ایک دن کی نماز ہم کو کافی ہوگی یا نہ فرمایا نہیں، ان معمولی دنوں کے اندازے سے پڑھتے رہنا (اور مہینے اور ہفتے بھر کا دن بھی اسی قیاس پر) ہم نے پوچھا، حضرت اس کا جلد جلد پھرنا زمین میں کیسا ہوگا، فرمایا جیسے ہوا ابر کو پھیلاتی ہے، سو وہ دجال ایک قوم کے پاس آئے گا، اور ان کو اپنے دین کی طرف بلائے گا۔ وہ اس کا کہنا مان لیں گے، تو آسمان کو حکم کرے گا، خوب بارش ہوگی اور زمین میں سبزی خوب اُگے گی، اور ان کے مویشی کھا کھا کر خوب پلیں گے، اور دودھیلے ہوں گے۔ اور ایک قوم کے پاس آئے گا۔ ان کو بھی اپنی طرف بلائے گا۔ وہ اس کا کہنا نہ مانیں گے، وہاں سے چلا آئے گا، اور وہاں بارش بند ہو جائے گی اور وہ لوگ نہایت مفلس ہو جائیں گے، پاس کچھ بھی تو نہ رہے گا اور کھنڈرات میں جائے گا، اس کو کہے گا، اپنے سب خزانے نکال، تو سب کے سب دفینے نکل کر اس کے ساتھ شہد کی مکھیوں کی طرح ہو لیں گے۔ اور پھر ایک جوان کو بلائے گا، اور پھر اس کو تلوار سے مار کر دو ٹکڑے کر دے گا، اور ادھر ادھر نشانے کی طرح پھینک دے گا، اور پھر اس کو بلا کر دوبارہ مارے گا، اور وہ شخص منہ چمکتا ہوا ہنسے گا، سو دجال اسی اوج موج میں ہوگا، کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم علیہما السلام کو (آسمان سے) اُتارے گا، سو وہ دو رنگین کپڑے پہنے گی وہیں تک ان کا سانس پہنچے

گا، سو اس کو باب لُد پر پا کر مار ڈالیں گے۔ فقط

یہ ترجمہ ہم نے نواس بن سمعانؓ کی حدیث کا بقدر ضرورت کیا ہے۔ سو سائل کو ثبوت خروج دجال لعنہ اللہ تعالیٰ اور نزول حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام میں کافی وافی شافی ہے۔ جس کو تفصیل درکار ہو، مشکوۃ شریف میں پورے باب کو تحقیق کی نظر سے دیکھ لے، یہی خلاصہ صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث کا ہے۔ اگر کوئی نہ مانے تو اس کو اختیار ہے اور وہ بعض عالم پنجاب کے جو اس کے خلاف کے قائل ہیں، وہ نادان، جاہل و پاگل اور کاذب ہیں۔ بلکہ اہل علم کے زمرے کی بو سے بھی بے نصیب اور محروم ہیں، اور منجملہ فرق اہل الحاد ہیں۔ نعوذ باللہ من شرہ۔ [حررہ ابو اسماعیل یوسف حسین الخانفوری عفی عنہ]

وانه لعلم للساعة، اور بے شک عیسیٰ علیہ السلام خبر دینے والے ہیں۔ قیامت کی، یعنی ان کا اترنا آسمان سے ایک نشانی ہے قیامت کی، دجال کے پیدا ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے، اور دجال کو قتل کریں گے، پھر یاجوج ماجوج پیدا ہو کر سارے عالم کو خراب کریں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام مؤمنوں کو لے کر کوہِ طور پر جا کر چھپیں گے، غرضیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نشانی ہیں قیامت کی، تمام ہوئی عبارت شاہ عبد القادر دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی، پس پنجاب کا وہ عالم بلا شبہ نصوص مذکورہ بالا کا منکر ملحد ہے، بلکہ کافر کما لا تخفی علی الماہر بالشریعۃ الغراء۔ حررہ خادم العلماء الطاف حسین فاضلپوری۔

فی الواقع جواب اول و دوم بلا ریب صحیح ہے، کیونکہ قریب قیامت کے ظاہر ہونا دجال کا بعد اس کے اترنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اور قتل کرنا دجال کا برحق ہے اور منکر اس کا ضال و مضل و ملحد و بددین اور مخالف اجماع مسلمین کے ہے، چنانچہ کتب صحاح ستہ و دیگر کتب سیر اس پر شاہد عدل ہیں، اور تاویل مرزائی قادیانی اور اس کے حواری کی نزدیک اہل حق کے باطل و مردود ہے۔ سید محمد نذیر حسین۔ [فتاوی نذیریہ ج اول ص ۱۲ تا ۱۷]

(فتاوی ختم نبوت، ج:۱، ص: ۱۸۸ تا ۱۹۲، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان)



نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا ثبوت تواتر سے

﴿سوال﴾:

نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بوقت قیامت کیا آیت قرآنیہ سے ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو کس آیت سے؟ اگر نہیں ثابت ہے اس پر تواتر ہے یا اجماع ہے یا نہیں؟ اس کا انکار باعث کفر ہے یا نہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

اکثر مفسرین نے آیت قرآنی: ﴿وَاِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْداً﴾ (۱۶۹) میں ضمیر کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف راجع قرار دے کر اس سے نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مراد لیا ہے(۱۷۰) چنانچہ بخاری شریف کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے:

---

(۱۶۹):(سورة النساء: ۱۵۹)

(۱۷۰): في تفسير ابن كثير: ﴿وان من أهل الكتاب الا ليومنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيدا﴾ [النساء: ۱۵٦ - ۱۵۹] والضمير في قوله: ﴿قبل موته﴾ عائد على عيسىٰ عليه السلام، أى: وان من أهل الكتاب الا يؤمن بعيسىٰ قبل موت عيسىٰ، وذلک حين ينزل الى الأرض قبل يوم القيامة، على ما سيأتي بيانه، فحينئذ يؤمن به أهل الكتاب كلهم، لأنه يضع الجزية ولايقبل الا الاسلام. (تفسير ابن كثير، سورة آل عمران، الآية: ۵۵، ج: ۲، ص: ٤٧، ط، دار طيبة)

وفي روح المعاني: وقيل: الضميران لعيسىٰ عليه السلام، وروى ذلک عن ابن عباس رضي الله عنهما أيضاً. وأبي مالک، والحسن، وقتادة، وابن زيد، واختاره الطبراني والمعنى أنه لايبقى أحد من أهل الكتاب الموجودين عند نزول عيسىٰ عليه السلام الا ليؤمنن به قبل أن يموت وتكون الأديان كلها ديناً واحداً. (روح المعاني، سورة النساء، الآية: ۱۵۹، ج: ٦، ص: ۱۳، ط، دار احياء التراث العربي

"عن ابن شهاب أن سعيد بن المسيب سمع أبا هريرة رضى اللّٰه تعالى عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: "والذى نفسى بيده ليوشكن أن ينزل بينكم ابن مريم حكماً عدلاً، فيكسر الصليب، ويقتل الخنزير، ويضع الحرب، ويفيض المال حتى لايقبله أحد، حتى تكون السجدة الواحدة خير من الدنيا وما فيها" ثم يقول أبوهريرة: واقرأوا قرآناً ان شئتم ﴿وان من اهل الكتاب الا ليومنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيداً﴾ بخاری: ۱/۴۹۰(۱۷۱)۔

اورآیت قرآنی:﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلاَ تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ. هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ (۱۷۲)ایک قرأت " لعلم للساعة" (بفتح اللام) ہے،یعنی نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام علامات قیامت میں سے ہے۔

"قال مجاهد: وانه لعلم للساعة: أى آية للساعة خروج عيسى بن مريم عليهما السلام قبل يوم القيامة، وهكذا روى عن أبى هريرة وابن عباس وأبى العالية وأبى مالك وعكرمة والحسن وقتادة وضحاك وغيرهم[رضى اللّٰه تعالى عنهم]" (۱۷۳). (عقیده الاسلام)

بيروت لبنان)

(۱۷۱):(صحيح البخارى، كتاب أحاديث الأنبياء، باب نزول عيسى بن مريم عليهما السلام، ص: ۷۱۰، رقم: ۳٤٤۸، دار السلام رياض)

(۱۷۲):(سورة الزخرف: ٦۱)

(۱۷۳):(مجموعة رسائل الكشميرى، عقيدة الاسلام، ج:۲، ص: ٤٦، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى/ تفسير ابن كثير، سورة الزخرف، الآية: ٦۱، ج: ۷،

نیز احادیث متواترہ سے بھی نزول مسیح علیہ السلام ثابت ہے، چنانچہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس کی صراحت کی ہے:"وانہ سینزل قبل یوم القیامة کما دلت علیه الأحادیث المتوا ترة التی سنوردها ان شاء للّٰه قریباً. تفسیر ابن کثیر مع البغوی: ۱۴/۲ (۱۷۴)اس مسئلہ سے متعلق بہت سے رسائل چھپ چکے ہیں مثلاً:

ص: ٢٣٦، ط، دار طيبة)

(۱۷۴):(تفسير ابن كثير، سورة النساء، الآية: ١٥٩، ج: ٢، ص: ٤٥٤، ط، دار طيبة)

وفيه ايضاً: ذكر الأحاديث الواردة فى نزول عيسى ابن مريم الا الأرض من السماء فى آخر الزمان قبل يوم القيامة، وأنه يدعو الى عبادة اللّٰه وحده لاشريك له:

قال البخارى: رحمه اللّٰه فى كتاب ذكر الأنبياء من صحيحه المتلقى بالقبول: (نزول عيسى ابن مريم ـ عليه السلام): حدثنا اسحاق بن ابراهيم، حدثنا يعقوب بن ابراهيم، حدثنا أبى، عن صالح، عن ابن شهاب، عن سعيد بن المسيب، عن أبى هريرةؓ قال: قال رسول اللّٰهﷺ: والذى نفسى بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماً عدلاً، فيكسر الصليب، ويقتل الخنزير، ويضع الجزية، ويقبض المال حتى لايقبله أحد، حتى تكون السجدة خيرا من الدنيا وما فيها. ثم يقول أبو هريرةؓ: واقرؤوا ان شئتم: ﴿وان من أهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيداً﴾.......فهذه أحاديث متواترة عن رسول اللّٰهﷺ من رواية أبى هريرة، وابن مسعود، وعثمان بن أبى العاص، وأبى أمامة، والنواس بن سمعان، وعبداللّٰه بن عمرو بن العاص، ومجمع بن جارية، وأبى سريحة حذيفة بن أسيد رضى اللّٰه تعالىٰ عنهم.

وفيها دلالة على صفة نزوله ومكانه، من أنه بالشام، بل بدمشق، عند المنارة الشرقية، وأن ذلك يكون عند اقامة الصلاة للصبح. (تفسير ابن كثير، سورة النساء، الآية: ١٥٥تا ١٥٩، ج: ٢، ص: ٤٥٥، تا ٤٦٤، ط، دار طيبة)

التصريح بما تواتر في نزول المسيح، عقيدة الاسلام في حيات عيسى عليه الصلاة والسلام وغیرہ کا مطالعہ کرلیا جائے۔

عقیدہ نزول عیسی علیہ السلام پر ایمان لانا فرض ہے، اس کا انکار کفر ہے اور اس کی تاویل کرنا زیغ وضلال اور کفر والحاد ہے:

"فالايمان بها واجب، والانكار عنها كفر، والتأويل فيها زيغ وضلال والحاد، نزل أهل الاسلام في حياة عيسى عليه الصلاة والسلام". مقدمة عقيدة الاسلام: ص: ۳۱ (۱۷۵). فقط والله تعالى اعلم. (فتاوى محموديه، ج: ۱، ص: ۴۳۲ تا ۴۳۴)



حیاتِ عیسیٰ کا عقیدہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے

﴿سوال﴾:

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے یا دوسرے انبیاء کی طرح وفات پاچکے ہیں؟ بحیثیت ایک مسلمان کے اس بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

﴿الجواب﴾:

تمام امت محمدیہ کا یہ منصوص اور بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ سلامت اٹھایا گیا ہے اور بعض فرائض کی انجام دہی تک زندہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ. (سورة النساء آيت

---

(۱۷۵): (مقدمه عقيدة الاسلام، ص: ۳۳، ط: ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشي)

۱۵۷)
اوراسی طرح احادیث نبویہ بھی آپ کی زندگی پرناطق ہیں(۱۷۶)۔

(۱۷۶): عـن ابن شهاب: أن سعيد بن المسيب، سمع أبا هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: والذى نفسى بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكما عـدلاً، فيكسـر الـصليب ويقتل الخنزير، ويضع الجزية، ويقبض المال حتى لايقبله أحـد، حتى تـكـون الـسجدة الواحدة خير من الدنيا وما فيها. ثم يقول ابوهريرةؓ: و اقـرؤا ان شئتـم ﴿وان مـن أهـل الـكتـاب الا ليؤمنن به قبل موته و يوم القيامة يكون عليهم شهيدا﴾. (صـحيـح البخارى، كتاب أحاديث الأنبياء، باب نزول عيسى بن مريم عليهما السلام، ص: ۷۱۰، رقم: ۳۴۴۸، دار السلام رياض)

عـن أبـى هريرةؓ عن النبى ﷺ قال: ليس بينى وبينه يعنى عيسى عليه السلام، نبـى، وانـه نـازل فـاذا رأيتـمـوه فـاعـرفـوه: رجـل مـربوع الى الحمرة والبياض بين مـمـصـرتـيـن كـأن رأسـه يـقـطـر وان لم يصبه بلل، فيقاتل الناس على الاسلام فيدق الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية ويهلک الله فى زمانه الملل كلها الا الاسلام ويهـلـک الـمسيـح الـدجـال فيـمكث فى الأرض أربعين سنة ثم يتوفى فيصلى عليه الـمسلمون. (سـنـن أبـى داؤد، كتـاب الملاحـم، باب خروج الدجال، ص: ۶۰۷، رقم: ۴۳۲۴، ط، دار السلام رياض)

عن عبدالله بن عمرو رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: ينزل عيسىٰ بن مريم الى الأرض، فيزوج، ويولد له، ويمكث خمساً وأربعين سنة، ثم يموت، فيدفن مـعى فى قبرى فأقوم أنا وعيسى ابن مريم فى قبر واحد بين أبى بكر وعمر. رواه ابن الـجوزى فى كتاب الوفاء. (الـمشـكـاة المصابيح، كتاب الفتن، باب نزول عيسىٰ عليه السلام، الفصل الثالث، ص: ۴۸۰، ط، قديمى كتب خانه كراچى)

وأخرج عبد بن حميد، وابن المنذر، عن شهر بن حوشب فى قوله: ﴿وان من اهـل الـكتـاب الا ليـؤمـنـن بـه قبل موته﴾. عن محمد بن علیؓ بن أبى طالب، هو ابن الـحنفية، قال: ليس من أهل الكتاب أحد الا أتته الملائكة يضربون وجهه ودبره، ثم

اخـرج اسـمـاعيـل بـن كثيرؒ: قال الحسنؓ قال رسول اللّٰہ ﷺ ان عیسیٰ لم یمت وانه راجع الیکم قبل یوم القیامة.

(تـفسیـرابن کثیر ج۱، ص: ۳۶۶ سورة النساء) (فتاوی حقانیه، ج: ۱، ص: ۱۵۴، ط، مکتبه سید احمد شهید اکوڑہ خٹك)



يـقـال: يـا عدو اللّٰه، ان عيسى روح اللّٰه وكلمته، كذبت على اللّٰه، وزعمت أنه اللّٰه، ان عيسىٰ لـم يـمـت وانـه رفـع الى السماء، وهو نازل قبل أن تقوم الساعة، فلايبقى يهودى ولانصرانى الا آمن به. (الـدرالـمنثور فى التفسير بالمأثور، سورة النساء: ۱۵۹، ج: ۵، ص: ۱۰۸)

قـال ابن جرير: حدثني يعقوب، قال: ثنا ابن علية، عن أبى رجاء، عن الحسن فـى قـولـه: ﴿وان مـن أهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته﴾. قال: قبل موت عيسىٰ، واللّٰه انه الآن لحى عنداللّٰه، ولكنه اذا نزل آمنوا به أجمعون.

حـدثـنـا الـحسـن بـن يحيى، قال: أخبرنا عبدالرزاق، قال: أخبرنا معمر، عن قتـادة: ﴿وان مـن أهـل الـكتاب الا ليؤمنن به قبل موته﴾. قال: قبل موت عيسىٰ اذا نزل آمنت به الأديان كلها.

حدثنا ابن وكيع، قال: ثنا عمران بن عيينة، عن حصين، عن أبى مالك، قال: لايبقى أحد منهم عند نزول عيسىٰ الا آمن به.

حـدثـنى يونس، قال: أخبرنا ابن وهب، قال: قال ابن زيد فى قوله: ﴿وان من اهـل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته﴾. قال: اذا نزل عيسى ابن مريم، فقتل الدجال، لـم يـبـق يهـودى فـى الأرض الا آمن به. قال: فذلک حين لاينفعهم الايمان. (تفسير الطبرى، سورة النساء، الآية: ۱۵۹، ج: ۷، ص: ۶۶۵، ۶۶۶)

وفـى تـفسيـر ابـن كثيـر: قال مجاهد: ﴿وانه لعلم للساعة﴾ أى: آية للساعة خـروج عيسـىٰ ابن مريم قبل يوم القيامة. وهكذا روى عن أبى هريرة رضى اللّٰه عنه،

عقیدہ حیات مسیح علیہ السلام پر خط وکتابت

گزشتہ سال اس ناکارہ نے ایک رسالہ ''قادیانیوں کو دعوت اسلام'' کے نام سے شائع کیا تھا جس میں بتایا گیا کہ مرزائی مذہب جناب مرزا صاحب کو ''محمد رسول اللہ'' سمجھتا اورانہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل قرار دیتا ہےاس رسالے کا جواب تو آج تک نظر سے نہیں گزرا البتہ اسے پڑھ لاہوری جماعت کے آرگن ''پیغام صلح لاہور'' کے مدیر جناب خلیل الرحمٰن صاحب نے اپنے اخبار میں ''مولوی محمد یوسف لدھیانوی کی خدمت میں چند گزارشات'' کے زیر عنوان لکھا کہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے میں ان کے کچھ اشکال ہیں۔

اورآپ نے جوفرض اپنے آپ کوسونپا ہے اس کا تقاضا ہے کہ آپ ہمارے شکوک وشبہات اوراشکال کاازالہ کریں۔

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا ثبوت مل جائے تو حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود خود بخود باطل ہوجاتا ہے''۔[ص۶ کالم۲]

یہ مضمون پڑھتے ہی میں نے ان کولکھ بھیجا کہ ''میں آپ کے اورآپ کی ساری جماعت کے تمام شبہات حل کرنے کو حاضر ہوں''۔ چنانچہ مبادیات طے کرنے کے لئے طرفین سے خطوط کا تبادلہ ہوتا رہا۔ کچھ سردی گرمی بھی ہوئی مراسلت کا یہ دلچسپ حصہ فی الحال محفوظ رکھا جاتا ہے۔ جہاں سے اصل موضوع پر گفتگوشروع ہوئی۔ مراسلت کا وہ حصہ ''پیغام صلح'' میں اورادھر ''بینات'' میں شائع ہوگا۔ پہلے اس ناکارہ کا خط اور پھر مدیر پیغام کا

وابن عباس، وأبی العالیة، وأبی مالک، وعکرمة، والحسن، وقتادة، والضحاک، وغیرهم.

وقد تواترت الأحادیث عن رسول اللهﷺ، أنه أخبر بنزول عیسیٰ ابن مریم علیه السلام قبل یوم القیامة امام عادلاً وحکماً مقسطاً. (تفسیر ابن کثیر، سورة الزخرف، الآیة: ٦١، ج: ٧، ص: ٢٣٦، ط، دار طیبة)

جواب [جو ''پیغام صلح'' میں علی الترتیب ۹ شوال اور ۱۶ شعبان ۹۷ھ کو شائع ہو چکے ہیں] ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اس ناکارہ کا جواب الجواب جو ۲۹ شعبان کو مدیر پیغام صلح کے نام بذریعہ ڈاک بھیجا گیا اور جس کے جواب کا ابھی منتظر ہوں وہ ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں شائع ہوگا دیکھئے خط وکتابت کا یہ سلسلہ کب تک چلتا ہے۔

(محمد یوسف)

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۷ھ، جون ۱۹۷۷ء

مخدوم ومکرم جناب پروفیسر خلیل الرحمان صاحب، زیدت عنایاتہم

نامۂ کرم کل موصول ہوکر موجب منت ہوا، شکر گزار ہوں کہ آنمحترم نے میری اور اپنی حیثیت طے فرمادی میرے پیرا نمبر۴ سے آنجناب کے جذبات کو ٹھیس پہنچی اور ''عوض معاوضہ گلہ نہ دارد'' کے تحت آپ نے تلخ کلامی کا اظہار فرمایا مجھے اس کا بجا طور پر پہلے سے احساس تھا، مگر آپ کے عقائد پر بحث کرنے کے لئے واضح کرنا ضروری تھا کہ میرے نزدیک جناب مرزا صاحب اور ان کے مخلصین کی شرعی حیثیت کیا ہے اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو میں اپنے اس دعوے پر دلائل پیش کروں اور آپ میرے شبہات حل فرمائیں۔ چونکہ آپ اس موضوع سے ہی کبیدہ خاطر ہوتے ہیں اور میرے دلائل کا سامنا کرنے کے لئے آمادہ نہیں اس لئے مجھے بھی اصرار نہیں اسی بناء پر میں آنجناب کے خط کے اس حصہ کو جو پیرا نمبر۴ کے ضمن میں ارقام فرمایا گیا یکسر چھوڑ رہا ہوں۔ بہر حال آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ''عوض معارضہ'' کے ذریعہ دل کا غبار ہلکا کرلیا۔ اب ٹھنڈے دل سے حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام پر گفتگو کرسکیں گے، دست بدعا ہوں کہ حق تعالیٰ توفیق وہدایت سے ہم سب کو بہرہ ور فرمائے۔ آج کی صحبت میں چند معروضات پیش خدمت ہیں۔ ردوقبول اور تنقید وتسلیم کے آپ مختار ہیں۔ واللہ الموفق

(۱) کسی اسلامی عقیدے کا ثبوت تین میں سے کسی ایک کے ذریعہ ہوسکتا ہے، ۱:

قرآن کریم،۲: حدیث متواتر،۳: اجماع امت۔ حسن اتفاق سے ہمارے زیر بحث مسئلہ میں یہ اصول ثلاثہ متفق ہیں یہ عقیدہ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے حدیث متواتر سے بھی اور اکابر امت کے اتفاق واجماع سے بھی۔

۱۔قرآن مجید:

جناب مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ﴾ پ۲۸ یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر مسیح کے حق میں پیشگوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا، اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت اور انکسار اور توکل اور آیات اور انوار کی رو سے مسیح کی "پہلی زندگی" کا نمونہ ہے اور اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت متشابہ واقعہ ہوئی ہے..... چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیش گوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے یعنی حضرت مسیح پیشگوئی متذکرہ بالا کا ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہے اور یہ عاجز روحانی اور معقولی طور پر اس کا محل اور مورد ہے"۔

نوٹ:...... جناب مرزا نے اس آیت کی یہ الہامی تفسیر فرمائی ہے۔ جیسا کہ ان کے خط کشیدہ الفاظ "اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے" سے ظاہر ہے اور چونکہ ان کا الہام بھی ان کے نزدیک قطعی ہے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں دوبارہ تشریف لانے کی پیش گوئی ثبوت اور دلالت دونوں کے لحاظ سے قطعی ہے۔ پس اس پر ایمان لانا ضروری ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کی پیش گوئی کے مطابق ضرور دوبارہ تشریف لائیں گے اور انہی کے ہاتھ پر دین اسلام کو دوبارہ غلبۂ کاملہ ہوگا جس کا اس آیت میں وعدہ دیا گیا ہے۔

حدیث متواتر:

مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''مسیح ابن مریم کے آنے کی پیش گوئی ایک اوّل درجہ کی پیشگوئی ہے جس کو سب نے باتفاق قبول کرلیا ہے اور جس قدر صحاح میں پیش گوئیاں لکھی گئی ہیں کوئی پیش گوئی اس کے ہم پہلو اور ہم وزن ثابت نہیں ہوتی۔ انجیل بھی اس کی مصدق ہے اب اس قدر ثبوت پر پانی پھیرنا اور یہ کہنا کہ تمام حدیثیں موضوع ہیں درحقیقت ان لوگوں کا کام ہے جن کو خدا تعالیٰ نے بصیرتِ دینی اور حق شناسی سے کچھ بھی بہرہ اور حصہ نہیں دیا اور بباعث اس کے کہ ان لوگوں کے دلوں میں قال اللہ وقال الرسول کی عظمت باقی نہیں رہی اس لئے جو بات ان کی اپنی سمجھ سے بالاتر ہو اس کو محالات اور ممتنعات میں داخل کر لیتے ہیں''۔ ''پس یہ کمال درجہ کی بے نصیبی اور بھاری غلطی ہے کہ یک لخت تمام حدیثوں کو ساقط الاعتبار سمجھ لیں اور ایسی متواتر پیش گوئیوں کو جو خیر القرون میں ہی تمام ممالک اسلام میں پھیل گئی تھیں اور مسلمات میں سے سمجھی گئی تھیں بمد موضوعات داخل کردیں''۔

نوٹ:......قرآن کریم نے حضرت مسیح ابن مریم (علی نبینا وعلیہما الصلوۃ والسلام) کے دوبارہ آنے کی جو قطعی اور اٹل پیش گوئی فرمائی ہے (جس کا ذکر ابھی ہوچکا ہے) احادیث متواترہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی پیش گوئی کی ادنیٰ ادنیٰ جزئیات اور تفصیلات بیان فرمائی ہیں'' اور خیر القرون سے آج تک کے سب مسلمانوں نے اسی کو قبول کیا ہے اور عہد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آج تک اسی کو مسلمات میں شمار کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن کریم وحدیث اور اسلامی لٹریچر میں ''مسیح ابن مریم'' کے نام سے ایک ہی شخصیت متعارف ہے اور وہ ہیں سیدنا عیسیٰ ابن مریم علی نبینا وعلیہما الصلوۃ والسلام پس ہر مؤمن کا یہ فرض ہے کہ خدا اور رسول کی اس قطعی ومتواتر پیش گوئی پر لفظاً ومعناً ایمان رکھے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری کا صدق دل سے معتقد رہے۔

۲۔اجماع امت

مرزا صاحب فرماتے ہیں:

’’ایک دفعہ ہم دلّی میں گئے تھے، ہم نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ تم نے تیرہ سو برس سے یہ نسخہ کیا کہ آنخضرت کو مدفون اور حضرت عیسیٰ کو زندہ آسمان پر بٹھایا....مگر اب دوسرا نسخہ ہم بتاتے ہیں۔ وہ استعمال کر کے دیکھو اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو وفات شدہ مان لو‘‘۔

نوٹ:......ادھر تیرہ سو سال سے (اور اب چودہ سو سال سے) حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کے دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کی قطعی اور متواتر پیشگوئی تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئی تھی اور اسے مسلمات میں شمار کیا گیا تھا، ادھر اسی وقت سے آج تک مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ مانتے چلے آتے ہیں۔ پس جس طرح خیر القرون سے لے کر تیرہ سو سال تک کے مسلمانوں نے خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشگوئی پر ایمان رکھا، اگر آج کے مسلمانوں کو بھی خیر القرون کے اسلام کی ضرورت ہے تو انہیں بھی اسی طرح اس پیش گوئی پر ایمان رکھنا ہوگا۔

۲: جو امور خیر القرون سے متواتر چلے آتے ہیں ان کا دین محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں داخل ہونا ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، ان تمام امور کو ماننا اسلام ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ اس کی مثال ایسی سمجھئے کہ ایک شخص سارے قرآن کو مانے اور اس کی ایک آیت کو مشکوک سمجھے، ایسا شخص قرآن کریم کا منکر تصور کیا جائے گا۔ اسی طرح آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات وفرمودات جو تواتر سے منقول ہوں۔ ان میں سے کسی ایک کا منکر آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکذب ہوگا۔

۳: پھر انکار کی دو صورتیں ہیں (۱) متواتر الفاظ کا انکار (۲) متواتر معنی ومفہوم کا انکار، دونوں کا ایک ہی حکم ہے مثلاً ایک شخص نماز کا سرے سے منکر ہے اور دوسرا شخص کہتا ہے کہ میں نماز کا قائل ہوں مگر نماز کا وہ مفہوم جو مسلمانوں نے سمجھ رکھا ہے۔ غلط ہے، یہ

دونوں شخص نماز کے منکر تصور ہوں گے یا مثلاً ایک شخص قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کی کتاب ہی نہیں مانتا اور دوسرا شخص مانتا ہے مگر ساتھ ہی یہ کہتا ہے کہ قرآن کے معنی وہ کتاب نہیں جس کو مسلمان چودہ سو سال سے خدا کی کتاب کہتے چلے آرہے ہیں۔ پہلا شخص بھی قرآن کا منکر ہے اور دوسرا شخص بھی۔ یہی حال تمام متواترات کا سمجھنا چاہئے کہ امت اسلامیہ نے جن الفاظ کو تواتر سے نقل کیا ان کا انکار بھی کفر ہے، اور ان الفاظ کے جو متواتر معنی ومفہوم نقل کیا ان کا انکار بھی کفر ہے۔

۴: چونکہ دین کا مدار نقل پر ہے اس لئے دین پر اعتماد جبھی ہوسکتا ہے جبکہ ناقلین دین پر اعتماد کیا جائے، صحابہ، تابعین اور گزشتہ صدیوں کے مجددین اور ائمہ دین (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) ہمارے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ ہیں، اگر ان اکابر کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو دین اسلام کی ہر چیز مشکوک ہوکر رہ جاتی ہے۔ پھر قرآن کا قرآن ہونا تک ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ کجا کہ کسی اسلامی عقیدہ یا مسئلہ پر اعتماد کیا جاسکے، اس لئے قرآن کریم کی ایسی تفسیر، جو کسی متواتر عقیدہ کے خلاف یا سلف صالحین کے مسلمہ معنی ومفہوم کے خلاف ہو "تفسیر بالرائے" کہلاتی ہے۔ جس کی ہمیں اجازت نہیں دی گئی۔

۵: یہ تو پیرا نمبر ا میں واضح کرچکا ہوں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری کی پیش گوئی خود خدا تعالیٰ نے فرمائی ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تفصیلات ارشاد فرمائی ہیں اور اول سے آخر تک امت اسلامیہ نے اسے اپنے معتقدات ومسلمات میں شامل کیا ہے، اس کے بعد کسی مصنفِ عاقل کو اس پیش گوئی کی صحت وصداقت میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا (کم از کم بعد از علم نہیں رہنا چاہئے) رہا یہ خیال کہ ان کے دوبارہ آنے سے ختم نبوت کی مہر ٹوٹ جاتی ہے، صحیح نہیں، کیونکہ خاتمیت کا مقتضی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو منصب نبوت پر فائز نہ کیا جائے یہ نہیں کہ کوئی ایسا نبی، جسے پہلے سے نبوت مل چکی ہے زندہ نہ رہے، نویں صدی کے مجدد حافظ ابن

حجر عسقلانیؒ کے الفاظ ہیں:

"فوجب حمل النفی علی انشاء النبوۃ لاحد من الناس، لا علی نفی وجود نبی قد نبئ قبل ذلک".

۶: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور ہتک کا موجب نہیں بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شرف وفضیلت، سیادت وقیادت اور جلالتِ قدر کا مظہر ہے، کیونکہ آیت **"میثاق النبیین"** [آل عمران: ۸۱] کے مطابق تمام انبیاء کرام [علیہم السلام] سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا تھا۔ اب اس عہد کے ایفاء کے لئے اگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو زندہ رکھا جاتا، اور وہ سب حضرات لواء محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تلے جمع ہو کر اصالتاً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلالتِ قدر کا ظہور ہوتا نہ کہ ہتک عزت کا۔

اب اگر حکمت الٰہیہ نے [ان مصالح کی بناء پر جن کو وہ حکیم مطلق ہی بہتر جانتا ہے] تمام انبیاء کرام کی نیابت کے لئے انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو منتخب کر لیا، اور انہوں نے اپنی طرف سے اصالۃً اور دیگر انبیاء کرام کی جانب سے نیابۃً ایمان ونصرت کا وہ عہد پورا کر دکھایا تو اس کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص اور ہتک کیوں کہا جائے؟ کیا کسی پر ایمان لانا اور اس کی نصرت کے لئے کمربستہ ہونا اس کے حق میں تنقیص اور ہتک کہلاتا ہے؟ قرب قیامت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کے خادم وناصر کی حیثیت میں ہوگی اور ان کے ایمان ونصرت سے نیابۃً تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق ونصرت ساری دنیا کے سامنے علی رؤس الاشہاد متحقق ہو جائے گی۔ بعید نہیں کہ ارشاد نبوی، **"انا اولی الناس بعیسیٰ بن مریم فی الاولی والاخرۃ"**، میں اس مضمون کی جانب بھی اشارہ ہو۔ بہر حال کسی گزشتہ نبی کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رعیت میں شامل ہو کر نصرت وحمایت بجالانا آپ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے شرف ومنزلت کو دوبالا کرتا ہے نہ کہ ہتک وتنقیص کا موجب ہے۔

۷: اور اسی سے یہ بھی واضح ہوا ہوگا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے دین اسلام میں نقص واقع نہیں ہوتا بلکہ اس کے شرف وفضیلت کا عملی اظہار ہے کہ دور محمدی (علی صاحبہ والصلوۃ والتسلیمات) میں ایک نہیں بلکہ سارے اولو العزم رسول بھی تشریف لائیں تو انہیں اپنی اپنی کتابیں اور شریعتیں لپیٹ کر رکھ دینی ہوں گی اور ان کا منصب بھی دین اسلام کے ناصرین اور خدام کا ہوگا، کیونکہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد انبیاء سابقین کی تمام کتابیں اور شریعتیں منسوخ ہوچکی ہیں۔ اب کسی کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر چارہ نہیں، حدیث: **لو ان موسیٰ حیا لما وسعه الا اتباعی،** کا یہی مفہوم ہے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اس ارشاد کی عملی تصدیق ہے۔

۸: احکام میں نسخ وتبدیلی ممکن بھی ہے اور واقع بھی کہ حاکم جس وقت کے لئے جو حکم قرین مصلحت سمجھے دے سکتا ہے، مگر عقائد میں نسخ وتبدیلی ممکن نہیں۔ کیونکہ جو خبر واقعہ کے مطابق ہو اس پر پختہ یقین رکھنے کا نام عقیدہ ہے اور اس کے مقابلہ میں خلاف واقعہ خبر پر یقین جمانے کا نام "جہل مرکب" ہے "عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں" یہ جملہ خبریہ اگر واقعہ کے مطابق ہے تو اس کا یقین عقیدہ ہے اور اگر واقعہ کے مطابق نہیں تو "جہل مرکب" ہے "عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں اتریں گے" یہ خبر اگر واقعہ کے مطابق ہے تو عقیدہ ہے، اور اگر خلاف واقعہ ہے تو اس کا اعتقاد "جہل مرکب" ہے۔

۹: چونکہ جناب مرزا صاحب کو اپنے الہامات پر قرآن کریم کی طرح ایمان تھا اور وہ ان سے انحراف کو کفر کے مرادف سمجھتے تھے اس لئے نامناسب نہ ہوگا اگر زیر بحث مسئلہ میں ان کا ایک الہام بھی تبرکاً درج کردیا جائے۔ کیا بعید کہ کسی سعید روح کو اسی سے ہدایت وتوفیق کی متاع بے بہا نصیب ہوجائے۔ **وھو ھذا:**

"﴿عسیٰ ربکم ان یرحم علیکم وان عدتم عدنا

وجعلنا جهنم للكافرين حصيراً﴾(۱).

خدا تعالیٰ کا ارادہ اس بات کی طرف متوجہ ہے کہ تم پر رحم کرے اور اگر تم نے گناہ اور سرکشی کی طرف رجوع کیا تو ہم بھی سزا اور عقوبت کی طرف رجوع کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنا رکھا ہے۔ یہ آیت اس مقام میں حضرت مسیح کے جلالی طور پر ہونے کا ظاہراً اشارہ ہے یعنی اگر طریق رفق اور نرمی اور لطف احسان کو قبول نہیں کریں گے اور حق محض جو دلائل واضحہ اور آیات بینہ سے کھل گیا ہے اس سے سرکش رہیں گے تو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب خدا تعالیٰ مجرمین کے لئے شدت اور عنف اور قہر اور سختی کو استعمال میں لائے گا۔ اور حضرت مسیح نہایت جلالیت کے ساتھ دنیا پر اتریں گے اور تمام راہوں اور سڑکوں کو خس وخاشاک سے صاف کر دیں گے۔ اور کج ناراست کا نام ونشان نہ رہے گا۔ اور جلال الٰہی گمراہی کے تخم کو اپنی تجلی قہری سے نیست ونابود کر دے گا۔ اور یہ زمانہ اس زمانہ کے لئے بطور ارہاص کے واقع ہوا ہے۔ یعنی اس وقت جلالی طور پر خدائے تعالیٰ اتمام حجت کرے گا۔ اب بجائے اس کے جمالی طور پر یعنی رفق اور احسان سے اتمام حجت کر رہا ہے"۔

۱۰: آنجناب کی ارشاد وفرمودہ گنجائش کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت ہی مختصر اشارات عرض کیے ہیں۔ جن میں اجمال کی حد تک اختصار کی رعیت کی ہے۔ چونکہ آپ عاقل وفہیم ہیں اس لئے مطلب سمجھنے میں امید ہے دقت نہیں ہوگی۔ ردو قبول اور تنقید وتسلیم کا آنجناب کو اختیار ہے، ان میں سے کوئی بات لائق قبول ہو تو زہے نصیب۔ اگر لائق رد ہو تو

---

(۱): آیت کریمہ نقل کرنے میں مرزا قادیانی سے غفلت ہوئی ہے، حکایت کے طور پر انہی کے نقل کردہ حوالہ کے مطابق آیت کے الفاظ نقل کئے جاتے ہیں جبکہ صحیح الفاظ یہ ہیں: عسى ربكم أن يرحمكم وان عدتم عدنا...الآية. (مرتب)

دلیل کے ساتھ رد فرمایئے۔ آئندہ صحبت میں آنجناب کے نقد کا بھی منتظر رہوں گا اور جدید شبہات کا بھی اگر کوئی شبہ ہو۔ نیز اصل مسئلہ پر مزید دلائل یا توضیح کی ضرورت ہوگی تو اس کے لئے بھی حاضر ہوں حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں توفیق وہدایت سے نوازے۔ حق وباطل کی تمیز نصیب فرمائے اور کجی وناراستی سے بچائے۔ آمین، امید ہے مزاج سامی بعافیت ہوں گے۔ فقط

محمد یوسف لدھیانوی۔ ملتان



مکرمی ومحترمی مولوی محمد یوسف صاحب زید مجدکم۔

آپ کا مکتوب گرامی مرقومہ ۹ جون ۱۹۷۷ء ملا میں آپ کا یہ خط اور اس پر اپنا تبصرہ ''پیغام صلح'' میں اشاعت کے لئے ارسال کر رہا ہوں آپ بھی مناسب خیال فرمادیں تو اپنے کسی جریدہ میں یہ دونوں شائع فرما کر مشکور فرمادیں۔

۱: میں نے اپنے خط مورخہ ۷۷/۵/۵۰ میں آپ سے یہ عرض کیا تھا کہ (۱) میں سائل ہوں اور آپ مجیب (۲) میں نے بحیثیت سائل آپ سے درخواست کی ہے کہ بروئے قرآن حیات مسیح ثابت کریں اور (۳) مجھے قرآن کریم سے باہر کوئی اصول موضوعہ یا دلیل منظور نہ ہوگی۔ لیکن آپ نے قرآن کریم کے ساتھ احادیث اور اجماع امت کو بھی لے لیا ہے اس لئے میں اپنے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی توجہ اور معروضات صرف قرآن کریم سے پیش کردہ آیات پر ہی مرکوز رکھوں گا۔ حدیث متواتر اور اجماع پر بحث قرآن کریم کے بعد آئے گی جیسا کہ میں نے آپ کو ایک دفعہ لکھا تھا کہ میرے نزدیک کوئی ایسی حدیث جو قرآن کریم کے مخالف پڑتی ہو اور کسی شخص کا ایسا قول خواہ وہ حضرت مرزا صاحب ہی کیوں نہ ہوں جو قرآن کریم کے مخالف ہو ہرگز قابل قبول نہیں۔ البتہ اگر کوئی حدیث تاویل کے بعد قرآن کریم کے موافق نظر آئے تو وہ مانی جائے گی۔

۲: قرآن کریم سے حیات کا ثبوت۔

قرآن کریم سے حیات مسیح ثابت کرنے کے لئے آپ نے تین آیات پیش کی ہیں۔

الف: هو الذی ارسل .....علی الدین کله. (الصف: ۹)

ب: واذ أخذ الله میثاق النبیین. (اٰل عمران: ۸۱)

ج: وان عدتم..... حصیراً. (بنی اسرائیل: ۸)

''الف'' اور ''ج'' کے تحت درج شدہ آیات آپ نے اس لئے میرے سامنے رکھی ہیں کہ براہین احمدیہ حصہ چہارم کے صفحات ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۵ پر آپ کو وہ تفسیر مل گئی ہے جو ان آیات کے بارے میں حضرت مرزا صاحب نے بیان کی ہے لیکن آپ یہ بھول گئے ہیں کہ احمدیہ کا حصہ چہارم ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا اور حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کا راز آپ پر ۱۸۹۰ء میں اس الہام کے ذریعے منکشف ہوا۔

''مسیح ابن مریم فوت ہوگیا ہے وجعلناک المسیح بن مریم''۔

اس کے مدنظر آپ نے ۱۸۹۱ء میں دعویٰ مسیح موعود تک قرآن کریم کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی اطلاع کو جانچا اور پرکھا۔ جب آپ کو یقین ہوگیا کہ قرآن کریم وفات مسیح کی تصدیق کرتا ہے تو آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے وفات مسیح کے عقیدے کی تائید میں قرآن کریم سے ۳۰ آیات پیش کیں جو ازالہ اوہام میں بالتفصیل درج ہیں اس لئے آپ کو چاہئے تھا کہ آپ ۱۸۹۱ء کے بعد کی کوئی تفسیر پیش کرتے جس میں سے حضرت مرزا صاحب کا عقیدہ دوبارہ حیات مسیح مستنبط ہوسکتا۔

ضمناً یہ بھی عرض کردوں کہ کوئی بھی شخص جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہونے کا دعویٰ کرتا ہو اپنی طرف سے اس سے زیادہ ظاہر نہیں کرسکتا جو اللہ تعالیٰ نے اس پر ظاہر کیا ہو۔ اور نہ ہی اس مقام پر مبعوث ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے

اس کا مدعی ہونے کا حکم نازل نہ ہو جائے اس لئے ۱۸۸۴ء میں حضرت مرزا صاحب نے نہایت دیانت داری اور سچائی سے کام لیتے ہوئے وہی کچھ بتایا جو آپ پر ظاہر ہو چکا تھا یعنی ''اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت متشابہ واقع ہوئی ہے''۔ اور ''اس عاجز کو مسیح سے مشابہت تامہ ہے اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیش گوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے''۔

اور وہاں تو یہ الفاظ بھی ہیں جو آپ نے ..... اس طرح نقطے ڈال کر حذف کر دیئے ہیں ''گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک درخت کے دو پھل ہیں'' یہاں تو حضرت صاحب نے ایک فطرتی اور سائنسی اصول بیان کر دیا ہے ایک ہی درخت کے دو پھل یا سارے پھل شکل وشباہت وجسامت اور دوسری خصوصیات میں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت تامہ رکھتے ہیں اور ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے کیا سائنسی لحاظ سے سارے ہی ٹکڑوں بلکہ ان کے خوردبینی ذرات یا ایٹموں میں بھی طبعی اور کیمیائی لحاظ سے مشابہت تامہ ہوتی ہے۔ اس سے تو جسمانی مشابہت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے صرف وہی کچھ بیان فرمایا جو ان پر ظاہر کیا گیا تھا۔ اس لئے ''جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی'' میں اپنے آپ کو شامل نہ کیا۔ یہ آپ کا اپنا اجتہاد اور خیال تھا جس میں غلطی لگنے کے امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر کر دیا تو مسیح ابن مریم کے دوبارہ واپس آنے کا آپ کا نظریہ غلط ثابت ہو گیا اور تب آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔

جہاں تک ''الصّف کی آیت ۹'' کا تعلق ہے بعینہ الفاظ ''الفتح ۲۸'' میں ہیں۔ ''الصّف'' ابتدائی مدنی زمانہ کی ہے اور ''الفتح'' ۶ ھ کی نازل شدہ۔ اس سے اگلی آیت ۲۹ میں اس رسول کا نام لے کر یعنی ''محمد رسول اللہ'' کہہ کر بتا دیتا ہے کہ یہ غلبہ دین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت سے ہی وابستہ ہے اور اس سے آگے ''والذین معہ'' کے الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ یہ غلبہ دین ان لوگوں کے ساتھ وابستہ ہے جنہیں آپ کی معیت کا شرف

حاصل ہے۔ جب معیت محض قولی نہیں فعلی بھی ہے اس کی علامتیں یہ ہیں کہ کفار کے مقابلہ میں قوی، آپس میں رحم کرنے والے۔ رکوع اور سجود کرنے والے اور اپنے رب کا فضل چاہنے والے ہیں اور یہ نشانیاں ان کے چہروں پر ان کے سجدوں کے اثر سے نمایاں ہیں یعنی آپ کا مکمل اطاعت اور اتباع کرنے والے لوگ ہیں ورنہ زبان سے کہنے والے تو منافقین بھی تھے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں جیسا کہ ''البقرہ:۱۴'' میں فرمایا ہے:

''اور جب انہیں ملتے ہیں جو ایمان لائے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ اکیلے ہوتے ہیں کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ان سے ہم صرف ہنسی کرتے ہیں''۔

اس لئے آپ کی معیت کا مطلب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامل اطاعت اور اتباع ہے اور اس اطاعت اور اتباع کے ثمرات کا ذکر ''النساء ۶۹'' میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

''اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے تو یہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا من النبیین والصدیقین والشھدآء والصالحین، یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالح لوگوں کے ساتھ اور یہ اچھے ساتھی ہیں''۔

یہ مقامات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی تک محدود نہیں تھے بلکہ ''ومن یطع اللّٰہ والرسول'' کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے یا کرے گا خواہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں ہو یا بعد میں وہ ان مقامات کو پا جائے گا اس لئے اس میں عمومیت ہے اور اس بات پر کہ بعد میں آنے والے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت سے یہ مقامات حاصل کر سکتے ہیں۔ سورۃ الجمعہ کی آیات نمبر ۲ اور نمبر ۳ بڑی واضح اور غیر مبہم شہادت دیتی ہیں:

۲: ''وہی ہے جس نے امیوں کے اندر انہی میں سے ایک

رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور وہ پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں پڑے تھے''۔

۳: ''اور ان میں سے اوروں کو بھی جو ابھی ان کو نہیں ملے [بعد میں آنے والے] اور وہ غالب حکمت والا ہے''۔

بعد میں آنے والوں کے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی معلم ہوں گے اور انہیں آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوگا۔ آپ ہی کے ذریعے وہ علم وحکمت سیکھیں گے اور ان کا تزکیہ بعد میں ہوگا جو ان کے لئے مذکورہ مراتب کے حصول کا موجب ہوگا اور تاریخ گواہ ہے کہ اس امت پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہیں یہ رتبہ ملا، اس گروہ میں ''النبیین'' کا ذکر بھی ہے اس کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ ''**علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل**'' اس تمام تفصیل سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

۱: اظہار دین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت اور ان لوگوں سے وابستہ ہے جنہیں آپ کی معیت حاصل ہے۔

۲: یہ معیت صرف قولی نہیں بلکہ فعلی بھی ہے جس کا مطلب آپ کی مکمل اطاعت اور اتباع ہے۔

۳: ایسی اطاعت اور اتباع سے انسان کو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت حاصل ہوتی ہے۔

۴: اس میں عمومیت ہے تخصیص نہیں۔ جو بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم پر قدم مارے گا۔ وہ یہ مقامات حاصل کرسکتا ہے۔

۵: یہ بات آپ کے زمانہ حیات تک محدود نہیں بلکہ آپ کے بعد آنے والے بھی اس سرچشمہ ہدایت وحق سے سیراب ہوکر تزکیہ نفوس کرکے یہ مقامات پاسکتے ہیں اس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ان کے معلم، ہادی، رہنما اور مقتدا ہوں گے۔

۶: تاریخ اسلام اس پر گواہ ہے کہ آپ کے بعد اس امت میں ایسے عظیم المرتبت انسان پیدا ہوئے جنہیں اولیاء اور مجدد کہا جاتا ہے اور جن کے ذریعے اپنے زمانہ میں مسلمانوں میں پیدا ہونے والی خرابیاں دور ہوئیں اور نئے نئے مسائل کا حل پیش کیا گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد آئیں گے اور ''اخرین منھم'' میں شامل ہوں گے۔ اس طرح وہ بھی علم و حکمت کی باتیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھیں گے اور آپ ہی کے ذریعہ ان کا تزکیہ نفس ہوگا۔ اور یوں وہ آپ کے تلامذہ میں شامل ہوں گے اور آپ کی اطاعت اور اتباع سے ہی ان کو یہ سب کچھ حاصل ہوگا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطاع ہوں گے اور حضرت عیسی علیہ السلام مطیع۔ لیکن جب میں قرآن کریم پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے وہاں یہ آیت نظر آتی ہے ''وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ''، یعنی رسول مطاع ہوتا ہے نہ کہ مطیع۔ اس کی اطاعت کی جاتی ہے نہ کہ وہ کسی کی اطاعت کرتا ہے اور جو بھی رسول آیا ہے وہ مطاع ہی ہوا ہے مطیع نہیں ہوا، اسے تعلیم براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی ملتی رہی ہے جو وہ لوگوں تک پہنچاتا رہا ہے اور وہ ایک کتاب کی صورت میں محفوظ رہی ہے اور چاہیئے بھی یہی کیونکہ زمانہ ارتقاء پذیر رہا ہے اور ہر دور کے مسائل مختلف رہے ہیں۔ زمانہ کی ضروریات کے مطابق انبیاء تشریف لاتے رہے ہیں اور ہر نبی کو اپنے زمانہ کی ضروریات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم حاصل ہوتا رہا ہے۔ اس لئے اس تعلیم میں بتقاضائے زمانہ ردوبدل ہوتا رہا ہے پہلی کتابوں میں جو باتیں زمانہ کی ضرورت کے مطابق ہوتی تھیں وہ رکھی جاتیں اور دوسری باتوں کو ترک کرکے نئے احکام نازل کئے جاتے۔ اسی طرح شریعت میں ردوبدل ہوتا رہا جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

''وما ننسخ من ایۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شئ قدیر''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحبِ کتاب نبی اور رسول تھے۔ آپ مطاع تھے مطیع نہیں

ہو سکتے۔ مجھے کہیں کوئی ایسی مثال قرآن کریم میں نہیں ملتی کہ کسی نبی کو دوسرے نبی کا مطیع اور شاگرد بنا دیا ہو۔ اس لئے وہ عیسیٰ جو بنی اسرائیل میں سے نبی تھے اور انہی کی طرف تھے ''اخرین منھم'' میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے وہ آ بھی نہیں سکتے اور زندہ بھی نہیں ہیں۔ اور پھر وہاں الفاظ ''یزکیھم'' بھی ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان میں شامل ہوں گے تو ان کا تزکیہ نفس بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوگا۔ مطلب یہ ہوا کہ جب وہ آئیں گے تو نعوذ باللہ گنہگاروں میں شامل ہوں گے۔ کیا یہ ممکن کہ مقام نبوت پر فائز ہونے کے بعد وہ اس سے گر کر گنہگاروں میں شامل ہو جائیں گے اور کسی دوسرے نبی کے ذریعہ ان کے تزکیہ کی ضرورت پڑے اور اس تزکیہ کے بعد وہ لوگوں کی اصلاح کے لئے پھر مبعوث کئے جائیں؟ کیا قرآن کریم سے کوئی ایسی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر کیوں ایسا نہ ہو کہ اسی نبی کی امت کا کوئی شخص جس کا تزکیہ نفس اسی نبی کے ذریعہ ہو چکا ہو اصلاح کے لئے کھڑا کیا جائے۔

میرے خیال میں ''منھم'' میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے لوگ شامل ہیں اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے باہر ہیں اور کوئی نبی بیک وقت نبی بھی اور امتی بھی نہیں ہو سکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امتی اس لئے بھی نہیں ہو سکتے کہ ان کے متعلق قرآن کریم میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ ''وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ''، اور وہ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا (ال عمران: ۴۸) اس لئے آنحضرت سے سیکھنے اور ان کے شاگردوں میں داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ آیت جو آپ نے نقل کی ہے اور اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر دلیل دی ہے کسی طرح بھی یہ ثبوت بہم نہیں پہنچاتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اصلاحِ امت کے لئے تشریف لائیں گے۔

آل عمران کی آیت ۸۱ سے ثبوت:

یہ آیت کریمہ میثاق النبیین کے متعلق ہے جس کا ترجمہ میں اپنے قارئین کے لئے

درج کردیتا ہوں۔

''اور جب اللہ نے نبیوں کے ذریعہ عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت سے دیا ہے پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم سے ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ کہا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرے عہد کا بوجھ لیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اقرار کر لیتے ہیں۔ کہا پس گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں''۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ ''اگر انبیاء کرام کو زندہ رکھا جاتا'' یعنی آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے جتنے انبیاء تھے وہ زندہ نہیں ہیں فوت ہو چکے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کے اس قانون سے جس کے تحت تمام انبیاء علیہم السلام کی وفات واقع ہوئی آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مستثنیٰ رکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اگر حکمت الٰہیہ نے ان مصالح کی بناء پر جن کو وہ حکیم مطلق ہی بہتر جانتا ہے، تمام انبیاء کرام کی نیابت کے لئے انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو منتخب کرلیا اور انہوں نے اپنی طرف سے اصالۃً اور دیگر انبیاء کرام کی جانب سے نیابۃً ایمان ونصرت کا وعدہ پورا کر دکھایا تو اس کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص اور ہتک کیوں کہا جائے''۔

آپ کی اس تشریح پر میرے یہ اعتراضات ہیں:

ا: کیا آپ قرآن کریم سے کوئی ایک ایسی آیت دکھا سکتے ہیں جس میں یہ ذکر ہو کہ حکمت الٰہیہ نے ان مصالح کی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انبیاء علیہم السلام کی نیابت کے لئے منتخب کیا۔ کیونکہ میرا ایمان ہے کہ انسانوں کی فلاح و بہبود اور اصلاح نفوس کے لئے جو بات ضروری ہوتی ہے اس کو اس کی حکمت نے کبھی پوشیدہ نہیں رکھا۔ اپنے ایسے احکام کو وہ ''آیات بینات'' سے تعبیر کرتا ہے اور ان بینات کے بعد ہی وہ منکرین کو کافر کا

خطاب دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے:

''یہ ایک سورۃ ہے جسے ہم نے اتارا ہے اور اس کے احکام کو ضروری ٹھہرایا اور اس میں کھلے کھلے حکم اتارے (فیھا ایات بینت) تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اور فرماتا ہے کہ:

''اس لئے کہ ان کے رسول ان کے پاس کھلے دلائل لے کر آتے تھے پر انہوں نے انکار کیا (فکفروا) سو اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑا اور وہ طاقتور سزا دینے میں سخت ہے''۔

اگر اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کے مطابق کھلے کھلے دلائل اور واضح احکام نازل نہ کرے اور نعوذ باللہ مصلحت آمیزی اور مصلحت پوشی سے کام لے تو اسے مخالفین حق کو سزا دینے کا کیا حق پہنچتا ہے اگر حضرت عیسیٰؑ کو اصلاح امت محمدیہ کے لئے زندہ رکھنا مقصود تھا تو اسے کون روک سکتا تھا کہ قرآن میں ان کی زندگی کے متعلق صاف صاف بیان کر دیتا اور وہاں ایسی آیات نہ ہوتیں جن سے کہیں تو ان کی حیات ثابت ہوتی اور کہیں ممات۔ اور اس پر مسلمانوں میں اختلاف رونما ہوتا۔

۲: قرآن کریم میں نہ تو مجھے ایسی آیت ملی ہے جس سے ان مصالح کا ذکر ہو جن کے مدنظر حضرت عیسیٰؑ کو زندہ رکھا گیا اور نہ کوئی ایسی آیت نظر آتی ہے جس میں یہ ذکر ہو کہ انبیاء علیہم السلام نے یہ نیابت انہیں سونپی ہو کہ وہ ان سب کی طرف سے اس عہد کو پورا کریں۔ کیونکہ عہد پورا کرنا اسی نبی کا فرض ہے جس سے یہ عہد لیا گیا ہو۔ خدا ایک نبی سے عہد لیتا ہے۔ وہ خود اسے پورا نہیں کرتا اور ذمہ داری دوسرے کے سر ڈال دیتا ہے اس کی منطق مجھے سمجھ نہیں آئی۔ ایمان اسی نبی نے لانا ہے اور مدد اسی نبی نے کرنی ہے۔ اس میں کیا تک ہوئی کہ وہ دوسرے کو کہے کہ بھئی میں تو نہ ایمان لاتا ہوں اور نہ مدد کرتا ہوں تم میری طرف سے ایمان بھی لے آؤ اور مدد بھی کرو۔ کیا یہ خدا کے حکم کی حکم عدولی اور عہد شکنی نہیں اور

کیا کسی نبی سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے قرآن کریم تو فرماتا ہے ہے۔

''جو اللہ کے عہد کو اس کے پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں (مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ) اور اسے کاٹتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ملایا جائے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یہی نقصان اٹھانے والے ہیں''۔

کیا انبیاء اپنے لئے نقصان پسند کر سکتے ہیں؟

''الرعد'' ۳۵ میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ ہیں:

''اور وہ جو اللہ کے عہد کو پکا کرنے کے بعد توڑتے ہیں (یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ) اور اسے کاٹتے ہیں جو اللہ نے حکم دیا ہے کہ جوڑا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہی جن کے لئے لعنت اور جن کے لئے اس گھر کا برا انجام ہے''۔

کیا اللہ کے نبی بذات خود اس پختہ عہد کو پورا نہ کر کے اس کو توڑنے کے مرتکب نہیں ہوتے اور نعوذ باللہ اس سزا کے مستوجب نہیں ٹھہرتے اگر کسی نبی کی امت کے لئے یہ سزا ہے تو وہ نبی جو اپنی امت کا قائد اور رہنما ہے وہ اس سے کیسے بچ سکتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے بارے میں فرمانے کا یہ حکم ہوتا ہے، ''کہہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بُرے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں'' جن کے بارے میں عہد لیا گیا اگر وہ یہ فرماتے ہیں تو باقی انبیاء کو اس سے بڑھ کر ڈرنا چاہیئے تھا کہ اگر ہم نے عہد پورا نہ کیا تو یہ معصیت الٰہی ہوگی اور ہم اللہ کی ناراضگی کے مورد جائیں گے۔

۴: بفرض محال اگر آپ کی یہ بات تسلیم کر ہی لی جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی طرف سے اصالۃً اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے نیابۃً یہ عہد پورا کرنے کے لئے زندہ رکھے گئے ہیں تو اس آیت کے الفاظ، ''لتومنن بہ ولتنصرنہ''، کے مطابق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ سے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ اب وہ رسول مبعوث ہوگیا ہے اب مجھے نیچے اتاریے کہ میں وہ میثاق پورا کروں جو

آپ نے سب انبیاء سے لیا اور انہوں نے یہ ذمہ داری مجھے سونپی اور میں بذات خود یہ شہادت دوں کہ یہ وہی رسول ہے جس کے متعلق میں نے کہا تھا اور بشارت دی تھی کہ ”یاتی من بعدی اسمہ احمد“ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا وہ وقت تھا جب مکہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو سخت سے سخت ایذائیں دی جارہی تھیں۔ان کی وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑنا پڑا۔مدینہ میں بھی آرام سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔زندگی کے آخری سال تک جنگیں لڑنا پڑیں۔اس وقت سلطنتِ روم عیسائیوں کی بہت بڑی سلطنت تھی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام آکر اپنی قوم سے ہی مدد دلوادیتے۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ خدا جس نے خود ہی ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد لیا اور حضرت عیسیٰ جنہیں نیابۃً اور اصالۃً یہ فرض ادا کرنا تھا۔دونوں خاموش تماشائی بن کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مصائب اور مشکلات کا تماشا دیکھتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے عہد لے کر اس عہد کو پورا کرنے کیلئے حضرت عیسیٰؑ کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدد کے لئے نہ بھیجا۔آخر کیوں؟

۴: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی پہلی بعثت کے وقت یہ فرمادیا کہ ”ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد“، اپنا عہد اصالۃً اور نیابۃً پورا کردیا ہے اور ساتھ ہی توریت کی تصدیق بھی کردی ہے اگر توریت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر دیکھنا ہو تو ”استثناء ۱۸، ۱۸“، دیکھ لیں اور انجیل میں دیکھنا ہو تو ”یوحنا ۱۴، ۱۶“۔”یوحنا ۱۵، ۲۶“ اور ”یوحنا ۱۶ ۱۳“ دیکھ لیں۔برناس کی انجیل میں لکھا ہے۔

”یسوع نے کہا وہ کیسا مبارک زمانہ ہے جس میں کہ یہ رسول دنیا میں آئے گا تم مجھے سچا مانو۔میں نے اسے دیکھا اور اس کے سامنے عزت وحرمت کو پیش کیا۔اور اس کو ہر نبی نے دیکھا ہے کیونکہ اللہ نے نبیوں کو اس کی روح بطور پیشگوئی عطا کرتا ہے اور جب میں نے اس کو دیکھا (روح کو)

میں تسلی سے بھر کر کہنے لگا، اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اللہ تیرے ساتھ ہو اور مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمیہ کھولوں۔ کیونکہ اگر میں یہ شرف حاصل کرلوں تو بڑا نبی اور اللہ کا مقدس ہو جاؤں گا اور جبکہ یسوع نے اس بات کو کہا اس نے اللہ کا شکریہ ادا کیا''۔

حضرت عیسیٰؑ کو بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح بطور پیش گوئی عطا کی گئی تو آپ نے فرمایا" **ومبشرا برسول یاتی من بعد اسمہ احمد**''، اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کس مقصد کے لئے زندہ رکھنا مقصود تھا۔ تورات میں شہادت موجود ہے۔ انجیل میں شہادت موجود ہے۔ یہودی اور عیسائی اپنی آنکھوں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ رہے تھے ان کے سامنے یہ ساری شہادتیں سچی ثابت ہو رہی تھیں لیکن انہوں نے انکار ہی کیا۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آکر اس سے بڑھ کر کیا شہادت دیں گے کہ سب مان جائیں گے۔ حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے۔

''اور تیرے ماننے والوں کو تیرا انکار کرنے والوں پر قیامت کے دن تک فوقیت دینے والا ہوں پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹ کر آنا ہے پس میں تمہارے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے''۔

یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی بعثت اولیٰ کے وقت ہے جب آپ کو ماننے والے عیسائی اور انکار کرنے والے یہودی قیامت تک رہیں گے تو حضرت عیسیٰؑ آکر کیا کریں گے اگر ان دونوں قوموں کا اختلاف ویسے کا ویسا رہا تو حضرت عیسیٰؑ آکر کیا کارنامہ سرانجام دیں گے۔

۵: مولانا آپ ذرا بھی غور فرماتے تو آپ کو ﴿**لما اتیتکم من کتٰب وحکمۃ**﴾ کے مدنظر عیسیٰؑ کو اس کام کے لئے زندہ رکھنے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی عہدنامے تحریری ہوتے ہیں۔ ''میثاق مدینہ'' بھی ایک تحریری دستاویز تھی اور صلح نامہ حدیبیہ بھی۔ ان دونوں پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستخط موجود ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے مکلّف تھے اس کی پابندی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت پر بھی اتنی ہی لازم تھی جتنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر "کتاب" کا لفظ صاف بتاتا ہے کہ جو عہد اللہ تعالیٰ نے لیا وہ اس نبی کی کتاب میں درج ہے نبی نے زندہ نہیں رہنا تھا۔لیکن اس کی امت اور کتاب نے دوسرے نبی کے آنے تک آگے چلنا تھا جیسا کہ فرمایا گیا ہے: ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت دی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔ نبی کے جانے کے بعد اس کی امت پر اس عہد نامے کی پابندی لازمی تھی ۔ جب دوسرا نبی آیا تو اس نے اپنے سے پہلے نبی اور اس کی کتاب کی تصدیق کی اور اس طرح اس عہد نامے کی بھی تصدیق کی جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق اس میں درج تھا اور یوں وہ اس پر ایمان لایا اور یہی عہد نامہ اس کی اپنی کتاب میں درج ہوا۔اسی طرح ایک امت سے دوسری امت تک یہ عہد نامہ کتاب کے ذریعہ منتقل ہوتا رہا تا آنکہ وہ موعود نبی یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور اللہ نے آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے فرمایا: کہ "اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں" اور اس میں تمام نسل انسانی جو اس وقت کرّۂ ارض پر موجود ہے اور جو بعد میں آنے والی تھی مخاطب تھی اور اس ساری نسل انسانی میں پہلے رسولوں کی امتیں شامل تھیں۔ ہر رسول کو جو تعلیم ملی وہ اس کی کتاب میں درج تھی۔اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی جو تعلیم ملی وہ قرآن کریم کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور ہم نے تیری طرف کتاب حق کے ساتھ اتاری اس کی تصدیق کرتی ہوئی جو اس سے پہلے کتاب میں سے ہے اور اس پر نگہبان"۔

پھر اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

"اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی ہے اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے (قرآن) اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے پاس ہے"۔

قرآن کریم نے تمام سابقہ کتب انبیاء علیہم السلام کی تصدیق حفاظت اور نگہبانی اس

طرح فرمائی کہ ان کی تمام صحیح تعلیم کو اپنے اندر محفوظ کر لیا اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں جو تحریف اور ردّ و بدل ہوتا رہا اس کی تصحیح کی۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق جو پیشگوئیاں ان ساری مذہبی کتب میں درج ہیں وہ جوں کی توں ہیں ان میں سے کسی کو ردّ و بدل کی توفیق ہی نہیں ملی اس کا مطالعہ کرنا ہو تو ہمارے مولانا عبدالحق دویارتھی صاحب کی معرکۃ الآرا تصنیف ''میثاق النبیین'' پڑھ لیجئے آپ کا دل روشن ہو جائے گا۔

اس لئے یہ عہد نامہ یا ''میثاق'' نبیوں کے ذریعے ان کی امتوں سے لیا گیا تھا اور جو ان کی کتب میں متواتر درج ہوتا چلا آرہا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے: ''انما اخذ اللّٰہ میثاق النبیین علی اممھم'' یعنی اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا میثاق ان کی امتوں پر لی۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی کتاب انجیل اور آپ کی امت کے ذریعہ یہ میثاق پورا ہو چکا ہے۔ اب دوبارہ آکر حضرت عیسیٰؑ کو یہ شہادت دینے کی ضرورت نہیں کہ جس شخص محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نامی نے مجھ سے پہلے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا وہ سچا تھا۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور اس کی مدد کرتا ہوں۔ اس طرح تو حضرت عیسیٰؑ سے پہلے گزرنے والے انبیاء میں سے کوئی بھی نہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور نہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدد کی جو اللہ تعالیٰ کی معیت میں داخل ہے کیونکہ انہوں نے کہا تھا ''اقررنا'' اور نہ ہی قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نظر آتی ہے جس سے یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے یہ فرض حضرت عیسیٰؑ کو تفویض کر دیا تھا اور اگر کیا بھی تھا تو وہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں اسے ادا کرنے کے لئے آسمان سے نیچے نہ آئے اور نہ ہی اللہ نے انہیں بھیجنا مناسب سمجھا اور اس طرح خود ہی اقرار لے کر خود ہی تڑوا دیا۔

آپ کا یہ فرمانا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد آکر دوسرے انبیاء کی طرف سے ''نیابۃً'' اور اپنی طرف سے ''اصالۃً'' یہ میثاق پورا کریں گے یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان بھی لائیں گے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

مدد بھی کریں گے لیکن اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل غور امر یہ ہے کہ وہاں الفاظ ’’میثاق النبیین‘‘ ہیں اس لئے حضرت عیسیٰ کو ایک نبی کی حیثیت اور مستقل نبی کی حیثیت میں آ کر یہ میثاق پورا کرنا ہوگا کیونکہ وہاں صاحب کتاب اور مستقل نبیوں کا ہی ذکر ہے جیسا کہ ساتھ ہی، ’’لما اتیتکم من کتاب‘‘، الفاظ ہیں جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ایک صاحب کتاب نبی آئے گا تو ختم نبوت کی مہر کہاں ثابت رہے گی۔ ایک بار تو حضرت عیسیٰ پر انجیل اتر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق شہادت موجود ہے۔ اب ان پر کوئی دوسری کتاب اترنی چاہئے جو بغیر وحی الٰہی بوساطت جبرائیل ممکن نہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اجرائے نبوت اور وحی کا ایک نیا سلسلہ ماننا پڑتا ہے۔ جسے تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ اس لئے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ تسلیم نہیں کرسکتا۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ خاتم النبیین رہتے ہیں۔ نہ قرآن خاتم الکتاب اور نہ اسلام ایک مکمل دین۔ اب خود ہی سوچ لیجئے اجرائے وحی اور نبوت کا قائل کون ہے اور ختم نبوت کا منکر کون۔ ہم یا آپ؟

مولانا جناب برکت اے خان کی طرف سے جو بشارتی کمیٹی سیالکوٹ ڈایوسیس کونسل [عیسائی تنظیم] کے ایک معزز رکن ہیں ایک کتابچہ ’’فلسفہ وحدت الوجود‘‘ شائع ہوئی ہے جو مجھے ابھی ملی ہے میں آپ کی توجہ اس کے صفحہ ۶۸ پر ان سطور کی طرف مبذول کرنے کی اجازت چاہتا ہوں:

> ’’چنانچہ خداوند یسوع خدائے کامل اور انسان کامل بھی ہے۔ وہ پیکر حق وصداقت، الٰہی سیرت، قدرت، اختیار، آسمانی جلال اور الوہیت کی ساری معموری کے سبب اور بعد از مصلوب ومقتول تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی قدرت اور زندہ بجسد عنصری صعود آسمانی کی بے مثل جلالی عظمت کے سبب ’’ابن اللہ‘‘ ہے اور ’’کلمۃ اللہ‘‘ ہے‘‘۔

آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ وہ بجسد عنصری آسمان پر اٹھائے گئے اور واپس آئیں

گے امت مسلمہ کی اصلاح کریں گے۔تو کیا جواب ہے آپ کے پاس عیسائیوں کے ان الفاظ کا کہ ’’ابن اللہ‘‘ ہے۔

’’کلمۃ اللہ‘‘ ہے۔ ’’خدائے کامل اور انسان کامل ہے۔ پیکر حق صداقت، الٰہی، سیرت، قدرت، اختیار‘‘ بھی اسے حاصل ہے کہاں ہے آپ کی نگاہیں۔آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین کی وہ عظمت اور رفعت جب آپ کا اور عیسائیوں کا ایک ہی عقیدہ ہے تو کیا آپ خدا کے ساتھ شرک کے مرتکب نہیں ہورہے؟ ذرا خدا کا خوف دل میں کھا کر ذرا ختمی المرتبت کی اس فضیلت کو جو آپ محض زبانوں سے انہیں دوسرے انبیاء علیہم السلام پر دیتے ہیں سامنے رکھ کر ضد اور تعصب کے جذبات سے اپنے دل کو خالی کر کے تنہائی اور فرصت کے لمحات میں اس پر غور فرمائیں کہ یثرب کے نبی معصوم کو جنہیں ساری نسل انسانی کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا۔آپ مدینہ میں مدفون سمجھتے اور آپ کے روضہ مبارک کی زیارت کی تمنا اور تڑپ دل میں لئے پھرتے ہیں۔مگر حضرت عیسیٰؑ کو جنہیں انجیل اور قرآن دونوں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جانے والا رسول کہتے ہیں انہیں عرش پر زندہ سلامت سمجھے بیٹھے ہیں۔

> ’’اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا‘‘۔
>
> ’’اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں‘‘۔

ورسولا الی بنی اسرائیل.

نوٹ: جہاں تک آپ کے خیال کا تعلق ہے کہ ’’میں حضرت مرزا صاحب کے ’’دعاوی‘‘ کے بارے میں آپ کے دلائل کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہیں‘‘ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حیات وممات مسیح کا مسئلہ کا فیصلہ ہوجانے کے بعد ان شاء اللہ العزیز آپ کے ان ’’دلائل‘‘ کا بھی سامنا کروں گا۔اور یہ بات ثابت ہوجائے گی کہ غلط آپ سمجھے بیٹھے

ہیں یا ہم؟ گم کردہ راہ آپ ہیں یا ہم؟ اور حقیقی معنوں میں ختم نبوت کے قائل ہم ہیں یا آپ؟

جواب کا منتظر

خلیل الرحمان، مدیر پیغام صلح

بینات، ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ

عقیدہ حیات مسیح علیہ السلام

[جواب ——— مدیر پیغام صلح]

دفتر ختم نبوت ۲۹ شعبان ۹۷ھ۔ ۱۶ اگست ۷۷ء

مکرم ومحترم جناب پروفیسر خلیل الرحمان صاحب۔ زیدت عنایاتہم

میرے خط محررہ ۹ جون ۷۷ء کا جواب بذریعہ ''پیغام صلح'' ۳۔ اگست ۷۷ کو مجھے موصول ہوا اور میں نے بڑی دلچسپی سے اس کا مطالعہ کیا جواباً چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔

۱: میں نے عرض کیا تھا کہ کسی اسلامی عقیدہ کا ثبوت [۱] یا تو قرآن کریم سے ہوسکتا ہے، [۲] یا حدیث متواتر سے، [۳] یا اجماع امت سے اور یہ کہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ قرآن کریم۔ حدیث متواتر اور اجماع امت تینوں سے ثابت ہے۔ اس کے بعد میں نے ان تینوں کے حوالے علی الترتیب پیش کیے تھے جن کا انکار آپ نہیں کرسکے۔ مگر ان کے جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ ''میرے لئے قرآن سے باہر کوئی دلیل منظور نہیں'' گویا آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے متواتر ارشادات اور ائمہ ہدیٰ کے اتفاقی واجماعی عقائد کی آپ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں۔ آپ صرف قرآن کو مانتے ہیں اور اس کی تفسیر بھی صرف وہی جو آنجناب کے ذہن عالی میں آئے، اس کے علاوہ کوئی تفسیر آپ کے لئے قابل قبول نہیں۔ خواہ وہ پوری امت کی متفقہ ومسلمہ ہو۔ اور خواہ وہ آپ کے ''مامور من اللہ'' کی تفسیر ہو۔

حیات عیسیٰ علیہ السلام کو تو قبول کیجئے یا نہ کیجئے۔ آپ کی اپنی صوابدید ہے مگر یہ گزارش ضرور کروں گا کہ آپ نے حیات عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدہ سے گریز اختیار کرنے کا جو راستہ اپنایا ہے وہ بڑا ہی خطرناک راستہ ہے اور اس کی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

اولاً: میں آپ کے سامنے قرآن کریم اور آپ کے مسلمہ مامور من اللہ کی الہامی تفسیر پیش کروں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات متواتر کا حوالہ دوں۔ گزشتہ صدیوں کے اجماع سلف صالحین کو ذکر کروں اور آپ ہر ایک کے جواب میں ''نامنظور'' کا لفظ کہہ کر فارغ ہو جائیں تو انصاف سے کہیے کہ پھر میں کسی اسلامی عقیدہ کے ثبوت میں اور کیا پیش کروں؟

ثانیاً: خود قرآن کریم کا ثبوت بھی تواتر سے ہے۔ اگر تواتر ہی آپ کے لئے نامنظور ہو تو قرآن کریم کا قطعی ثبوت آپ کس دلیل سے پیش کریں گے؟

ثالثاً: جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں: ''تواتر ایک ایسی چیز ہے کہ اگر غیر قوموں کی تواریخ کے رو سے بھی پایا جائے تب بھی ہمیں قبول کرنا ہی پڑتا ہے'' اور پھر تواتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ آنکھوں دیکھی چیز کی طرح قطعی اور بدیہی ہوتا ہے، اس میں کبھی کسی نادان بچے کو بھی شک نہیں ہوتا مگر کتنے تعجب کی بات ہے کہ امت محمدیہ کے ثقہ اور امین لوگوں کے تواتر کو آپ حیات عیسیٰ علیہ السلام سے بچنے کے لئے ''نامنظور'' فرمارہے ہیں انصاف فرمائیے کہ عقلاء کو آپ کے اس ''نامنظور'' کے بارے میں کیا رائے قائم کرنی چاہئے؟

رابعاً: آپ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متواتر ارشادات کو ''نامنظور'' فرمارہے ہیں مگر جناب مرزا صاحب کی وصیت یہ ہے

کیوں چھوڑتے ہو لوگو، نبی کی حدیث کو
جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اس خبیث کو

آپ ائمہ اہل سنت کے اجماعی عقیدہ کو نامنظور کہہ کر مسترد کر رہے ہیں مگر جناب مرزا

صاحب کی تصریح یہ ہے کہ:

''وہ تمام امور جن پر سلف صالحین کو اعتقادی اور عملی طور پر اجتماع [اجماع] تھا اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے ہے اسلام کہلاتے ہیں ان سب کا ماننا فرض ہے''۔

''اور جس شخص نے اس شریعت میں ایک ذرہ کی کمی بیشی کی یا کسی اجماعی عقیدہ کا انکار کیا اس پر خدا کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام انسانوں کی لعنت ہے''۔

خامساً: اگر آپ قرآن سے باہر کوئی دلیل قبول نہیں کرتے تو آپ کے اور مسٹر غلام احمد پرویز کے مسلک میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اہل قرآن بھی تو یہی نعرہ لگاتے ہیں کہ قرآن سے باہر کوئی دلیل اور ان کی خود تراشیدہ تفسیر کے سوا کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی تفسیر ان کے لئے لائق قبول نہیں۔ بلکہ خوارج، جہمیہ، معتزلہ، باطنیہ وغیرہ سے لے کر دور حاضر کے لکھے پڑھے جاہلوں تک سب کا موقف یہی رہا ہے کہ سلف صالحین پر اعتماد نہ کیا جائے بلکہ جو کچھ اپنی عقل میں آئے اسی کو قرآن کے نام پر پیش کیا جائے۔

مجھے معاف کیجئے اگر میں گزارش کروں کہ ایمان کی حفاظت اور دین کی سلامتی کا واحد راستہ سلف صالحین کی اقتداء اور گزشتہ صدیوں کے ائمہ ہدیٰ کی پیروی ہے اور یہ میری اختراعی رائے نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام مجددین امت کی یہی وصیت ہے۔ اس لئے ہمیں کسی عقیدہ کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے یہ دیکھنا ہوگا کہ صحابہ وتابعین اور سلف صالحین کا عقیدہ کیا تھا۔ انہوں نے قرآن کریم اور ارشاداتِ نبویہ کا کیا مطلب سمجھا تھا۔ پس جبکہ میں نے حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا ثبوت قرآن کریم اور حدیث متواتر سے پیش کرنے کے ساتھ یہ بھی ثابت کر دیا تھا کہ تیرا سو سال سے تمام اکابر امت کا عقیدہ بھی یہی چلا آتا ہے تو اس کے بعد آنجناب کا یہ کہنا قطعاً قرین انصاف نہیں کہ آپ نہ تو قرآن کریم سے باہر کوئی دلیل قبول کرنے کے لئے تیار ہیں نہ کسی اصول اور ضابطے کی

پابندی کے لئے آمادہ ہیں۔ کیونکہ آنجناب کے اس ارشاد کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ سے پہلے کسی نے قرآن کریم نہیں سمجھا، نہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے، نہ صحابہ وتابعین نے، نہ ائمہ مجتہدین نے، بلکہ یہ سب کے سب نعوذ باللہ فہم قرآن سے عاری اور اپنی اٹکل پچو رائے کے پیرو تھے۔ یہاں میں آنجناب کو امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا ایک فقرہ یاد دلاؤں گا:

''جماعۃ کہ اکابر دین را اصحاب میدانند اگر یں اعتقاد دارند کہ ایشاناں بہ رائے خود حکم میکردند ومتابعتِ کتاب وسنت نمودند، پس سواد اعظم از اہل اسلام بزعم فاسد ایشاں ضال ومبتدع باشند بلکہ از جرگۂ اہل اسلام بیروں بوند۔ ایں اعتقاد نکند مگر جاہلے کہ از جہل خود بے خبر است یا زندیقے کہ مقصودش ابطال شطر دین است''۔

جو لوگ ان اکابرین کو ''اصحاب رائے'' سمجھتے ہیں اگر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ حضرات اپنی رائے سے حکم کرتے تھے اور کتاب وسنت کی پیروی نہیں کرتے تھے تو مسلمانوں کا سواد اعظم ان کے زعم فاسد کے مطابق گمراہ اور بدعتی ٹھہرے گا بلکہ اہل اسلام کی جماعت ہی سے خارج ہوگا۔ ایسا نظریہ یا تو اس جاہل کا ہوسکتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہو۔ یا ایسے زندیق کا۔ جس کا مقصود دینِ اسلام کے ایک حصہ کو باطل ٹھہرانا ہو۔

۲: میں نے سب سے پہلے عقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام پر قرآن کی آیت اور اس کے ذیل میں جناب مرزا صاحب کی الہامی تفسیر پیش کی تھی اور لکھا تھا کہ یہ آیت ہمارے زیر بحث عقیدہ میں قطعی الثبوت بھی ہے اور قطعی الدلالت بھی۔ اور خدا تعالیٰ کی قطعی پیش گوئی پر ایمان لانے میں پس پیش کرنا کسی مؤمن کا شیوہ نہیں۔ آنجناب نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ میرے لئے سرمایہ صد حیرت ہے آنجناب لکھتے ہیں:

''آپ یہ بھول گئے ہیں کہ براہین احمدیہ حصہ چہارم ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا راز آپ پر (یعنی مرزا صاحب پر)

۱۸۹۰ میں اس الہام کے ذریعہ منکشف ہوا مسیح بن مریم فوت ہوگیا وجعلناک المسیح بن مریم اس کے مدنظر آپ نے ۱۸۹۱ء میں دعوی مسیح موعود تک قرآن کریم کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی اطلاع کو جانچا اور پرکھا۔ جب آپ کو یقین ہوگیا کہ قرآن کریم وفات مسیح کی تصدیق کرتا ہےتو آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے وفات مسیح کے عقیدہ کی تائید میں قرآن کریم سے ۳۰ آیات پیش کیں۔ جو ازالۂ اوہام میں بالتفصیل مذکور ہیں اس لئے آپ کو (یعنی راقم الحروف کو) چاہئے تھا کہ آپ ۱۸۹۱ء کے بعد کی تفسیر پیش کرتے جس میں سے حضرت مرزا صاحب کا عقیدہ دربارہ حیات مسیح مستنبط ہوسکتا''۔

میں صفائی سے عرض کردینا چاہتا ہوں کہ میں آپ کے اس جواب کو آنجناب ایسے بالغ نظر پروفیسر کی شان سے قطعاً فروتر سمجھتا ہوں غالباً آنجناب نے مندرجہ ذیل امور پر توجہ نہیں فرمائی:

اول: سب سے پہلے تو وفات مسیح کو ایک راز کہنا ہی سائنسی دنیا میں ایک نیا انکشاف کہلانے کا مستحق ہے جو مسئلہ بقول آپ کے قرآن کریم کی تیس آیتوں میں صراحۃً بیان کیا گیا۔ کیا اسے ''راز'' کہنا علم وعقل سے انصاف ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ وضو کا مسئلہ قرآن کریم کی صرف دو آیتوں میں بیان کیا گیا ہے، کیا آپ دنیا کے کسی عاقل کا نام بتاسکتے ہیں جو بقائمی ہوش وحواس وضو کو ایک ''راز'' سمجھتا ہو۔

دوم: پھر اس ''راز'' کے لئے الہام کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ مرزا صاحب سے پہلے جناب سرسید احمد خان بہادر کی نیچریت اس راز کا افشا کرچکی تھی۔ اور جناب حکیم نور الدین، جناب مولوی عبدالکریم، جناب محمد احسن امروہی وغیرہ سرسید کی تقلید میں وفات مسیح کی منادی کررہے تھے۔ اسے نہ تو ''راز'' کہنا صحیح ہے نہ اس کے ''انکشاف'' کے لئے الہام کی احتیاج۔

سوم: ایک طرف امت کا اجماعی عقیدہ تھا کہ مسیح علیہ السلام زندہ ہیں۔ دوسری طرف سرسید اور اس کے رفقاء کا نیچری عقیدہ تھا کہ مسیح مر گیا۔ عین اس حالت میں بقول آپ کے مرزا صاحب کو وفات مسیح کا الہام ہوتا ہے اور وہ امت کے اجماعی عقیدہ سے انحراف کر کے قرآن میں وفات مسیح کا گم شدہ راز ڈھونڈھنے لگتے ہیں۔ بالآخر ان پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ قرآن کی تیس آیتیں وفات مسیح کی تصریح کرتی ہیں۔ آپ کی یہ تقریر جناب مرزا صاحب کے بارے میں بے حد بدظنی پیدا کرتی ہے، اور ان کی حیثیت کو یکسر مشکوک بنا دیتی ہے۔ کیونکہ ایک غیر جانبدار یہ کہہ سکتا ہے کہ مرزا صاحب کا الہام اور اس سے پیدا شدہ نظریات ودعاوی سرسید کے افکار کی صدائے بازگشت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جناب مرزا صاحب کو سب سے پہلے انہی لوگوں نے قبول کیا ہے جو سرسید کے غالی معتقد تھے۔ وہاں نیچرت پر عقلیت کا غلبہ تھا اور یہاں کشف والہام کا دبیز پردہ۔

چہارم: آنجناب نے مرزا صاحب کی زندگی کے دو دور تجویز کئے ہیں۔ پہلا ۱۸۹۰ء تک کا اور دوسرا ۱۸۹۱ء سے آخر حیات تک کا پہلے دور میں وہ حیات مسیح کے قائل تھے اور دوسرے میں وفات مسیح کے۔ پہلے دور میں وہ قرآن کریم سے عقیدہ حیات پیش کرتے تھے اور دوسرے میں وفات کا عقیدہ پہلے دور میں ان پر ظاہر کیا گیا تھا کہ ''مسیح علیہ السلام کی زندگی کے دو دور ہیں انہیں مسیح کی پہلی زندگی سے مشابہت ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے مسیح کی پیش گوئی میں شریک کر رکھا ہے اور آیت کا مصداق مسیح علیہ السلام کی جلالی آمد ہے'' اور دوسرے دور میں اس کے برعکس ان پر یہ ظاہر کیا گیا کہ مسیح کی زندگی کا بس ایک ہی دور تھا جسے وہ پورا کر کے فوت ہو چکے ہیں پہلے دور میں ان کو ''وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا'' کا الہام ہوا تھا جس میں مسیح علیہ السلام کے دوبارہ آنے کی پیش گوئی کی گئی تھی۔ اور دوسرے دور میں اس کے برعکس یہ الہام ہوا کہ مسیح مر گیا ہے۔ دوبارہ نہیں آئے گا۔

الغرض حیات ووفات مسیح کے بارے میں مرزا صاحب کے دو عقیدے ہیں۔ دو تفسیریں ہیں۔ اور دو الہام ہیں، جو آپس میں متناقض ہیں ہم اور آپ اتنی بات پر تو متفق ہیں

کہ ان میں سے ایک صحیح ہے اور ایک غلط۔ گویا مرزا صاحب کی اعتقادی غلطی، تفسیری غلطی اور الہامی غلطی تو ہماری طرح آنجناب کو بھی مسلم ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ مرزا صاحب اپنے پہلے دور میں غلطی پر تھے یا دوسرے دور میں؟ ہمارا کہنا یہ ہے کہ پہلے دور میں مرزا صاحب سلف صالحین کے مسلک پر تھے لہذا ان کا اس دور کا عقیدہ اس دور کا الہام اور ان کی الہامی تفسیر ہی قابل قبول ہے۔ اس کے مقابلہ میں آنجناب کا خیال یہ ہے کہ جب مرزا صاحب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات متواترہ اور سلف صالحین کے اجماع سے متفق تھے اس وقت تک تو ان کا عقیدہ بھی غلط تھا۔ ان کا فہم قرآن بھی غلط تھا اور ان کا الہام بھی غلط تھا۔ جونہی انہوں نے سرسید احمد خان سے ہمنوائی کی ان کا عقیدہ بھی صحیح ہو گیا۔ ان کے الہام بھی قابل اعتبار ہو گئے اور انہیں قرآن کریم بھی صحیح سمجھ آنے لگا۔ میں آنجناب ہی کو منصف بناتا ہوں کہ عقل وانصاف کی میزان میں ہمارا موقف وزنی ہے یا آپ کا؟

پنجم: آپ فرماتے ہیں کہ ۱۸۹۰ء میں مرزا صاحب پر وفات مسیح کا راز منکشف ہوا، اور اس کے بعد انہوں نے وفات مسیح کی تیس آیات ڈھونڈ نکالیں، میں پوچھتا ہوں ۱۸۹۰ء تک یہ تیس آیات مرزا صاحب کو قرآن کریم میں کیوں نظر نہ آئیں؟ کیا یہ تیس آیات ۱۸۹۰ء کے بعد نازل ہوئی تھیں؟ یا اس سے پہلے جناب مرزا صاحب کے علم وفہم میں کچھ نقص تھا؟ آنجناب کی تحقیق کے مطابق اس وقت مرزا صاحب کی عمر ۵۵ برس تھی گویا وہ چالیس برس سے عاقل بالغ تھے اور پندرہ برس سے وہ اپنے مجدد، محدث، ملہم اور مامور من اللہ ہونے کا اشتہار بھی دے رہے تھے۔ انہیں ساری دنیا سے زیادہ فہم قرآن کا بھی دعویٰ تھا، سوال یہ ہے کہ مسلسل چالیس برس تک انہیں قرآن کریم یہ تیس آیتیں کیوں سمجھ نہ آئیں اور مرزا صاحب کے فہم رسا کی رسائی ان تک کیوں نہ ہوئی؟ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ سرسید تو قرآن کی ان آیات کا مطلب سمجھ جائے لیکن مرزا صاحب نہ سمجھیں؟ اور پھر سوال صرف مرزا صاحب کا نہیں بلکہ یہی سوال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لے کر صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین کے بارے میں بھی پیدا ہوتا ہے ان تیس آیات کا مطلب ان اکابرین نے

کیوں نہ سمجھا؟ اور وہ تسلسل اور تواتر کے ساتھ حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ کیوں رکھتے آئے؟ کیا قرآن کسی ایسی زبان میں نازل ہوا جس کو صرف سید کی نیچریت اور جناب مرزا صاحب کا الہام ہی سمجھ سکتا ہے؟

ششم: دور اول میں جناب مرزا صاحب نے حیات مسیح کا عقیدہ خود تحریر فرمایا، اس کے لئے قرآن کریم کی سند پیش کی، اور اس کی تائید میں اپنا الہام بھی پیش فرمایا لیکن دوسرے دور میں انہوں نے اس عقیدے کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ مجھ سے زیادہ آپ کو معلوم ہے۔ مثلاً:

''حضرت عیسیٰ کا زندہ آسمان پر جانا محض گپ ہے''۔

''بتلاؤ یہ ایمانداری ہے یا بے ایمانی؟''

''صاف اور صریح طور پر نصوص صریحہ قرآن شریف کے برخلاف ہے''۔

''پس یہ کس قدر جھوٹ ہے''۔

''محض جھوٹ کی حمایت''۔

یہ بطور نمونہ چند فقرے نقل کیے ہیں، ورنہ ان کے اس قسم کے ارشادات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احصاء ممکن نہیں انصاف فرمایئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متواتر ارشادات اور امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام اکابر مجددین [نعوذ باللہ] محض گپیں ہانکتے رہے؟ قرآن کریم کے نصوص صریحہ کی صاف اور صریح طور پر خلاف ورزی کرتے رہے؟ بے ایمانی اور جھوٹ پر متفق رہے اور محض جھوٹ کی حمایت کرتے رہے اس بات کو بھی جانے دیجئے، صرف یہی دیکھئے کہ تبدیلی عقیدہ کے بعد خود مرزا صاحب کی پہلی شخصیت کیسی نظر آتی ہے اور ان کے تجویز فرمائے ہوئے القاب خود ان پر کیسے چسپاں نظر آتے ہیں؟

محترم پروفیسر صاحب؟ حق تعالیٰ نے آپ کو عقل وفہم کا جوہر عطا فرمایا، سوچئے اور

انصاف کیجئے اگر قرآن کریم کی تیس آیتوں میں واقعی وفات مسیح کی تصریح کی گئی ہوتی تو کیا امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اکابر بقول مرزا صاحب کے قرآن کریم کے نصوص صریحہ کے برخلاف عقیدہ رکھ سکتے تھے محض گپ تراشی کر سکتے تھے جھوٹ اور بے ایمانی کے مرتکب ہو سکتے تھے؟ کیا اس کے بجائے ہمارے لئے یہ آسان نہیں کہ ہم یہ یقین رکھیں کہ جناب مرزا صاحب کو الہام میں غلطی لگی ہے۔

اور پھر دوسری غلطی ان سے یہ سرزد ہوتی کہ انہوں نے قرآن کریم کو اس غلط ''الہام'' کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیا۔ جناب مرزا صاحب لکھتے ہیں:

من تفوہ بکلمۃ لیس لہ [لھا] اصل صحیح فی الشرع ملھما کان او مجتھدا فبہ الشیاطین متلاعبۃ.

جو شخص ایسا کلمہ منہ سے نکالے جس کی کوئی اصل شرع میں نہ ہو خواہ وہ ملہم ہو یا مجدد۔ پس شیاطین اس کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔

گزارش یہ ہے کہ ایک طرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لے کر چودہ صدیوں کے اکابر امت اور ائمہ ہدیٰ ہیں اور دوسری طرف جناب مرزا صاحب۔ ان دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کے بارے میں ماننا پڑے گا بقول مرزا صاحب ''شیاطین اس کے ساتھ کھیل رہے ہیں'' اب دیکھئے عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی اصل صحیح شرع میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو تمام ائمہ مجددین پر مرزا صاحب کا یہ فتویٰ عائد ہوتا ہے اور اگر حیات عیسیٰ علیہ السلام کا شرعی ثبوت موجود ہے تو یہی فتویٰ خود مرزا صاحب پر عائد ہونا چاہئے۔ غالباً آنجناب مرزا صاحب کے بجائے سلف صالحین کو ''شیاطین کے ہاتھ کا کھولنا'' سمجھتے ہوں گے۔ مگر میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ کسی فرد کے الہام واجتہاد اور فہم قرآن میں تو غلطی لگ سکتی ہے مگر پوری امت گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی۔ اور اگر عقیدہ حیات کا صحیح ثبوت نہ ہوتا تو سلف صالحین اور اکابر مجددین کبھی یہ عقیدہ نہ رکھتے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ غلطی جناب مرزا صاحب ہی کو لگی، شیخ محی الدین ابن عربیؒ فتوحات کے باب میں فرماتے ہیں

کہ: ''اس قسم کے شبہات سالکین کو پیش آتے رہتے ہیں اور ایسی حالت میں شیخ ومرشد کامل کی تربیت واصلاح کی ضرورت پیش آتی ہے چنانچہ ہمارے شیخ کو بھی ایک دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا تھا، جبکہ ان کو الہام ہوا کہ تو عیسیٰ بن مریم ہے۔

اگر جناب مرزا صاحب کا بھی کوئی مرشد ہوتا تو اس کی توجہ سے ان کا یہ شبہ زائل ہو جاتا۔ مگر افسوس کہ مرشد کامل نہ ہونے کی وجہ سے مرزا صاحب نے اپنے الہام کو واقعی سمجھ لیا اور اس پر اعتماد کر لیا کہ اس کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر بھی کرنے لگے۔ اس طرح ان کا راستہ مسلمانوں سے الگ ہو گیا۔

ہفتم: آنجناب فرماتے ہیں کہ ۱۸۹۰ء میں مرزا صاحب کو بذریعہ الہام ''مسیح بن مریم'' بنا دیا گیا، اور اس الہام کی بنیاد پر انہوں نے ۱۸۹۱ء میں ''مسیح موعود'' ہونے کا دعویٰ کیا مگر اس کے برعکس مرزا صاحب لکھتے ہیں:

اے برادران دین وعلمائے شرع متین! آپ صاحبان میری ان معروضات کو متوجہ ہو کر سنیں کہ اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ ''مسیح موعود'' خیال کر بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں جو آج ہی میرے منہ سے سنا گیا ہو۔ بلکہ یہ وہی پرانا الہام ہے جو میں نے خدا تعالیٰ سے خبر پا کر براہین احمدیہ کے کئی مقامات پر بتصریح درج کر دیا تھا جس کے شائع کرنے پر سات سال سے بھی کچھ زیادہ عرصہ گزر گیا ہو گا۔ میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح بن مریم ہوں۔ جو شخص یہ الزام میرے پر لگائے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے، بلکہ میری طرف سے عرصہ سات سال یا آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں''۔

آپ کی اور جناب مرزا صاحب کی عبارت میں واضح طور پر تناقض ہے چنانچہ:

الف: آپ فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب کو ۱۸۹۰ء میں الہام ہوا کہ ''ہم نے تجھ کو مسیح بن مریم بنا دیا'' اس کے برعکس مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ یہ وہی پرانا الہام ہے جو

براہین احمدیہ کے کئی مقامات پر بتصریح درج ہے۔

ب: آپ فرماتے ہیں کہ ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔اس کے برعکس مرزا صاحب کا ارشاد ہے کہ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں جو آج ہی میرے منہ سے سنا گیا ہو۔

ج: آپ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا،مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ اس عاجز نے مثیل موعود ہونے کا دعوی کیا ہے جس کو کم فہم لوگ ''مسیح موعود'' خیال کر بیٹھے ہیں۔

د: آپ لکھتے ہیں کہ الہام نے مرزا صاحب کو مسیح بن مریم بنایا[انا جعلناک المسیح بن مریم] مگر مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ''میں نے مسیح بن مریم ہونے کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا جو شخص یہ الزام میرے پر لگائے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے''۔

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کی بات صحیح ہے یا مرزا صاحب کی؟ وہ کم فہم لوگ کون ہیں جو مرزا صاحب کو ''مسیح موعود'' خیال کر بیٹھے ہیں؟ اور وہ سراسر مفتری اور کذاب کون ہیں جس نے مرزا صاحب کو ''مسیح بن مریم'' کا خطاب دیا؟ مسیح اور مثیل مسیح ایک ہی چیز ہے یا الگ الگ؟ کیا مرزا صاحب کا کوئی الہام ایسا ہے جس میں ان کو ''مثیل مسیح'' کہا گیا ہو؟ آپ قرآن کریم سے باہر کوئی دلیل قبول نہیں کرتے،قرآن کریم کی وہ کون سی آیت ہے جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کو ''مسیح'' یا ''مثیل مسیح'' کہا گیا ہے؟ اور آنجناب نے وہ آیت پڑھ کر مرزا صاحب کو (ان کے دعویٰ کے علی الرغم) مسیح موعود مان لیا ہے؟

۳: آپ لکھتے ہیں قرآن کریم سے حیات مسیح ثابت کرنے کے لئے آپ نے تین آیات پیش کی ہیں:

الف: هو الذی ارسل رسوله.... الآية. (الفتح: ۲۸)

ب: **میثاق النبیین..... الآیة.** (ال عمران: ۸۱)

ج: **وان عدتم عدنا..... الآیة.** (الاسراء:۸)

معاف کیجئے، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں نے حیات مسیح پر تین نہیں، بلکہ صرف ایک ہی آیت پیش کی تھی آیت میثاق النبیین حیات مسیح پر دلیل کی حیثیت سے پیش نہیں کی تھی۔ بلکہ آپ کے اس شبہ کے ازالہ کے لئے پیش کی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص ہوتی ہے۔ میں نے آیت ''میثاق النبیین'' کے حوالے سے لکھا تھا کہ اگر سارے انبیاء بھی دوبارہ تشریف لے آئیں تو اس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص نہیں بلکہ تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح **وان عدتم عدنا** والی آیت مرزا صاحب کا الہام ہے۔ اور میں نے جناب مرزا صاحب کا الہام ہی نقل کیا تھا۔ نہ کہ قرآن مجید کی آیت بہر حال میرے عریضہ کو آپ دوبارہ ملاحظہ فرمائیں، وہاں حیات مسیح پر آپ کو ایک ہی آیت ملے گی، نہ کہ تین ایک کو تین سمجھنا بھی اسی طرح کی غلطی ہے جس طرح کہ تین کو ایک سمجھنا۔

۴: **ھو الذی ارسل..... کلہ،** میں آنجناب نے مرزا صاحب کی تفسیر مسترد کر کے خود اپنی تفسیر پیش کر دی ہے بے شک آنجناب علم وفہم اور عقل ودانش میں مرزا صاحب سے فائق ہونگے اس لئے آپ کو یقیناً اس کا حق حاصل ہوگا۔ مگر افسوس ہے کہ میں آنجناب کی ایجاد کردہ تفسیر کو دو وجہ سے قبول نہیں کر سکتا۔ اول اس لئے کہ آنجناب مرزا صاحب پر ایمان رکھتے ہیں اور انہیں ''مامور من اللہ'' مانتے ہیں ادھر مرزا صاحب اس کی تفسیر کرتے ہوئے تصریح کرتے ہیں کہ ''اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے'' جس سے ہر شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ مرزا صاحب نے اس آیت کے تحت جو کچھ لکھا ہے ''وہ اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے'' کی روشنی میں لکھا ہے۔ اور میں کسی شخص کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ اپنے ''مامور من اللہ'' کے الہام کے خلاف قرآن کی تفسیر کرنے بیٹھ جائے۔ دوسری بات یہ کہ مرزا صاحب تمام مفسرین کا اجماع نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ نزول سے

متعلق ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

''اس آیت کی نسبت ان سب متقدمین کا اتفاق ہے جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں کہ یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ظہور میں آئے گا (اور چونکہ مرزا صاحب کے وقت میں یہ عالمگیر غلبہ ظہور میں نہیں آیا اسی سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب مسیح موعود نہیں۔ ناقل)

اسی مضمون کو مرزا صاحب نے ازالہ اوہام ص ۶۷۵ تریاق القلوب ص ۴۷ و ص ۵۴ اور تحفہ گولڑویہ ص ۱۲۳ میں بیان فرمایا ہے۔ اس صورت میں تمام متقدمین کے اتفاق کو، جس پر مرزا صاحب کی الہامی مہر بھی ثبت ہے ترک کر کے آنجناب کی ایجاد کردہ تفسیر کو کیوں قبول کیا جائے؟

۵: آنجناب نے آیت ''میثاق النبیین'' کے ذیل میں اس ناکارہ سے سوال فرمایا کہ ''کیا آپ قرآن کریم سے کوئی ایک ایسی آیت دکھا سکتے ہیں جس میں یہ ذکر ہو کہ حکمت الٰہیہ نے ان مصالح کی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انبیاء علیہم السلام کی نیابت کے لئے منتخب کیا''۔

جواباً گزارش ہے کہ ایک طرف تو قرآن کریم نے عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کی قطعی پیش گوئی کی جسے براہین احمدیہ کے حوالے سے ذکر کر چکا ہوں۔ دوسری طرف قرآن کریم نے یہ اطلاع بھی دی کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق ونصرت کا عہد لیا گیا۔ تیسری طرف یہ عقلی مقدمہ ہے کہ کسی جماعت کی جانب سے ایک نمائندہ منتخب ہو کر کوئی کاروائی کرے تو وہ نیابۃ پوری جماعت کی جانب سے سمجھی جاتی ہے۔ ان مقدمات صحیحہ کے پیش نظر میں نے لکھا تھا کہ ممکن ہے اس عہد و پیمان کے ایفء کی ایک شکل یہ بھی ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر اپنی طرف سے اصالۃً اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی جانب سے نیابۃً ایمان ونصرت کا عہد پورا فرمائیں رہی یہ بات کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو کیوں اس منصب کے لئے تجویز کیا گیا؟ اس کے بارے میں نے لکھا تھا کہ اس کی مصلحت اللہ تعالیٰ ہی بہتر

جانتا ہے۔ یہ ایک ایسی صاف اور واضح بات ہے جس میں کسی کی گنجائش نہیں تھی۔ مگر آپ ماشاء اللہ اسرار وحکم پر بھی قرآنی آیات کا مطالبہ فرماتے ہیں۔ اور مطالبہ کی دلیل یہ کہ ''میرا ایمان ہے کہ انسانوں کی فلاح و بہبود اور اصلاح نفوس کے لئے جو بات ضروری ہوتی ہے اس کو اس کی حکمت نے کبھی پوشیدہ نہیں رکھا۔ اپنے ایسے احکام کو وہ ''آیات بینات'' سے تعبیر کرتا اور ان ''بینات'' کے بعد ہی وہ منکرین کو کافر کا خطاب دیتا ہے''۔

مگر آپ نے یہ بات ملحوظ نہیں رکھی کہ قطعی احکام کا نام ''بینات'' ہے، نہ کہ احکام کی حکمتوں کا۔ اور آپ مجھ سے کسی حکم پر قرآن کریم کی آیت کا مطالبہ نہیں فرما رہے۔ بلکہ ایک قطعی حکم کی جو حکمت میں نے بیان کی اس پر آیت پیش کرنے کو کہہ رہے ہیں، محترم! سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا قرب قیامت میں تشریف لانا قطعی ہے ''آیات بینات'' میں شامل ہے، قرآن کریم، حدیث متواتر اور اجماع امت سب اس کی قطعیت پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں، مگر ان کی تشریف آوری میں کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہیں؟ اس کی تفصیل کا جاننا نہ ضروری ہے، نہ ہم جاننے کے مکلّف ہیں، اور اگر کوئی شخص کسی حکمت کو بیان کرے تو اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس کے صحیح شواہد موجود ہوں اور بس۔ اگر آپ ہر حکم اور اس کی ہر حکمت کے لئے قرآنی آیات کا مطالبہ شروع کر دیں گے تو آپ کو سخت دقت آئے گی غور فرمایئے کہ مرزا صاحب کے بقول آپ کے مسیح موعود ہونے کا تعلق انسانوں کی فلاح و بہبود اور انسانوں کی اصلاح سے ہے یا نہیں؟ کیا آپ قرآن کریم کی کوئی آیت دکھا سکتے ہیں کہ مرزا غلام احمد بن مرزا غلام مرتضےٰ قادیانی کے مسیح موعود بنائے جانے میں فلاں فلاں حکمتیں ہیں۔

میرے محترم! کچھ تو انصاف فرمایئے کہ جب آپ ماننے پہ آتے ہیں تو مرزا صاحب کے الہام پر ایمان لے آتے ہیں اور نہیں ماننا ہوتا تو قرآن کریم کی آیت قطعی الدلالت اور حدیث متواتر واجماع امت سن کر بھی نہیں مانتے بہرحال منوانا میرا کام نہیں، تاہم انصاف ودیانت کی اپیل ضرور کرتا ہوں۔

۶: آنجناب کے جوابات پر گفتگو کرنے کے بعد آپ کے پیش کردہ شبہات کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں، آنجناب کے شبہات کا مختصر اور جامع جواب یہ ہے کہ جو امر عقلاً ممکن ہو اور مخبر صادق نے اس کی خبر دی ہو اس کا ماننا لازم ہے اور محض احتمالات کے ذریعہ اسے رد کرنا ناروا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا ممکن ہے اور مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی تشریف آوری کی قطعی خبر دی ہے، اس لئے اس خبر کا ماننا مؤمن کا فرض ہے، اور شبہات کے ذریعہ شارع کی خبر کو رد کردینا اس کی تکذیب وتوہین ہے۔ اس اجمال کے بعد اب تفصیل عرض کرتا ہوں۔

پہلا شبہ:

"وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ" سے آپ نے یہ اجتہاد کیا ہے کہ "رسول مطاع ہوتا ہے نہ کہ مطیع۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطیع نہیں ہو سکتے"۔ حالانکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اپنی امت کا مطاع ہوتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک رسول دوسرے کا بھی پیرو نہیں ہوسکتا، دیکھئے! حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے حکم کی پابندی کا عہد کرتے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری پیروی کرتے ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ ایک رسول دوسرے رسول کا پیرو ہوسکتا ہے، اس میں کوئی خدشہ اور دغدغہ نہیں۔

دوسرا شبہ:

"عیسیٰ علیہ السلام واخرین منھم میں شامل نہیں ہو سکتے اس لئے وہ آ بھی نہیں سکتے اور زندہ بھی نہیں"۔ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام امت محمدیہ کے ایک فرد کی حیثیت سے تشریف لائیں گے تو وہ اس امت میں کیوں شامل نہیں ہو سکتے؟ اور کیوں نہیں آسکتے؟

تیسرا شبہ:

الفاظ یـزکیهـم سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ''ان کا تزکیہ بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوگا'' صحیح نہیں کیونکہ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کے قابل تزکیہ لوگوں کا تزکیہ فرماتے ہیں، یہ کہاں سے نکل آیا کہ کوئی ''مزکی'' شخص امت میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر تزکیہ کے مدارج بھی غیر متناہی ہیں۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رفعت و بلندی اور تزکیہ و تصفیہ کی جو دولت اپنی شریعت پر عمل کرنے سے حاصل ہوئی تھی اس سے کہیں بڑھ کر شریعت محمدیہ کی پیروی سے حاصل ہوگی تو اس میں کیا علمی اشکال ہے؟ دیکھئے! آنجناب نے خود ہی انجیل برناباس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

''اے محمد! اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہو اور مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں کیوں کہ اگر میں یہ شرف حاصل کرلوں تو بڑا نبی اور اللہ کا مقدس بن جاؤں گا''۔

کیا کوئی آپ جیسا عقل منداس کا یہ مطلب نکالے گا کہ آپ کی جوتی کا تسمیہ کھولنے سے پہلے نہ تو وہ ''بڑے نبی'' تھے نہ ''مقدس''؟ اور یہ میں آگے چل کر بتاؤں گا کہ ان کی دعا درحقیقت امت محمدیہ میں شامل ہونے کی دعا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبول بخشا اور اس ''شرف'' کے حاصل ہونے سے ان کی بڑائی اور تقدس میں واقعتاً اضافہ ہوا۔

''کوئی نبی بیک وقت نبی بھی اور امتی بھی، نہیں ہوسکتا''، یہ مقدمہ بالکل غلط ہے، محققین کا مسلک تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی الانبیاء ہیں۔ تمام نبی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقتدی اور تابع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام نبی قیامت کے دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ قرآن میں جو انبیاء کرام کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کا ذکر ہے اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے، خود مرزا صاحب لکھتے ہیں ''قرآن شریف سے ثابت ہے کہ ہر ایک نبی

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لتومنن به ولتنصرنه"، پس اس طرح تمام انبیاء علیہم السلام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت ہوئے"۔

علاوہ ازیں آپ کا قاعدہ مرزا صاحب کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ "وہ امتی بھی ہیں اور نبی بھی"۔

پانچواں شبہ:

"لتومنن به ولتنصرنه"، کے مطابق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے کہنا چاہئے تھا کہ اب وہ رسول مبعوث ہو گیا ہے اب مجھے نیچے اتار دیجئے کہ میں وہ میثاق پورا کروں....اللہ تعالیٰ نے عہد لے کر اس عہد کو پورا کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آپ کی مدد کے لئے نہ بھیجا آخر کیوں؟

اس سوال کا جواب یا تو عیسیٰ علیہ السلام دے سکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ۔ کیونکہ یہ سوال مجھ پر نہیں بلکہ عیسیٰ علیہ السلام پر ہے یا خدا پر۔ اس لئے اس سوال کو قیامت کے دن کے لئے اٹھا رکھئے۔ وہاں ان شاء اللہ ٹھیک ٹھیک جواب مل جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل کئے جانے کا ایک خاص وقت طے شدہ ہے اور وہ ہے قرب قیامت میں خروج دجال کا وقت۔ اس مقررہ وقت سے پہلے ان کے نزول کے کوئی معنیٰ نہیں تھے۔ نہ وہ یہ احمقانہ سوال کر سکتے تھے کہ مجھے قبل از وقت بھیج دیا جائے۔ اور نہ کسی کو خدا تعالیٰ سے یہ پوچھنے کا حق ہے کہ اب تک انہیں کیوں نہیں بھیجا۔ مسند احمد اور ابن ماجہ وغیرہ میں بروایت ابن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ معراج کی رات میری ملاقات حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہم السلام سے ہوئی، آپس میں قیامت کا تذکرہ ہونے لگا تو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا گیا، انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کا نمبر آیا انہوں نے فرمایا "قیامت کے وقوع کا ٹھیک ٹھیک وقت تو اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ ہاں! قیامت کے وقوع سے پہلے پہلے میرے رب کا

مجھ سے ایک عہد ہے۔ وہ یہ کہ دجال نکلے گا تو میں نازل ہوکر اسے قتل کروں گا'' ...الخ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبیؒ نے اس کی تصدیق اور حافظ ابن حجرؒ نے تائید کی ہے اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کی تشریف آوری کا ایک وقت پہلے سے طے ہو چکا ہے۔

چھٹا شبہ:

''عیسائیوں اور یہودیوں کا اختلاف قیامت تک رہے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام آکر کیا کارنامہ انجام دیں گے'' وہی کارنامہ انجام دیں گے جو مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں ذکر کیا ہے کہ ''جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام آفاق واقطار میں پھیل جائے گا''۔

اور جسے صحیح حدیث میں ''**ویھلک اللّٰہ فی زمانه الملل کلھا الاسلام**'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا تمام مذاہب کو نیست ونابود کردے گا۔

ساتواں شبہ:

''جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ایک صاحب کتاب نبی آئے گا تو ختم نبوت کی مہر کہاں رہے گی'' آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو نبوت عطا کی جائے تب تو مہر ختم نبوت ٹوٹ جاتی ہے۔ خواہ وہ صاحب کتاب ہو یا بغیر کتاب کے تشریعی ہو یا تشریعی، اصلی ہو یا ظلی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے کے تمام نبی بھی اگر زندہ رہتے اور آپ کی پیروی کرتے تو اس سے ختم نبوت کی مہر نہیں ٹوٹتی دیکھئے جناب مرزا صاحب اپنے والدین کے لئے خاتم الاولاد تھے اب اگر وہ اپنے تمام بہن بھائیوں سے پہلے دنیا سے رخصت ہو جاتے تب بھی ان کی ''ختم ولادت'' کی مہر نہیں ٹوٹ سکتی تھی۔ ہاں ان کے والدین کے یہاں ان کی ولادت کے بعد کوئی اور بچہ پیدا ہو جاتا تو اس سے ختم ولادت کی مہر ضرور ٹوٹ جاتی۔ ختم نبوت کی مہر کو بھی اسی طرح سمجھ لیجئے۔

آٹھواں شبہ:

''اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ رکھنا تھا تو قرآن ان کی زندگی کو صاف صاف بیان کرتا اور وہاں ایسی آیات نہ ہوتیں جن سے کہیں تو حیات ثابت ہوتی ہے اور کہیں ممات اور اس پر مسلمانوں میں اختلاف رونما نہ ہوتا۔

آنجناب کا یہ شبہ تین دعووں پر مشتمل ہے۔ اول یہ کہ قرآن نے ان کی زندگی کو صاف صاف بیان نہیں کیا دوم یہ کہ اس مسئلہ میں آیات قرآن میں تعارض ہے کہیں سے ان کی حیات ثابت ہوتی ہے اور کہیں سے ممات، سوم یہ کہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کا اختلاف رہا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ یہ تینوں دعوے قطعی بے بنیاد اور یکسر بے دلیل ہیں، قرآن اور شارح قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس صراحت کے ساتھ ان کی حیات اور تشریف آوری کی خبر دی ہے اور امت اسلامیہ نے جس تواتر اور تسلسل کے ساتھ اس قرآنی و نبوی پیشگوئی کو لوح قلب پر رقم کیا ہے اس کا حوالہ خود آنجناب کے ''ماموروں مرسل'' سے دلا چکا ہوں، اور اگر آپ کو ان کی شبہات پر اعتماد نہ ہو تو گزشتہ اکابر کی جتنی شہادتیں آپ کہیں پیش کرنے کو حاضر ہوں۔

میرے محترم فروعی اور اجتہادی مسائل میں اختلاف ہوسکتا ہے اور اسے گوارا بھی کیا جاسکتا ہے، مگر دین کے قطعی و یقینی اور متواتر عقائد میں کتر بیونت نا قابل برداشت ہے کسی عقیدہ کے صحیح یا غلط ہونے کا بس ایک ہی معیار ہے کہ وہ سلف صالحین، صحابہ تابعین، ائمہ مجددین کے مطابق ہے یا اس کے خلاف؟ اگر وہ سلف صالحین سے متواتر چلا آتا ہے تو اسے بغیر کسی حیل وحجت کے ماننا لازم ہے، اگر ایسے قطعی اور متواتر عقیدے کے خلاف کوئی رائے زنی کرتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ مسلمانوں کی راہ سے ہٹ چکا ہے، اس کی عقل زنگ خوردہ اور اس کی قرآن فہمی زیغ آلودہ ہے۔ حیات عیسیٰ علیہ السلام کی قطعیت پر مرزا صاحب کی یہ عبارت آپ پڑھ چکے ہیں: ''مسیح ابن مریم کے آنے کی پیش گوئی ایک اول درجے کی پیش

گوئی ہے جس کو سب نے بالاتفاق قبول کرلیا ہے'' پہلے عریضے میں اس کے تحت میں نے جو نوٹ لکھا ہے اسے ایک بار پھر بطور خاص ملاحظہ فرمالیا جائے۔

آنجناب کو غلط فہمی ہوئی کہ آپ نے ان لوگوں کی گری پڑی آراء کو ''مسلمانوں کا اختلاف'' سمجھ لیا جن کے بارے میں مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

''حال کہ نیچری جن کے دلوں میں کچھ بھی عظمت قال اللہ اور قال الرسول کی باقی نہیں رہی''۔

آپ نے ان نیچریوں کی آراء کو مسلمانوں کے اختلاف سے تعبیر کرتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ بقول مرزا صاحب ''وہ اس قدر متواترات سے انکار کرکے اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالتے ہیں''۔

میرے محترم! دینی عقائد میں ملاحدہ اور زنادقہ کی آراء کا اعتبار نہیں، نہ ان کا اختلاف کسی عقیدے کی قطعیت پر خاک ڈال سکتا ہے میں عرض کرچکا ہوں کہ امت کے ثقہ وامین اکابر از اول تا آخر حیات عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے پر متفق رہے ہیں، یہ وہی حضرات ہیں جن کے بارے میں آنجناب خود لکھتے ہیں:

''تاریخ اسلام گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ایسے عظیم المرتبت انسان پیدا ہوئے جنہیں اولیاء اور مجدد کہا جاتا ہے، اور جن کے ذریعہ اپنے اپنے زمانوں میں مسلمانوں میں پیدا ہونے والی خرابیاں دور ہوئیں''۔

کیا ان عظیم المرتبت انسانوں میں کبھی اس مسئلہ پر اختلاف ہوا؟ کیا کسی صدی کے مجدد نے اعلان کیا کہ حیات مسیح کا عقیدہ غلط ہے ''عسل مصفیٰ'' میں مجددین کی فہرست دیکھ لیجئے اور پھر مجھے بتایئے کہ فلاں فلاں اکابر نے اس عقیدے کے غلط ہونے کا اعلان کیا تھا اور میں بفضل خدا پہلی صدی سے لے کر تیرھویں صدی تک کے اکابر کا عقیدہ پیش کرنے کو حاضر ہوں کیا اس کے بعد بھی آپ غلط فہمی پر اصرار کرنے میں حق بجانب ہوں گے؟

ع بندہ پرور! منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر۔

نواں شبہ:

’’حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے: ”انما أخذ اللّٰه میثاق النبیین علی أممهم“، یعنی اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا میثاق ان کی امتوں پر لیا اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی کتاب انجیل اور آپ کی امت کے ذریعہ یہ میثاق پورا ہو چکا ہے اب دوبارہ آکر حضرت عیسیٰؑ کو شہادت دینے کی کیا ضرورت؟‘‘۔

پروفیسر صاحب! آپ کے منہ میں گھی اور شکر۔ آج آپ نے ترجمان القرآن، حبر الامت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نام لیا، جزاک اللہ! مرحبا! اچھا یہ فرمایئے کہ اگر یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمادیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھایا گیا، اور یہ کہ وہ قرآنی ونبوی پیش گوئی کے مطابق قرب قیامت میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو کیا میری آپ کی بحث کا فیصلہ ہو جائے گا؟ اور کیا آپ ان کے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیں گے؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو ماشاء اللہ، اور اگر نہیں تو انصاف فرمایئے کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد صرف میرے ہی سامنے پیش کرنے کی چیز ہے؟ یہ تو شاید آنجناب کو بھی مسلم ہی ہوگا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مجھ سے اور آپ سے زیادہ قرآن جانتے تھے، اس کے مفہوم و مدعا سے باخبر تھے، اور اس کی تصریحات وارشادات کو سمجھتے تھے یا نہیں؟

اب سنیئے میثاق کی بات! قرآن کریم نے اس عہد و پیمان کا ذکر کیا ہے جو (غالباً عالم ارواح میں) انبیاء کرام علیہم السلام سے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں لیا گیا، سب نے ایمان ونصرت کا عہد و پیمان باندھا اب رہی یہ بات کہ یہ عہد پورا کس کس وقت ہوا اور کس کس شکل میں ہوا؟ اس کو قرآن کریم نے ذکر نہیں فرمایا، میرے آقا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کی ایک شکل تجویز فرمادی کہ ہر نبی سے یہ عہد لیا گیا کہ وہ اپنے وقت میں اپنی امت کو اس عہد و پیمان کی وصیت کرے کہ جب حضرت خاتم النبیین تشریف لائیں تو فوراً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور آپ کی نصرت وحمایت کے لئے کمربستہ ہو جاؤ، گویا انبیاء کرام کا اپنی اپنی امتوں کو وصیت کرنا اور امتوں کا

نیابۃً اس عہد کو پورا کرنا یہ ایفائے عہد کی ایک شکل ہوئی۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشاد میں آپ نے تدبر نہیں فرمایا ورنہ وہ بھی اس عہد کے نیابۃً پورا ہونے ہی کے قائل ہیں، اس کے برعکس آنجناب نے جو تقریر فرمائی ہے اس سے یا تو قرآن کریم کی تکذیب لازم آتی ہے، یا انبیاء کرام پر نعوذ اللہ عہد شکنی کا الزام عائد ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ انبیاء کرام سے یہ عہد لیا گیا کہ ''تم ایمان لاؤ گے اور نصرت کرو گے'' اب ظاہر ہے کہ انبیاء کرام بذات خود تو نصرت کر نہیں سکے۔ ادھر نیابت کے اصول کو آنجناب تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ بقول آپ کے:

> ''ایمان اسی نبی نے لانا ہے اور مدد اسی نبی نے کرنی ہے اس میں کیا تک ہے کہ وہ دوسرے کو کہے کہ بھئی میں تو نہ ایمان لاتا ہوں اور نہ مدد کرتا ہوں تم میری طرف سے ایمان بھی لے آؤ اور مدد بھی کرو کیا یہ خدا کے حکم کی عدولی اور عہد شکنی نہیں؟''

ظاہر ہے کہ آپ کے اصول کے مطابق جب اس معاملہ میں ایک نبی دوسرے نبی کی نیابت نہیں کرسکتا، کیونکہ بقول آپ کے یہ عہد شکنی ہے۔ تو کوئی امتی اس معاملہ میں کسی نبی کی نیابت کیسے کرسکتا ہے اور اس کی نیابت آنجناب کی بارگاہ میں کیسے قبول ہوسکتی ہے؟ گویا آپ کے نظریہ کے مطابق یا تو قرآن نے اس میثاق کی خبر نعوذ باللہ غلط دی ہے، یا انبیاء کرام عہد شکنی کے مرتکب ہوئے۔

بہر حال سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایفائے عہد کی جو شکل بیان فرمائی ہے اسی میں حصر نہیں، اس کے علاوہ اور بھی شکلیں ہوسکتی ہیں مثلاً شب معراج میں تمام انبیاء کرام مقتدی ہوئے امام الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منصب امامت تفویض کیا گیا۔ سب نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کی کیوں نہ اس واقعہ کو بھی اسی لتومنن به ولتنصرنه، کی ایک شکل سمجھا جائے؟ اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کو آگاہ فرما دیا ہے کہ:

الانبیاء اخوۃ علات، امھاتھم شتی ودینھم واحد وانا اولی الناس بعیسیٰ ابن مریم، فانہ لیس بینی وبینہ نبی وانہ نازل فیکم فاعرفوہ...الخ.

انبیاء علاتی بھائی ہیں، ان کی شریعتیں الگ الگ اور سب کا دین ایک ہے اور مجھے سب انسانوں سے زیادہ قرب وتعلق عیسیٰ بن مریم سے ہے کیونکہ (ایک تو) میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا (دوسرے) وہ تم میں نازل ہونگے پس ان کی خوب پہچان کرلو (آگے علامتیں بیان فرمائیں جن سے ان کی پہچان ہوسکے گی)

پس جب آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بیان فرمارہے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری دین اسلام کی نصرت وحمایت کے لئے ہونے والی ہے تو اگر میں نے یہ عرض کردیا کہ یہ بھی اسی عہد وپیمان کے ایفاء کی ایک شکل ہے تو اس میں کیا بے جائیت ہے؟ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشاد سے اس کا کیا تعارض ہے؟ رہا آنجناب کا یہ ارشاد کہ وہ ایک بار یہ میثاق پورا کرچکے ہیں اب دوبارہ کیا ضرورت؟ یہ میری عقل وفہم سے بالاتر ہے، جب وہ آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہیں تو انہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت ونصرت کے فرض پر جب بھی مامور کیا جائے گا وہ اسے بسروچشم بجالائیں گے۔ مامور کرنے والا خدا ہے، فرض بجائی عیسیٰ علیہ السلام کررہے ہیں۔ میں، آپ یا کوئی اور کون ہوتا ہے جو ان پر یہ حکم امتناعی جاری کردے کہ نہیں جناب آپ ایک بار یہ کام کرچکے ہیں۔ اب ضرورت نہیں تشریف لے جایئے؟

دسواں شبہ:

''ایک بار تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتر چکی ہے جس میں آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق شہادت موجود ہے۔ اب ان پر کوئی دوسری کتاب اترنی چاہئے''

افسوس ہے اس ''اترنی چاہئے'' کی منطق میں نہیں سمجھ سکا کیوں اترنی چاہئے؟ اس کی ضرورت اور وجہ، شاید لفظ ''ثم'' پر نظر نہیں گئی۔ اس پر ذرا اچھی طرح غور فرما کر سوال کیجئے۔

گیارہواں شبہ:

''یثرب کے نبی معصوم کو جنہیں ساری نسل انسانی کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا، آپ مدینہ میں مدفون سمجھتے ہیں مگر حضرت عیسیٰؑ کو جنہیں انجیل اور قرآن دونوں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جانے والا رسول کہتے ہیں انہیں عرش پر زندہ سلامت سمجھے بیٹھے ہیں''۔

یہ شبہ آپ سے پہلے کئی بار پیش کیا جاچکا ہے مجھے توقع نہ تھی کہ آنجناب زیب رقم فرمائیں گے تاہم مجھے مسرت ہے کہ آپ جتنے شبہے بھی پیش کریں میں اپنی ناچیز استطاعت کے مطابق انہیں زائل کرنے کی کوشش کروں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

سب سے پہلے تو میں آنجناب کی یہ غلط فہمی زائل کرنا چاہتا ہوں کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عرش پر بیٹھے سمجھتے ہیں۔ غالباً آنجناب نے آسمان اور عرش کو مترادف سمجھ لیا ہے مگر واقعہ یہ ہے آسمان اور چیز ہے اور عرش اس سے الگ چیز ہے، مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عرش پر نہیں، بلکہ آسمان پر زندہ سمجھتے اور ان دونوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ آپ کا یہ شبہ دراصل تین شبہات کا مجموعہ ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فوت شدہ ہونا اور حضرت عیسیٰؑ کا زندہ ہونا۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمین پر ہونا یا زمین میں مدفون ہونا اور حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر ہونا۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک کا مختصر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کا طویل ہونا۔

یہ تمام چیزیں آنجناب کے خیال میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین وتنقیص کی موجب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت وبرتری کو مستلزم ہیں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ یہ سراسر غلط فہمی ہے۔ غالباً آنجناب کی غلط فہمی کا منشاء یہ ہے کہ آپ نے (معاف کیجئے عیسائیوں اور نیچریوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر) اپنے خیال میں یہ طے کرلیا ہے کہ

زندہ ہو وہ فوت شدہ سے افضل ہوتا ہے، جو آسمان پر ہو وہ زمین والوں سے برتر ہوتا ہے اور جس کی عمر لمبی ہو وہ چھوٹی عمر والے سے بہتر ہوتا ہے۔

میں پوچھتا ہوں کیا یہ اصول، جس پر آپ کے شبہ کی ساری عمارت کھڑی ہے صحیح ہے؟ اور آپ کو مسلم ہے؟ آپ ذرا بھی تامل سے کام لیں گے تو آپ پر اس اصول کی غلطی فوراً واضح ہو جائے گی محترما! کسی شخص کا مدفون اور دوسرے کا زندہ ہونا نہ اول الذکر کی تنقیص کا موجب ہے، نہ ثانی الذکر کی فضیلت کا، دیکھئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت جو لوگ زندہ تھے یا اب زندہ ہیں۔ کیا آپ ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل سمجھ لیں گے نعوذ باللہ یا کیا ان لوگوں کا زندہ ہونا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص کا موجب ہے؟

دور کیوں جایئے مرزا صاحب زیر زمین مدفون ہیں اور آنجناب ماشاء اللہ زندہ سلامت (عرش پر نہ سہی) کرسی پر متمکن ہیں کیا کسی احمق کو اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہئے کہ آپ، مرزا صاحب سے افضل ہیں؟ یا یہ کہ آپ کے زندہ ہونے میں مرزا صاحب کی توہین و تنقیص ہے؟ فرمایئے یہ دلیل ہے یا محض سفسطہ؟

اسی طرح کسی شخص کا محض آسمان پر ہونا اور دوسرے کا زمین پر ہونا نہ تو اول الذکر کی افضلیت کی دلیل ہے اور نہ موخر الذکر کی تنقیص کا موجب ہے۔ کون نہیں جانتا کہ انبیاء کرام علیہم السلام آسمان کے فرشتوں سے بلکہ حاملین عرش سے بھی افضل ہیں۔ جب جبرئیل کے آسمان پر زندہ ہونے سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص نہیں ہوتی۔ نہ جبرئیل علیہ السلام کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل ہونا لازم آتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود کیوں بارِ خاطر ہے؟ جبکہ وہ جبرئیل علیہ السلام سے تو افضل ہی ہیں اور سنیئے! جناب مرزا صاحب لکھتے ہیں ''جنات آسمان تک پہنچ جاتے ہیں جیسا کہ **فاتبعہ شہاب ثاقب** سے ظاہر ہوتا ہے''۔

اگر خبیث جنات کے آسمان تک پہنچ جانے سے کوئی پہاڑ نہیں ٹوٹتا (البتہ ستارے

ضرور ٹوٹتے ہیں) کسی نبی کی توہین نہیں ہوتی، نہ کسی کو جنات کی برتری وفضیلت کا شبہ گزرتا ہے تو ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام سنکر کیوں طوفان برپا ہو جاتا ہے؟ اور پھر نیک روحوں کے اعلی علیین پر جانے کا عقیدہ کس کو معلوم نہیں؟ کیا محض ان کے آسمان پر ہونے سے یہ فرض کرلیا جائے کہ ہر نیک روح زمین کے تمام باشندوں سے افضل ہوتی ہے؟ اور پھر میں کہتا ہوں کہ جب روحیں آسمان پر جاتی ہیں اور وہی ان کا مستقر بھی ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو لقب ہی ''روح اللہ'' ہے وہ اگر آسمان پر جائیں اور وہاں رہیں تو اس سے کیوں بدکا جائے؟

ضمناً یہ بھی عرض کردوں کہ جن عیسائیوں نے یہ ''دانشمندانہ گپ'' اڑائی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام چونکہ آسمان پر ہیں اس لئے وہ خدا یا خدا کے بیٹے ہیں ان سے کہیے کہ اگر آسمان پر جانے سے ہی خدائی مل جاتی ہے تو ایسے سستے خدا نہیں اور بھی مل جائیں گے، اس لئے وہ ان سارے صعود آسمان والے خداؤں کی پرستش کے لئے تیار ہیں۔ آسمان کے سارے فرشتے ان کی خدائی کے لئے موجود ہیں، علیین کی تمام روحیں ان کی خدا بننے کو حاضر ہیں اور آسمان تک پہنچنے والے سب شیاطین ان سادہ لوحوں سے اپنی خدائی کا سکہ منوانے کے لئے موجود ہیں۔ محترما! یہ اصول سراسر عیسائی گپ ہے کہ آسمان پر چلا جائے وہ خدا بن جاتا ہے یا وہ زمین والوں سے افضلیت کا استحقاق رکھتا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ آپ ایسے عاقل وفہیم بھی عیسائیوں کے غلط مگر مکروہ پروپیگنڈے کے سیلاب میں بہہ کر اسلامی عقائد پر مشق جراحی کرتے رہے انہوں نے یہ دیکھنے کی زحمت نہیں کی کہ یہ پروپیگنڈہ عقل واستدلال سے کس قدر عاری ہے۔ مگر اب تو ہم غلام نہیں، اب تو یہ طرز فکر چھوڑ دینا چاہیئے، ہاں کسی کی عمر کا مختصر اور دوسرے کی عمر کا طویل ہونا بھی معیار فضیلت نہیں، حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ہزار برس ہوئی اور نوح علیہ السلام کی اس سے بھی زیادہ کیا اس سے یہ استدلال کرنا صحیح ہوگا کہ یہ دونوں حضرات، ہمارے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل تھے؟ یا ان کا طویل عمر پانا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص کا موجب ہے؟ الغرض نہ کسی کا زندہ ہونا معیار

فضیلت ہے، نہ آسمان پر ہونا، نہ طویل العمر ہونا، اس لئے آنجناب کا یہ شبہ محض جذباتی ہے، اوراس کا منشاء صرف غلط فہمی اور عیسائی پروپیگنڈے سے مرعوبیت۔

بارہواں شبہ:

آنجناب کی مندرجہ بالا عبارت میں ضمناً ایک اور شبہ بھی پیش کیا گیا ہے اسے بھی صاف ہوجانا چاہیئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''حضرت عیسیٰ کو انجیل اور قرآن دونوں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جانے والا رسول کہتے ہیں'' اس سے آپ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جانے والا رسول امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کی طرف کیوں کر آسکتا ہے؟ جواباً گزارش ہے وہ امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رسول بن کرنہیں آئیں گے، بلکہ اس امت میں اس کے ایک فرد کی حیثیت سے تشریف لائیں گے، وہ بنی اسرائیل کے رسول تھے ان کی دوبارہ تشریف آوری اس دور میں ہوگی جس دور کے تمام لوگوں کے لئے رسول حضرت خاتم النبیین ہیں، اس امت کے لئے بھی، خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی۔

ان کی امت کے لئے بھی، اور دیگر انبیاء کرام اوران کی امتوں کے لئے بھی۔ بعید نہیں کہ ان کا اسی دنیا میں امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) میں آشامل ہونا ان کی اس دعا کا ثمر ہو جو آنجناب نے ''برناس'' سے نقل کیا ہے:

> ''اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہو، اور مجھ کواس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں۔ کیونکہ اگر میں یہ شرف حاصل کرلوں تو بڑا نبی اور اللہ کا مقدس بن جاؤں گا''۔

ان کی اس دعاء میں دو باتیں بالکل نمایاں ہیں۔ ایک یہ کہ ''جوتی کا تسمہ کھولنا'' کنایہ ہے خوردانہ خدمت اور نصرت وحمایت سے۔ گویا دعا یہ ہے کہ حق تعالیٰ ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حامی وخادم بنائے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں شامل کرکے ان سے دین قیم کی خدمت لے۔

دوسرے یہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہونا ان کے حق میں ذلت کا موجب نہیں بلکہ ان کی بڑائی وتقدس وشرف کا باعث ہے۔ شاید ان کی اسی دعا کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ وعدہ کیا ہو جسے میں حدیث معراج کے حوالے سے اوپر نقل کر چکا ہوں (دیکھئے پانچواں شبہ) الغرض ان کے اس امت میں تشریف لانے سے ان کی سابقہ حیثیت ختم نہیں ہوگی۔ البتہ بنی اسرائیل کے رسول ہونے کے ساتھ ساتھ وہ امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے ایک فرد بھی ہوں گے (اور یہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ تمام انبیاء آپ کی امت ہیں) اور امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) میں ان کی تشریف آوری کا سب سے اہم مقصد بھی اپنی ہی قوم یعنی بنی اسرائیل کی اصلاح ہوگی۔ شاید اسی نقطہ کے پیش نظر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہود سے فرمایا تھا:

ان عیسیٰ لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ.

''بے شک عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں اور قیامت سے پہلے وہ تمہاری طرف واپس لوٹ کر آئیں گے''۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس امت کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''**نازل فیکم**'' کی خوشخبری دی، یعنی تم میں نازل ہوں گے اور بنی اسرائیل کو ''**راجع الیکم**'' فرمایا یعنی ''تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے'' اس طرز تعبیر میں یہی نکتہ معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہاں! یاد آیا انجیل برنباس، جس سے آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کا اقتباس نقل کیا ہے اس میں ٹھیک اسلامی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہودیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہونے سے بچایا جانا، زندہ سلامت آسمان پر اٹھایا جانا اور پھر آخری زمانے میں نزول فرمانا درج ہے، کیا آپ بتا سکیں گے کہ یہ انجیل کس زمانے میں لکھی گئی؟ کس نے لکھی؟ اور اس کے مندرجات کی حیثیت کیا ہے؟

تیرھواں شبہ:

جناب برکت خان کا ایک ژولیدہ فقرہ نقل کر کے آنجناب نے لکھا ہے:

''آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ وہ بجسد عنصری آسمان پر اٹھائے گئے اور واپس آئیں گے اور امت محمدیہ کی اصلاح کریں گے، تو کیا جواب ہے آپ کے پاس عیسائیوں کے ان الفاظ کہ ابن اللہ ہے، کلمۃ اللہ ہے، خدائے کامل اور انسان کامل ہے''۔

میں آپ کو یاد دلاؤں گا کہ عیسائیوں کے یہ ''الفاظ'' آج نئے آپ کے سامنے نہیں آئے بلکہ انہوں نے یہی عجیب وغریب الفاظ بارگاہ رسالت میں بھی پیش کئے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی دلیل کا سامنا کرنے کے لئے نہ تو مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا انکار فرمایا، نہ ان کو یہ کہا عیسیٰ مر چکا ہے، نہ ان کے کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے سے انکار فرمایا، بلکہ ان کی غلطی کی اصلاح کے لئے صرف تین فقرے ایسے فرمائے کہ ان کا جواب نہ ان سے اس وقت بن سکا، نہ آج تک۔ ایک فقرہ یہ تھا:

''الستم تعلمون ان عیسیٰ یاتی علیہ الفنا وان ربنا حی لایموت.

کیا تم نہیں جانتے کہ عیسیٰ پر فنا طاری ہوگی اور ہمارا رب ''حی لایموت'' ہے کبھی نہیں مرے گا۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ عیسیٰ مر چکا ہے، بلکہ انہیں اس حقیقت پر متنبہ فرمایا کہ جس طرح ساری مخلوق فانی ہے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام پر بھی آئندہ کسی زمانے میں قانونِ فنا طاری ہونے والا ہے، وہ قانون فنا سے مستثنیٰ نہیں، ان کی حیات مستعار، خواہ وہ کتنی ہی طویل ہو، انہیں خدا بنانے کے لئے کافی نہیں ہے وہ فانی ہیں، اور فانی خدا نہیں ہوسکتا۔

محترما! آپ نے برکت خاں کے ایک فقرہ کے سامنے سپر ڈال دی اور اسے لاجواب سمجھ لیا جب تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کا انکار نہ کر دیا جائے۔ آپ نے

برکت صاحب سے یہ تو پوچھ لیا ہوتا کہ انہوں نے اپنے ژولیدہ فقرے کا مطلب خود بھی سمجھا ہے؟ یا تین ایک اور ایک تین کی طرح یہ بھی ایک ایسی چیستان ہے جسے کوئی عیسائی نہ خود سمجھ سکتا ہے نہ کسی اور ان کو سمجھا سکتا ہے، ان صاحب سے پوچھئے کہ:

(۱) کیا خدا بھی قتل کیا جاتا اور سولی دیا جاتا ہے؟

(۲) انسان خدا، خدا انسان؟ یہ کیا معما ہے؟

(۳) خدا کا قاتل طاقتور تھا یا مقتول خدا؟

(۴) کیا خدا خود ہی باپ اور خود ہی بیٹا ہے؟

(۵) عیسیٰ علیہ السلام مقتول ومصلوب ہونے کے سبب ابن اللہ ہیں؟ یا برعکس ان کے ابن اللہ ہونے کے سبب مقتول ومصلوب ہوئے؟ عیسائی عقیدہ اس بارے میں کیا ہے اور برکت صاحب کیا فرمارہے ہیں؟

تعجب ہے جو مسکین یہ نہیں جانتا کہ اس کا عقیدہ کیا ہے اور جو کچھ وہ لکھ رہا ہے اس کا مفہوم ومدعا کیا؟ جسے یہ خبر نہیں کہ سبب کسے کہتے ہیں اور مسبب کیا ہوتا ہے؟ آپ اس کی بے سروپا تک بندی کو لا جواب بتا کر مجھے اسلامی عقیدے میں ترمیم واصلاح کا مشورہ دے رہے ہیں اور اپنی خفگی کا سارا زور اسلامی عقیدے پر اُتار رہے ہیں، کیا عقیدۂ رفع کے انکار سے عیسائی مسلمان ہوجائیں گے؟

میرے محترم! غیروں کے واہی تباہی شبہات کا سامنا کرنے کے لئے اسلامی عقائد میں کتر بیونت شروع کردینا کوئی صحت مندانہ طرز فکر نہیں، بلکہ یہ گریز پائی، شکست خوردگی اور اس پر اندازی کی علامت یہ اسلام سے نادان دوستی ہے میں بحمد اللہ مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا قائل ہوں، کیونکہ میرا خدا قائل ہے، میرا رسول قائل ہے، پیشرو سلف صالحین قائل ہیں لیکن کسی عیسائی کو میرے سامنے لائیے میں دیکھوں گا کہ وہ کس دلیل اور کس منطق سے آسمان پر جانے سے الوہیت یا ابنیت کشید کرکے دکھاتا ہے یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عیسیٰ علیہ السلام کی افضلیت کیسے ثابت کردکھاتا ہے؟ مگر میں آنجناب کی خفگی کا

کیا علاج کروں؟ آپ جوش میں یہ تک کہہ گئے: ''کہاں ہے آپ کی نگاہ میں آنحضرت خاتم النبیین کی رفعت وعظمت؟ جب آپ کا اور عیسائیوں کا ایک ہی عقیدہ ہے تو کیا آپ خدا کے ساتھ شرک کے مرتکب نہیں ہورہے''؟

محترما! آپ کا یہ فقرہ نرا جذباتی ہے، غصہ میں آدمی حق وباطل اور صحیح وغلط کی تمیز نہیں کرپاتا، حدود کی رعایت نہیں رہتی، بس غصہ تھوک دیجئے، اطمینان وسکون سے بتائیے کیا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مسلمانوں اور عیسائیوں کا عقیدہ واقعۃ ایک ہی ہے؟ کیا کسی باوقار اور سنجیدہ اتھارٹی کے سامنے آپ اپنے اس دعوے کو ثابت کرسکتے ہیں؟

اچھا یہ بتائیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی سے واقعی ان کا خدا ہونا ثابت ہوجاتا ہے؟ رفع وحیات مسیح کا عقیدہ واقعی شرک ہے؟ اگر آنجناب کے یہ دعوے جھنجھلاہٹ اور جذباتیت کا نتیجہ نہیں، بلکہ سنجیدگی سے آپ یہی سمجھتے ہیں تو آپ کا شبہ کا ازالہ میرا فرض ہے اور میں ان شاء اللہ اس فرض کو ضرور بجالاؤں گا۔ لیکن چند تنقیحات ضروری ہیں۔ آپ ان کی وضاحت کردیں:

(۱) شرک کسے کہتے ہیں؟

(۲) جو شخص شرک کا مرتکب ہو اس کا کیا نام رکھتے ہیں؟

(۳) شرک کی سزا وہی ہے جو قرآن کریم نے بتائی ہے **ان اللّٰہ لایغفر ان یشرک به**، یا کچھ اور؟

(۴) شرک کو شرک سمجھ کر کیا جائے تبھی آدمی گنہگار ہوتا ہے یا نادانستہ شرک بھی شرک ہی ہے، مثلاً عیسائی صاحبان تثلیث کو شرک نہیں سمجھتے بلکہ توحید سمجھتے ہیں وہ مشرک ہیں یا نہیں؟

(۵) حیات مسیح کا عقیدہ آپ کے خیال میں شرک خفی ہے یا جلی؟

(۶) یہ کس تاریخ سے شمار ہونے لگا؟

(۷) کیا مامور من اللہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے؟

(۸) کیا شرک کا مرتکب مجدد بھی ہوتا ہے؟

(۹) خدا تعالیٰ نے لوگوں کو شرک سے بچانے کے لئے اتمام حجت بھی کی ہے یا نہیں؟

(۱۰) اگر کی ہے تو کس تاریخ سے؟

آنجناب ان امور کی تنقیح فرمائیں گے عرض کروں گا کہ ہم بحمد اللہ حیات مسیح کو مان کر شرک کے مرتکب نہیں۔ بلکہ قضیہ برعکس ہے۔

میں نے آنجناب کے خط سے کرید کرید کر شبہات نکالے ہیں اور انہیں حل کرنے کی ناتواں کوشش کی ہے خدا تعالیٰ شاہد ہے کہ میرا مقصود واقعۃً آپ کی صلاح و بہبود اور خیر خواہی ہے آنجناب ان معروضات پر غور و تدبر فرمائیں، اگر کوئی شبہ پھر بھی باقی رہ جائے تو اس کی تشفی کے لئے حاضر ہوں۔ کوئی اور شبہ ہو تو وہ بھی پیش فرمائیے۔ اچھا اب اجازت۔

آپکا خیر اندیش

محمد یوسف لدھیانوی

بینات، ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ

(فتاوی بینات، ج:۱ص:۲۷۲ تا ۳۲۲، ط، مکتبہ بینات کراچی)



حدیث لوکان موسی وعیسیٰ حیین سے حیات عیسیٰ علیہ السلام پر شبہ کا جواب

﴿سوال﴾:

قادیانیوں نے بذریعہ اشتہار ایک حدیث شائع کی ہے اس کا اثر بہت بُرا پڑا ہے، وہ یہ ہے:

لو کان موسی علیہ السلام وعیسیٰ حیین لما وسعھما الا اتباعی

حوالہ تفسیر ابن کثیر جلد:۲، ص:۲۴۶ تفسیر ترجمان القرآن نواب صدیق حسن خانصاب مرحوم جلد ص:۴۶۱، کتاب التواقیت والجواہر امام سید عبدالوھاب شعرانی ص:۲۰۴ کتاب المدارج السالکین امام ابن قیم جلد ۲ ص ۳۱۳ شرح مواھب لدنیہ جلد ۶ ص ۷۶، اور تفسیر ابن کثیر مذکور حافظ ابوالفداء عمر قرشی دمشقی ۷۷۱ھ میں تحریر فرمائی ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ حدیث اگر صحیح ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟

﴿الجواب﴾:

غالباً اس سے عدم حیات عیسویہ پر استدلال کیا ہوگا، لیکن جواب ظاہر ہے کہ حیات سے مراد حیات متعارفہ ہے یعنی حیات فی الارض کہ دار التکلیف ہے، چنانچہ خود حدیث میں لفظ اتباعی اس پر صریح دلیل ہے، کیونکہ تکلیف اتباع اسی دار التکلیف میں ہے اور ان کے لئے ثابت حیوۃ فی السماء ہے، جیسا قرآن مجید میں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول منقول ہے۔

وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا.

کہ یہاں بھی ظاہر ہے کہ تکلیف بالصلوٰۃ والزکوٰۃ اسی حیاۃ فی الارض کے ساتھ خاص ہے۔ (امداد الفتاوی، ج:۱۲، ص:۶۸، ۶۹، ط، زکریا بک ڈپو الہند)



حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا انکار

﴿سوال﴾:

ایک آدمی حضرت عیسی علیہ لسلام کے بارے میں رفع الی السماء اور بعد از رفع حیات اور نزول کا منکر ہے، کیا وہ مسلمان ہے یا نہیں؟ ایک آدمی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں کہتا ہے کہ ان پر کوئی تہمت نہیں لگی یہ سارا واقعہ ان کی طرف غلط منسوب کیا گیا ہے ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

﴿الجواب باسم الملک الوهاب﴾:

ایسا شخص کافر ہے۔

وَقَوْلُهُمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزاً حَكِيْماً....... (النساء آیة: ۱۵۸/۱۵۷)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله ﷺ والذى نفسي بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكما عدلا فيكسر الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية ويفيض المال حتى لايقبله أحد حتى تكون السجده الواحدة خيرا من الدنيا وما فيها ثم يقول أبوهريرة فاقرؤا ان شئتم وان من أهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته الآية. متفق عليه“......

(مشكوة شريف: ۴۹۱/۲)

”ان الذين جاء وا بالافک عصبة منكم لاتحسبوه

شـرا لكم بل هو خير لكم لكل امرء منهم مااكتسب من الاثم والـذى تـولـى كبـره منهم له عذاب عظيم . لولا اذسمعتموه ظـن الـمـؤمـنـون والـمـؤمـنـات بـأنفسهم خيرا وقالوا افكـ مبين."........... (الجزء ١٨: آيت ١١/١٢)

"**(ان الـذيـن جـاء وا بالافكـ)والمراد به ما أفكـ به الـصـديـقة ام الـمـؤمـنين رضى اللّٰه تعالى عنها الخ قيل فيفيد الـقـصـر كـأنـه لا افكـ الا ذلكـ الافكـ وفـى لفظ المجئ اشـارـة الـى أنهم أظهروه من عند أنفسهم من غير أن يكون له أصل اه**" ......(روح المعانی: ۱۸/۱۱۱)

"**قـالـت (الصديقة رضى اللّٰه تعالى عنها) وأنزل اللّٰه تـعـالـى ان الـذيـن جاء وا بالافكـ العشر الآيات ثم أنزل اللّٰه هـذا فى برائتى اه**" ...... (بـخـاری شریف: ۲/۵۹۶) **فقط واللّٰه** تـعـالـیٰ اعـلـم۔(ارشاد المفتین، ج: ۱، ص: ۶۷، ۶۸، ط، مکتبة الـحسـن لاھـور/ آپ کـے مســائـل اور ان کـا حل، ج: ۲، ص: ۱۹۴، ط، مکتبه لدھیانوی کراچی)



نزول عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کرنا

﴿سوال﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قربِ قیامت میں آسمان سے نازل ہونے کا انکار کرنے کا کیا حکم ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول امتِ مسلمہ کا اجماعی اور اتفاقی عقیدہ ہے اور اس کے ثبوت میں چونکہ اتنی احادیث وارد ہیں جو تواتر کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں (۱۷۷)، اس لیے نزول عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کفر ہے۔

---

(۱۷۷):فی تفسیر ابن کثیر: ذکر الأحادیث الواردة فی نزول عیسی ابن مریم الا الأرض من السماء فی آخر الزمان قبل یوم القیامة، وأنه یدعو الی عبادة اللّٰه وحده لاشریک له:

قال البخاری: رحمه اللّٰه فی کتاب ذکر الأنبیاء من صحیحه المتلقی بالقبول: (نزول عیسی ابن مریم۔ علیه السلام): حدثنا اسحاق بن ابراهیم، حدثنا یعقوب بن ابراهیم، حدثنا أبی، عن صالح، عن ابن شهاب، عن سعید بن المسیب، عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللّٰهﷺ: والذی نفسی بیده لیوشکن أن ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً، فیکسر الصلیب، ویقتل الخنزیر، ویضع الجزیة، ویقبض المال حتی لایقبله أحد، حتی تکون السجدة خیرا من الدنیا وما فیها. ثم یقول أبو هریرةؓ: واقرؤوا ان شئتم: ﴿وان من أهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته ویوم القیامة یکون علیهم شهیداً﴾......فهذه أحادیث متواترة عن رسول اللّٰهﷺ من روایة أبی هریرة، وابن مسعود، وعثمان بن أبی العاص، وأبی أمامة، والنواس بن سمعان، وعبداللّٰه بن عمرو بن العاص، ومجمع بن جاریة، وأبی سریحة حذیفة بن أسید رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم

والدليل على ذلك:

وقد تواترت الأحاديث عن رسول الله ﷺ أنه أخبر بنزول عيسى عليه السلام قبل يوم القيمة اماماً عادلاً وحكماً مقسطاً(۱۷۸).

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی احادیث اس بارے میں تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں کہ آپ ﷺ نے خبردی ہے کہ روزِ قیامت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام ایک عادل حکمران اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والے کی حیثیت سے نازل ہوں گے۔

وفي الظهيرية: من أنكر المتواتر، فقد كفر.

ترجمہ: ظہیریہ میں ہے کہ جوشخص (خبر) متواتر سے انکار کرے، وہ کافر ہوجاتا ہے(۱۷۹)۔ (فتاوی عثمانیہ، ج:۱،ص: ۱۱۰، ۱۱۱، ط، العصر اکیڈمی پشاور)



وفيها دلالة على صفة نزوله ومكانه، من أنه بالشام، بل بدمشق، عند المنارة الشرقية، وأن ذلك يكون عند اقامة الصلاة للصبح. (تفسير ابن كثير، سورة النساء، الآية: ١٥٥تا ١٥٩، ج: ٢، ص: ٤٥٥، تا ٤٦٤، ط، دار طيبة)

(۱۷۸):(تفسير ابن كثير، سورة الزخرف، الآية: ٦١، ج: ٧، ص: ٢٣٦، ط، دار طيبة)

(۱۷۹):في الفتاوى التاتارخانية: واذا روى رجل حديثا عن النبي ﷺ ورده آخر قال بعض مشايخنا انه يكفر، ومن المتأخرين من قال: ان كان متواترا يكفر، وكذلك لو قال بطريق الاستخفاف، سمعناه كثيرا يكفر، وفي الظهيرية: ومن أنكر المتواتر فقد كفر. (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب أحكام المرتدين، الفصل السابع: فيما يعود الى الأنبياء عليهم السلام، ج: ٧، ص:٣٠٥، ط، مكتبة زكريا، ديوبند)

نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی آنے کا حکم

﴿سوال﴾:

کیا نزول کے بعد حضرت عیسیٰ السلام علیہ پر وحی آئے گی؟ غالباً حضرت ام یمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے "ان الوحی قد انقطع" یعنی وحی منقطع ہوگئی تو کیا ان پر وحی آئے گی یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

حدیث میں ہے:

قال ذکر رسول اللّٰہ ﷺ الدجال ... الی ان قال: فبینما هم علی ذلک اذ بعث اللّٰہ المسیح بن مریم فینزل عند المنارة البیضاء شرقی دمشق واضعا یده علی اجنحة ملکین فیتبعه فیدرک فیقتله عند باب لُد الشرقی فبینما هم کذلک اوحی اللّٰہ الی عیسیٰ ابن مریم: انی قد أخرجت عبادا من عبادی لا ان لک بقتالهم فحرر عبادی الی الطور.

(رواه مسلم برقم: ۲۹۳۷، باب ذکر الدجال، واحمد برقم: ۱۷۶۲۹، والترمذی برقم: ۲۲۴۰، وابن ماجه برقم: ۴۰۷۵، والحاکم فی المستدرک: ۴/۴۹۲، ط: مکة المکرمة، غیرهم من حدیث النواس بن سمعانؓ).

وفی مجمع الانهر: ومن استخف بسنة، أو حدیث من أحادیثه علیه الصلاة والسلام أو رد حدیثاً متواتراً، أو قال: سمعناه کثیراً بطریق الاستخفاف کفر. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب السیر والجهاد، باب المرتد، ج: ۲، ص: ۵۰۶، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ السلام علیہ پر وحی آئے گی، پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آنے والی وحی حقیقی ہوگی یا الہامی ہوگی، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وحی حقیقی والے قول کو ترجیح دی ہے اور کئی وجوہ ترجیح ذکر کی ہیں۔ ملاحظہ ہو"الحاوی للفتاوی" میں ہے:

لان عیسیٰ علیہ السلام نبی فأی مانع من نزول الوحی الیہ، فان تخیل فی نفسہ أن عیسیٰ علیہ السلام قد ذھب وصف النبوۃ عنہ وانسلخ منہ، فھذا قول یقارب الکفر، لان النبی لایذھب عنہ وصف النبوۃ ابداً ولا بعد موتہ، وان تخیل اختصاص الوحی للنبی بزمن دون زمن فھو قول لا دلیل علیہ ویبطلہ ثبوت الدلیل علی خلافہ...

قال زاعم: الوحی فی حدیث مسلم موول بوحی الالھام، قلت: قال اھل الاصول: التاویل صرف اللفظ عن ظاھرہ لدلیل، فان لم یکن لدلیل فلعب لا تاویل و لادلیل علی ھذا فھو لعب بالحدیث، قال زاعم: الدلیل علیہ حدیث لا وحی بعدی، قلنا: ھذا الحدیث بھذا اللفظ باطل، قال زاعم: الدلیل علیہ حدیث لا نبی بعدی قلنا: یامسکین لا دلالۃ فی ھذا الحدیث ماذکرت بوجہ من الوجوہ لان المراد لا یحدث بعدہ بعث نبی بشرع ینسخ شرعہ کما فسرہ بذلک العلماء... الخ. (الحاوی للفتاوی: ۲/ ۲۰۰، ۲۰۱، کتاب الا علام بحکم عیسی علیہ السلام، فاروقی کتب خانہ).

فتاوی حدیثیہ میں شیخ ابن حجر ہیثمی المکیؒ (۹۰۹-۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

(وسئل) نفع اللہ بہ ھل ثبت ان عیسیٰ علیہ السلام

بعد نزوله ياتيه الوحي؟ (فاجاب) بقوله: نعم؛ يوحي اليه وحي حقيقي كما في حديث مسلم وغيره... الخ. (الفتاوى الحديثية، ص ۱۲۹، دارالفکر)

اور جہاں تک حضرت ام ایمنؓ کی روایت (مسلم:۲/۲۹۱) میں ہے تو اس کی تاویل یہ ہو سکتی ہے انقطع بمعنی توقف ہے یعنی حضور ﷺ کی وفات پر وحی موقوف ہوگئی ہم اس کی برکات سے محروم ہوگئے، اس سے یہ بات تو لازم نہیں آتی کہ حضرت عیسیٰؑ پر بھی وحی نہیں آئیگی مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک وحی موقوف اوران پر جاری ہوگی، **وفي حديث مسلم: ”كذالك أوحى الله الى عيسىٰ بن مريم عليه السلام...“** یا یہ مطلب ہے کہ وحی تشریعی نہیں آئیگی، وحی تکوینی جو دنیوی معاملات یا جنگی تدابیر سے متعلق ہو وہ آئیگی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دارالعلوم زکریا، ج:۱،ص:۱۰۳ تا ۱۰۵، ط،زمزم پبلشرز کراچی)



حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نزول کے بعد نبی ہونگے یا امتی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ استفتاء کے:

کیا حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو آسمانوں پر زندہ اٹھایا گیا ہے، اگر اٹھایا گیا ہے تو آپ قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے، اگر ہاں تو بحیثیت امتی کے یا نبی کے؟

نوٹ: جواب قرآنی دلائل سے دیئے جائیں۔

حکیم سید عبدالمجید دہلوی مالک شاہی مطب منڈی پھدوان شاہ پور صوبہ پنجاب، پاکستان۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ الآیۃ (۱۸۰) اور قرب قیامت آپ نزول فرمائیں گے، احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے (۱۸۱) اور آپ اس وقت اپنی نبوت کی دعوت نہیں

---

(۱۸۰): (سورة النساء: ۱۵۷، ۱۵۸)

(۱۸۱): عن ابن شهاب: أن سعيد بن المسيب، سمع أبا هريرة رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: والذى نفسى بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكما عدلاً، فيكسر الصليب ويقتل الخنزير، ويضع الجزية، ويقبض المال حتى لايقبله أحد، حتى تكون السجدة الواحدة خير من الدنيا وما فيها. ثم يقول ابو هريرة رضى الله تعالى عنه: واقرؤا ان شئتم ﴿وان من أهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته و يوم القيامة يكون عليهم شهيدا﴾. (صحيح البخارى، كتاب أحاديث الأنبياء، باب نزول عيسى بن مريم عليهما السلام، ص: ۷۱۰، رقم: ۳۴۴۸، دار السلام رياض)

عن أبى هريرةؓ عن النبى ﷺ قال: ليس بينى وبينه يعنى عيسى عليه السلام، نبى، وانه نازل فاذا رأيتموه فاعرفوه: رجل مربوع الى الحمرة والبياض بين ممصرتين كأن رأسه يقطر وان لم يصبه بلل، فيقاتل الناس على الاسلام فيدق الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية ويهلک الله فى زمانه الملل كلها الا الاسلام ويهلک المسيح الدجال فيمكث فى الأرض أربعين سنة ثم يتوفى فيصلى عليه المسلمون. (سنن أبى داؤد، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال، ص: ۶۰۷، رقم: ۴۳۲۴، ط، دار السلام رياض)

عن عبدالله بن عمرو رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: ينزل عيسىٰ بن مريم الى الأرض، فيزوج، ويولد له، ويمكث خمساً وأربعين سنة، ثم يموت، فيدفن معى فى قبرى فأقوم أنا وعيسى ابن مريم فى قبر واحد بين أبى بكر وعمر. رواه ابن الجوزى فى كتاب الوفاء. (المشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب نزول عيسىٰ عليه

دینگے بلکہ حضور اکرم ﷺ کی ملت کی دعوت دیں گے اور خود ان کی نبوت بھی مسلوب نہیں ہوگی بلکہ وہ محفوظ رہے گی۔

"اخرج الطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی البعث بسند جید عن عبداللّٰہ بن مغفل رضی اللّٰہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وآلہ وسلم: "یلبث الدجال فیکم ماشآء اللّٰہ، ثم ینزل عیسی بن مریم علیہ الصلاۃ والسلام مصدقا بمحمد وعلی ملتہ اماما مھدیا وحکما عدلا، فیقتل الدجال اھ".

"ان عیسی علیہ الصلاۃ والسلام مع بقائہ علی نبوتہ

السلام، الفصل الثالث، ص: ٤٨٠، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

عن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: واللّٰہ لینزلن ابن مریم حکماً عادلاً، فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الخنزیر، ولیضعن الجزیۃ، ولیترکن القلاص، فلایسعی علیھا، ولتذھبن الشحناء والتباغض والتحاسد، ولیدعون الی المال فلایقبلہ أحد. رواہ مسلم. وفی روایۃ لھما قال: کیف أنتم اذا نزل ابن مریم فیکم، وامامکم منکم؟. (مشکاۃ المصابیح، کتاب الفتن، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام، ص: ٤٧٩، ٤٨٠، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

وفی تفسیر ابن کثیر: قال مجاھد: ﴿وانہ لعلم للساعۃ﴾ أی: آیۃ للساعۃ خروج عیسیٰ ابن مریم قبل یوم القیامۃ. وھکذا روی عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ، وابن عباس، وأبی العالیۃ، وأبی مالک، وعکرمۃ، والحسن، وقتادۃ، والضحاک، وغیرھم.

وقد تواترت الأحادیث عن رسول اللّٰہ ﷺ، أنہ أخبر بنزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام قبل یوم القیامۃ اماما عادلاً وحکماً مقسطاً. (تفسیر ابن کثیر، سورۃ الزخرف، الآیۃ: ٦١، ج: ٧، ص: ٢٣٦، ط، دار طیبۃ)

معدود فی امة النبی صلی اللّٰہ تعالی علیہ وآلہ وسلم وداخل فی زمرة الصحابة رضی اللّٰہ تعالی عنھم، فانه اجتمع بالنبی صلی اللّٰہ تعالی علیہ وآلہ وسلم وھو حي مؤمنا به ومصدقا، و کان اجتماعه به مرات فی غیر لیلة الاسراء من جملتها بمکة، روی ابن عدی الکامل عن انس رضی اللّٰہ تعالی عنه قال: بینا لحن مع النبی صلی اللّٰہ تعالی علیہ وآلہ وسلم اذا رأینا برداً ویداً وقلنا یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وآلہ وسلم! ماھذا البرد الذی رأینا والید؟ قال: ”قد رایتموہ؟“ قلنا: نعم، قال: ”ذلک عیسی ابن مریم سلم علی“.

انما یحکم عیسی بشریعة نبینا صلی اللّٰہ تعالی علیہ وآلہ وسلم بالقرآن والسنة، عن ابی ھریرة رضی اللّٰہ تعالی عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وآلہ وسلم: ألا ان ابن مریم لیس بینی وبینه نبی ولا رسول الا انه خلیفتی فی امتی من بعدی“.

قال الذھبی فی تجرید الصحابة: عیسی بن مریم علیه الصلاة والسلام نبی وصحابی، فانه رای النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، فھو آخر الصحابة موتا اہ“ الحاوی للفتاوی.

اس مسئلہ پر علماء حق کے مستقل رسائل شائع شدہ ہیں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ ہے:

”کتاب الا علام بحکم عیسی علیه الصلاة والسلام“ علامہ سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ ہے، مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک رسالہ ہے

عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسی علیہ الصلاۃ و السلام. نیز شروح حدیث بذل المجہود (۱۸۲)، فتح الباری (۱۸۳)، عینی (۱۸۴) وغیرہ میں بھی اس کی تصریح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ، ج:۱، ص:۴۳۴ تا ۴۳۷)



---

(۱۸۲): فی البذل المجھود: أن الأحاديث قد ثبتت أنه يخرج بعد أمور ذكرت، وأن عيسىٰ عليه السلام يقتله بعد أن ينزل من السماء، ويحكم بالشريعة المحمدية. (بذل المجهود فی حل سنن أبی داؤد، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال، ج: ١٢، ص: ٣٦٨، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

(۱۸۳):أن سعيد بن المسيب سمع أبا هريرةؓ قال رسول اللهﷺ: والذی نفسی بيده، ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماً عدلاً..الخ. وفی الفتح تحت هذا الحديث: قوله: (حكما) أی حاكماً: والمعنى أنه ينزل حاكماً بهذه الشريعة فان هذه الشريعة باقية لاتنسخ، بل يكون عيسىٰ حاكماً من حكام هذه الأمة. (فتح الباری بشرح صحيح البخاری، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسىٰ ابن مريم عليه السلام، ج: ٦، ص: ٥٦٧)

(۱۸۴):أن سعيد بن المسيب سمع أبا هريرةؓ قال رسول اللهﷺ: والذی نفسی بيده، ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماً عدلاً..الخ. وفی عمدة القاری تحت هذا الحديث: (حكما)، أی: حاكماً بهذه الشريعة، فان شريعة النبیﷺ لاتنسخ. (عمدة القاری، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسىٰ ابن مريم عليهما السلام، ج: ١٦، ص: ٥٤، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رُوح اللہ ہونا

﴿سوال﴾:

ایک عیسائی نے یہ سوال کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ ہیں، اس طرح حضرت عیسیٰ رسول اللہ کے ساتھ روح اللہ بھی ہیں، لہٰذا حضرت عیسیٰ کی شان بڑھ گئی۔

﴿جواب﴾:

یہ سوال محض مغالطہ ہے، حضرت عیسیٰ السلام کو روح اللہ اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کی روح بلا واسطہ باپ کے ان کی والدہ کے شکم میں ڈالی گئی، باپ کے واسطے سے بغیر پیدا ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ضرور ہے مگر اس سے ان کا رسول اللہ ﷺ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ ورنہ آدم علیہ السلام کا عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہونا لازم آئے گا، کہ وہاں ماں اور باپ دونوں کا واسطہ نہیں تھا۔ پس جس طرح حضرت آدم علیہ السلام بغیر واسطہ والدین کے محض حق تعالیٰ شانہ کے کلمہ ''کن'' سے پیدا ہوئے، اسی طرح حضرت عیسیٰ السلام بغیر واسطہ والد کے کلمہ ''کن'' سے پیدا ہوئے، اور جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کا بغیر ماں باپ کے وجود میں آنا ان کی افضلیت کی دلیل نہیں، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا ان کی افضلیت کی دلیل نہیں۔ (فتاوی ختم نبوت، ج:۱،ص:۱۰۲،۱۰۳، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان/ آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۲،ص:۱۹۷، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مدفن کہاں ہوگا؟

﴿سوال﴾:

میں اس وقت آپ کی توجہ اخبار ''جنگ'' میں ''کیا آپ جانتے ہیں؟'' کے عنوان سے سوال نمبر:۲ ''جس حجرے میں آنحضرت ﷺ دفن ہیں، وہاں مزید کتنی قبروں کی گنجائش ہے؟ اور وہاں کس کے دفن ہونے کی روایت ہے؟ یعنی وہاں کون دفن ہوں گے؟'' اس کے جواب میں حضرت مہدیؒ لکھا ہوا ہے۔ جبکہ ہم آج تک علماء سے سنتے آئے ہیں کہ حجرے میں حضرت عیسیٰ [علیہ الصلاۃ والسلام] دفن ہوں گے۔

﴿جواب﴾:

حجرہ شریفہ میں چوتھی قبر حضرت مہدیؒ کی نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہوگی (۱۸۵)۔ (فتاوی ختم نبوت، ج:۱،ص:۱۰۳، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان/آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۲،ص:۱۹۷، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۱۸۵): عن عبداللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰہ ﷺ: ینزل عیسی بن مریم الی الأرض، فیزوج، ویولد له، ویمکث خمساً وأربعین سنة، ثم یموت، فیدفن معی فی قبری فأقوم أنا وعیسی ابن مریم فی قبر واحد بین أبی بکر وعمر. رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء. وفی المرقات تحت هذا الحدیث: (بین أبی بکر وعمر) [رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما]، أی حال کوننا قائمین واقفین بین أبی بکر وعمر فأحدهما عن یمینهما ایماء الی تیمنه بالایمان وأن الایمان یمان، والظاهر أنه أبوبکر، والآخر عن یسارهما لیسر الاسلام وعزه به وهو عمر. وسیأتی فی فضائل سید المرسلین عن عبداللّٰہ بن سلامؓ بروایة الترمذی عنه قال: مکتوب فی التوارة صفة محمد، وعیسیٰ ابن مریم یدفن معه. قال أبو داؤد: وقد بقی فی البیت موضع قبر. أقول: والظاهر اللائق بمقام عیسیٰ علیه الصلاة والسلام أن یکون بین

عیسیٰ کے متعلق چند شبہات کا ازالہ

﴿سوال﴾:

جناب مفتی صاحب! ہم صبح وشام سنتے ہیں کہ اسلام یہ کہتا ہے اسلام وہ کہتا ہے، اور جب حوالہ پوچھا جائے تو کبھی کسی طبری، کسی ابن کثیر یا کسی غزلی کا نام بتادیا جاتا ہے، حتی کہ بعض اوقات مولانا رومؒ، بلھے شاہؒ تک کے حوالے پیش کیے جاتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ کسی بات کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کے لیے کسی انسان کے منہ کی بات دلیل نہیں ہوسکتی ہے، خدا اور رسول کے علاوہ کسی کو حوالے کے طور پر پیش کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ اسلاف کا خیال ومقال جزء اسلام نہیں ٹھہرایا جاسکتا، کیونکہ عہد رسالت میں دین کامل ہوچکا ہے، براہ کرم درج ذیل سوالات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں حل فرما کر عنداللہ ماجور ہوں:

(۱) مریم سلام اللہ علیہا صاحب حال ہیں، اچھا تو یہ تھا کہ وہ خود فرماتیں: ولدت ولم اتزوج.

(۲) کیا کبھی عیسیٰ علیہ السلام نے خود اقرار کیا ہے: ولدتنی امی مریم الصدیقة ولم تتزوج.

(۳) کیا قرآن مجید میں کہیں اس کا ذکر ہے کہ: ولدته مریم ولم تتزوج.

(۴) کیا رسول اللہ ﷺ نے کبھی یہ فرمایا ہے کہ مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ کو بغیر نکاح جنا ہے۔

النبی ﷺ وبین أبی بکر رضی اللہ تعالی عنه. لکن سیأتی فی کلام الجزری أنه یدفن بعد عمرؓ، ولعله نظر الی تأخر الدفن باعتبار تأخر زمن الموت أو تکرمة لهذه الأمة وتعظیماً للصحابیین الکریمین أن یکونا بین النبیین العظیمین واللہ سبحانه وتعالی اعلم. (مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الفتن، باب نزول عیسیٰ علیه السلام، الفصل الثالث، ج: ۱۰، ص: ۱۶۶، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۵) یا کبھی یوں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت میں باپ کا کوئی تعلق نہیں۔

اگر ان سب صورتوں کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر بتایا جائے کہ مسلمانوں میں یہ نظریہ کب سے رائج ہے اور سب سے پہلے کس نے اس کا اظہار کیا ہے؟ نیز بغیر نکاح کے حمل کی کیا حقیقت ہے؟

کیا ہر نبی علیہ السلام کا حلال نکاح سے پیدا ہونا لازم تھا؟ جیسا کہ طبرانی میں ارشاد نبوی ہے۔ کہ میرے سلسلہ نسب میں کوئی بھی بغیر نکاح کے پیدا نہیں ہوا ہے، جس قدر بھی انبیاء نبوت سے سرفراز ہوئے سب شریف النسب اور نجیب الطرفین تھے۔

اگر عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اعتقادیات اور ایمانیات سے ہے تو پھر اس کا ثبوت اہلِ فن کے نزدیک متواترات صریحہ سے لازم ہے اور استدلالات پر اس کا ثبوت درست نہیں۔ ہاں عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا ثبوت میرے ذمہ نہیں بلکہ نظام الٰہی میں یہ طے شدہ ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے اور کلام الٰہی میں بھی اصل ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: **یَآیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى**. (سورة الحجرات ۱۳) **وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَنِسَآءً**. (سورة النساء آیت ۱) بچہ میاں بیوی دونوں سے ہوتا ہے صرف احد الزوجین سے نہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وكانت النفحة التي نفحها في درعها فنزلت حتى ولجت فرجها بمنزلة نكاح الابّ الام. (تفسير ابن كثير)

جبریلؑ نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں جو پھونک ماری تھی وہ اس طرح ان کی فرج میں داخل ہوئی جس طرح کا باپ حمل ٹھہرانے کے لیے اس کی ماں سے میل ملاپ کرتا ہے۔

آپ لوگ تو اس عبارت محولہ کو مانتے ہیں جبکہ میں اس سے انکار کرتا ہوں کیونکہ یہ فعل ملائکہ کا نہیں بلکہ شوہر کا ہے، مجھے ہم جنس شریف انسان کو باضابطہ شرعی نکاح سے باپ

ٹھہرانا پسند ہے جبکہ آپ لوگ اس کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق لوگوں نے من گھڑت عقیدے بنا رکھے ہیں، کسی نے بلا نکاح کے باپ ٹھہرایا، کسی نے غیر جنس فرشتے کو باپ ٹھہرایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ باپ کا کوئی منکر نہیں ہم جنس اور نکاح کا انکار ہے، اور یہ سارے عقیدے شریعت کے خلاف ہیں، میں شریعت اسلامیہ کے مطابق ہم جنس مسلمان پاکباز سے نکاح مان کر باپ ٹھہراتا ہوں چاہے، عیسیٰ ہوں یا کوئی دیگر بنی آدم میں سے ہو۔ جو کوئی بھی نبوت سے سرفراز ہوا ہے وہ شریف النسب اور نجیب الطرفین ہے، کسی نبی کا نسب اس کے معاصروں کے نزدیک اندھیرے میں نہیں ہوتا؟

﴿الجواب﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کے ثبوت کے لیے جتنے مقدمات آپ نے بیان کیے ہیں وہ تمام باطل اور استدلالات غلط اور ناقص ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ ہونے کے لیے قرآن مجید کی یہ ایک آیت ہی کافی ہے: وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا. (سورۃ مریم آیت ۲۰) اس میں حرام وحلال دونوں قسم کے جماع کی نفی ہے(۱۸۶)، نیز اس آیت کے سیاق سے خارق العادت طور سے پیدا ہونا بھی ظاہر ہے۔ (فتاوی حقانیہ، ج: ۱، ص: ۱۵۵، ۱۵۶، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)



(۱۸۶): فی الجامع لاحكام القرآن: ﴿قالت انى يكون لى غلام ولم يمسسنى بشر﴾ أى: بنكاح، ﴿ولم اک بغيا﴾ أى: زانية، وذكرت هذا تأكيداً، لأن قولها: لم يمسسنى بشر، يشمل الحلال والحرام. (الجامع لاحكام القرآن، سورة مريم، الآية: ۲۰، ج: ۱۳، ص: ۴۳۰، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

وفى تفسير البغوى: ﴿قالت﴾، مريم: ﴿أنى﴾، من أين، ﴿يكون لى غلام ولم يمسسنى بشر﴾، لم يقربنى زوج، ﴿ولم أک بغيا﴾، فاجرة؟ تريد أن الولد من

عصمت انبیاء اور ذی الکفل کے بارے میں صاحب بحر کی عبارت کی تشریح

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ علامہ ابن نجیم بحر الرائق میں باب احکام المرتدین ص ۱۲۰ جلد میں یہ عبارت لائے ہیں۔" **وبقوله لم تعص الانبياء عليهم السلام حال النبوة وقبلها لرده النصوص** " اور دوسری عبارت ہے" **ولا بانكاره نبوة الخضر و ذی الكفل عليهما السلام لعدم الاجماع على نبوتهما** " یہ جملے کس پر عطف ہیں اور ان کا مفہوم کیا ہے۔ کیا یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے کہ انبیاء علیہم لسلام دوران نبوت اور قبل از نبوت معصیت سے معصوم ہیں؟

(۲) علامہ ابن نجیم کا حنفی فقہاء میں کیا درجہ اور مقام ہے؟

(۳) کیا ذوالکفل علیہ السلام نبی نہیں تھے قرآن مجید میں جس انداز سے ان کا تذکرہ فرمایا گیا ہے اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی تھے۔ تو ان عبارات کا کیا مطلب ہے؟

﴿الجواب﴾:

(۱): **وبقوله لم تعص الانبياء عليهم السلام** الخ معطوف ہے. **ونسبة الى الفواحش** جو کہ قریب تر ہے اور یا معطوف ہے معطوف علیہ معنوی پر اس کلام میں **ويكفر ان اعتقد ان اللّٰه تعالىٰ يرضى بالكفر اى ويكفر باعتقاده ان اللّٰه يرضى باعتقاده ان اللّٰه يرضى بالكفر** جو کہ بعید تر ہے اور صاحب بحر کا یہ کلام واضح المراد ہے۔ کیونکہ نصوص میں ان سے عصیان کا صدور نظم القرآن میں مذکور ہے۔ اور لغت عربی

نكاح أو سفاح، ولم يكن هنا واحد منهما. (تفسير البغوي، سورة مريم، الآية: ۲۰، ج: ۵، ص: ۲۲۳، ط، دار طيبة رياض)

میں عصیان کلی مشکک ہے۔ خطاء فی الاجتہاد اور ترک اولیٰ کوبھی جاتا ہے۔ البتہ ان سے گناہ صغیرہ یا کبیرہ مراد نہیں لئے جائینگے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا قول مختار ہے(۱۸۷)۔

(۱۸۷): فی الجامع لأحکام القرآن: واختلف العلماء فی هذا الباب: هل وقع من الأنبیاء ــ صلوات اللّٰه علیهم أجمعین ــ صغائر من الذنوب یؤاخذون بها، ویعاقبون علیها، أما لا؟ بعد اتفاقهم علی أنهم معصومون من الکبائر، ومن کل رذیلة فیها شین ونقص، أجماعاً عند القاضی أبی بکر. وعند الأستاذ أبی اسحاق أن ذلک مقتضی دلیل المعجزة، وعند المعتزلة أن ذلک مقتضی دلیل العقل علی أصولهم:

فقال الطبری وغیره من الفقهاء والمتکلمین والمحدثین: تقع الصغائر منهم، خلافاً للرافضة حیث قالوا: انهم معصومون من جمیع ذلک، واحتجوا بما وقع من ذلک فی التنزیل، وثبت من تضلهم من ذلک فی الحدیث، وهذا ظاهر لاخفاء فیه.

وقال جمهور من الفقهاء من أصحاب مالک وأبی حنیفة والشافعی: انهم معصومون من الصغائر کلها کعصمتهم من الکبائر أجمعها، لأنا أمرنا باتباعهم فی أفعالهم وآثارهم وسیرهم أمراً مطلقاً من غیر التزام قرینة، فلو جوزنا علیهم الصغائر لم یکن الاقتداء بهم، اذ لیس کل فعل من أفعالهم یتمیز مقصده من القربة والاباحة، أو الحظر أو المعصیة، ولایصح أن یؤمر المرءُ بامتثال أمر لعله معصیة، لاسیما علی من یری تقدیم الفعل علی القول اذا تعارضا من الأصولیین.

قال الأستاذ أبو اسحاق الاسفراینی: واختلفوا فی الصغائر، والذی علیه الأکثر أن ذلک غیر جائز علیهم، وصار بعضهم الی تجویزها، ولا أصل لهذه المقالة. (الجامع لأحکام القرآن، سورة البقرة، الآیة: ۳۵، ج: ۱، ص: ۴۵۸، ۴۵۹، ط، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان)

وفی شرح الفقه الأکبر: (والانبیاء علیهم الصلاة والسلام کلهم) أی الشامل لرسلهم ومشاهیرهم وغیرهم ولهم آدم علیه الصلاة والسلام علی ماثبت بالکتاب والسنة واجماع الامة فما نقل عن بعض من انکار نبوته یکون کفرا....(منزهون)

(۲): یہ امام ابوحنیفہ ثانی ہے۔

أی معصومون (عن الصغائر والكبائر) أی من جميع المعاصی (والكفر) خص لانه أكبر الكبائر ولكونه سبحانه لايغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء.....ثم هذه العصمة ثابتة للأنبياء قبل النبوة وبعدها على الاصح. (شرح الفقه الأكبر، بحث فی أن الانبياء منزهون عن الكبائر والصغائر، ص: ٥٤، ٥٥، ط، دار الكتب العربية الكبرى مصر)

وفی الموسوعة الفقهية: والأنبياء بعد النبوة من الذنوب الظاهرة كالكذب ونحوه، والذنوب الباطنة، كالحسد والكبر والرياء والسمعة وغير ذلك، لأنه ثبت أن الرسول هو المثل الأعلى الذی يجب الاقتداء به فی اعتقاداته وأفعاله وأخلاقه، اذ هو الأسوة الحسنة بشهادة اللّٰه له، الا ما كان من خصائصه بالنص، فوجب أن تكون كل اعتقاداته وأفعاله وأقواله وأخلاقه الاختيارية بعد الرسالة موافقة لطاعة اللّٰه تعالی، ووجب أن لايدخل فی شیء من اعتقاداته وأفعاله وأقواله وأخلاقه معصية اللّٰه تعالی، لأن اللّٰه جلّ شانه: أمر الأمم بالاقتداء برسلهم فقال تعالی: ﴿لقد كان لكم فيهم اسوة حسنة لمن كان يرجو اللّٰه واليوم الآخر﴾ وقال فی حق نبيا صلی اللّٰه تعالی عليه وسلم: ﴿لقد كان لكم فيهم اسوة حسنة لمن كان يرجو اللّٰه واليوم الآخر﴾ فاذا جاز أن يفعل الرسل بعد الرسالة والأمر بالاقتداء بهم المحرمات أو المكروهات أو خلاف الأولی: لكنا مأمورين به، وهو سبحانه لايأمر بمحرم ولا مكروه ولا خلاف الأولی، قال تعالی: ﴿ان اللّٰه لايأمر بالفحشاء﴾، وبذلك يثبت أن الرسل عليهم الصلاة والسلام بعد نبوتهم وبعد الأمر بالاقتداء بهم معصومون عن الوقوع فی المعاصی وهذا ما يسمی: عصمة الرسل.

أما عصمتهم قبل النبوة فقد اختلف فيها، فمنعها قوم، وجوزها آخرون، والصحيح تنزيههم من كل عيب...الخ. (الموسوعة الفقهية، ج: ٣٠، ص: ١٣٧، ١٣٨)

(۳) :سورۃ ص کی آیت اس کے نبی ہونے میں ظاہر ہے(۱۸۸)،صریح نہیں ہے۔قرآن میں ان کو نہ رسول کہا گیا ہے نہ نبی اور نہ ارسلنا وغیرہ الفاظ سے ان کا تذکرہ ہوا ہے۔(فتاوی فریدیہ،ج:۱،ص:۴۷۵،۴۷۶)



حضرت خضرؑ نبی تھے

﴿سوال﴾:

عوام الناس میں حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آپ اللہ کے نبی تھے یا ولی؟ شرعًا ان دونوں میں کون سے قول پر عقیدہ رکھنا چاہئے؟

﴿الجواب﴾:

وفی النبراس: ان الانبیاء معصومون عن الکذب فی التبلیغ وغیرہ خصوصاً فیما یتعلق بامر الشرائع وتبلیغ الاحکام وارشاد الامۃ....وھو انھم معصومون عن الکفر قبل الوحی وبعدہ بالاجماع. (النبراس شرح شرح العقائد، ص: ۲۸۳)

(۱۸۸):قال اللّٰہ تبارک وتعالی: واذکر اسماعیل والیسع وذا الکفل وکل من الاخیار. (سورۃ صٓ: ۴۸)

وفی الجامع لأحکام القرآن تحت ھذہ الآیۃ: ﴿وکل من الأخیار﴾ أی: ممن اختیر للنبوۃ. (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، سورۃ صٓ، الآیۃ: ۴۸، ج: ۱۸، ص: ۲۲٦، ط، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت لبنان)

وفی نظم الدرر تحت ھذہ الآیۃ: ﴿وکل﴾ أی من ھؤلاء المذکورین فی ھذہ السورۃ من الأنبیاء قائمون بحق العبودیۃ فھم من خیار عبادنا من ھؤلاء الثلاثۃ ومن قبلھم. (نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور، سورۃ صٓ، الآیۃ: ۴۸، ج: ۱٦، ص: ۴۰۰)

جمہور علماء امت حضرت خضر علیہ السلام کی نبوّت کے قائل ہیں (۱۸۹) اورآپ کی نبوّت پر قرآن مجید کی چند آیات سے استدلال کرتے ہیں۔

قال العلامة القرطبیؒ: تحت قوله تعالى (وعلمناه من لدنا علما) والأية تشهد بنبوته لان بواطن افعاله لاتكون الا بوحی وایضاً فان الانسان لا یتعلّم ولا یتبع الا من كان فوقه ولیس یجوز ان یكون فوق النبی من لیس بنبی. (تفسیر قرطبی ج ۱۱ص ۶۱)

قرآن مجید میں مذکور آپ کے افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اللہ کے نبی تھے۔ مثلاً بچّے کا قتل کرنا وغیرہ، کیونکہ وحی الٰہی کے بغیر ایسا اقدام جائز نہیں۔

---

(۱۸۹):فی تکملة فتح الملهم: واختلف العلماء أیضاً فی كونه نبیاً. والجمهور على كونه نبیاً، لأن اللّٰه تعالى قال فی خبره مع موسى علیه الصلاة والسلام حكایة عنه: ﴿وما فعلته عن أمری﴾ [الكهف: ۸۲] **وظاهره أنه فعله بأمر اللّٰه، والأصل عدم الواسطة، ویحتمل أن یكون بواسطة نبی آخر لم یذكر، وهو بعید. ولا سبیل الى القول بأنه الهام، لأن ذلك لایكون حجة حتى یعل به ما عمل من قتل النفس وتعریض الأنفس للغرق. وأیضاً، فكیف یكون غیر النبی أعلم من النبی؟ وكیف یكون النبی تابعا لغیر النبی؟.** (تكملة فتح الملهم، كتاب الفضائل، باب فضائل الخضر علیه السلام، ج: ۵، ص: ۳۳، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

وفی الموسوعة الفقهیة: الخضر هو صاحب موسى علیه السلام، وقد ذكرت قصته معه فی سورة الكهف، وهو معدود فی الأنبیاء غیر المجمع على نبوتهم، قال القرطبی: الخضر نبی عند الجمهور، وقیل هو عبد صالح غیر نبی، والآیة۔ یعنی قوله تعالى: ﴿اٰتینٰه رحمة من عندنا وعلمنٰه من لدنا علما﴾ تشهد بنبوته، قال: وقوله تعالى حكایة عنه: ﴿وما فعلته عن امری﴾ یقتضی أنه نبی. (الموسوعة الفقهیة، ج: ۴۰، ص: ۴۲)

قال العلامة الآلوسیؒ: تحت قوله (وآتانی رحمة من عنده) والجمهور علٰی انها الوحی وقد اطلقت علٰی ذٰلک فی مواضع من القرآن. (روح المعانی ج ۱۵ص ۳۲۰)

البتہ اگر کوئی ان کے نبی ہونے کا معتقد نہ ہوتو اس کو کافر نہیں سمجھا جائے گا۔ (فتاوی حقانیہ، ج:۱،ص:۱۴۸، ۱۴۹، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک/ فتاوی دار العلوم وقف دیو بند، ج:۱،ص:۲۸۶، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی/ فتاوی فریدیہ، ج:۱،ص:۶۷/۴/ آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱،ص:۱۶۳، ۱۶۴، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت خضر جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھے، وہ آج کل بھی زندہ ہیں یا نہیں؟ یا یہ ایک منصب ہے، جو اللہ کے بندے کی موت کے بعد دوسرے خضر کو دے دیا جاتا ہے؟ ایک بزرگ نے بتایا کہ وہی زندہ ہیں، مگر سلیم قاسمی نے کہا کہ وہ نہیں ہیں، بلکہ جیسے قطب وابدال ہوتے رہتے ہیں، ایسے ایک کے بعد ایک خضر ہوتے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے تکوینی انتظام یا اللہ جس کی مدد کرانا چاہیں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ جواب تحریر فرمائیں۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضرت خضر علیہ السلام کے دنیا میں موجود ہونے کے بارے میں محدثین ومفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض محدثین نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام دنیا میں موجود ہیں، بلکہ وہ دنیا سے گذر چکے، لیکن جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت خضر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے وہ زندہ ہیں، ہمارے درمیان موجود ہیں۔

جمهور العلماء على أنه حي موجود بين أظهرنا، وذلك متفق عليه عند الصوفية، وأهل الصلاح والمعرفة.

(نووی، کتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر ۲/۲۶۹، فتح الباری، کتاب الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسیٰ عليه السلام، مكتبه دار الريان للتراث بيروت ٦/٥٠٠، دارالفكر ٦/٣٣٤، اشرفيه ديوبند ٦/٥٣٦، رقم: ٣٤٠٠، تفسيرابن كثير ٣/١٣٦، روح المعانی، سورة الكهف: ٦٥، الجزء الخامس عشر، مكتبه زكريا ٩/٤٦٤)

اور ''مستدرک حاکم'' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے وہ حضور ﷺ کے جنازہ میں حضرت خضر علیہ السلام نے شرکت فرمائی۔ اور اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"نعم هذا أخو رسول الله ﷺ الخضر عليه السلام".

(المستدرك، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز ٥/١٦٥٩، رقم: ٤٣٩٢، روح المعانی، سورة الكهف، ٦٥، الجزء الخامس عشر، مكتبه زكريا ٩/٤٦٥)

اور ''جمع الفوائد'' میں ہے:

لما قبض النبي ﷺ وقعد أصحابه حزانا يبكون حوله، فجاء رجل طويل صبيح - الى - فقال أبوبكر: هذا الخضر أخ النبي ﷺ. الحديث (جمع الفوائد ١/٢٤١، رقم ٢٦٣٧، ومثله فی دلائل النبوة للبيهقی ٧/٢٦٩)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اب بھی دنیا میں زندہ ہیں، اور ہمارے درمیان موجود ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیہ، ج:۲، ص:۱۷۵،

۱۷۶، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند/ امداد الفتاوی، ج:۱۰، ص:۳۳۵، ط، زکریا بک ڈپو الہند/ فتاوی محمودیہ، ج:۱، ص:۴۴۴ تا ۴۴۶/ فتاوی حقانیہ، ج:۲، ص:۱۵۰، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک/ آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱، ص:۱۶۴، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی/ نجم الفتاوی، ج:۱، ص:۲۳۴)



حیاتِ حضرت خضرؑ کا عقیدہ

﴿سوال﴾:

حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں؟ ان دونوں میں کونسا عقیدہ شریعت سے موافق ہے؟

﴿الجواب﴾:

حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ یا انتقال کے ساتھ کوئی شرعی عقیدہ وابستہ نہیں ہے، اگر کوئی دلائل کی رو سے ان کی حیات کا قائل ہو جائے تو اس کے عقیدہ اسلام پر کوئی آنچ نہیں آتی اور جو کوئی وفات کا قائل ہو تب بھی وہ مسلمان ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کے ساتھ کوئی شرعی عقیدہ متعلق نہیں ہے اس لیے کسی پر نکیر نہیں کرنی چاہئے (۱۹۰)۔ تاہم ان

(۱۹۰): فی الفتح: واختلفوا أيضاً: هل هو حي أو مات؟ فذهبت جماعة من العلماء الى أنه أعطى عمراً طويلاً، وهو حي الى اليوم ولكنه محجوب عن الأبصار، ويبقى حياً الى خروج الدجال، قال النوويؒ: جمهور العلماء على أنه حي موجود بين أظهرنا وذلك متفق عليه عند الصوفية وأهل الصلاح والمعرفة، وحكاياتهم فى رؤيته والاجتماع به، والأخذ عنه، وسؤاله وجوابه ووجوده فى المواضع الشريفة ومواطن الخير أكثر من أن يحصر وأشهر من أن يستر، وقال الشيخ أبو عمر ابن الصلاح: هو حي عند جماهير العلماء والصالحين والعامة معهم فى ذلك. قال: وانما شذ بانكاره بعض المحدثين وخالفهم الآخرون، فقالوا: انه قد مات، واستدلوا

دونوں میں احوط یہ ہے کہ لمافی بحر المحیط: والجمهور علىٰ انه مات (ج ٦ ص ۱۴۷) اور جن بزرگوں کے ساتھ ان کی ملاقات ثابت ہے تو اس کے بارے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

على ذلک بقوله تعالیٰ: ﴿وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد﴾ [سورة الأنبياء، الآية: ۳۴] وأجاب عنه الأولون بأن العمر الطويل ليس من الخلد. وروى عن الامام البخارى رحمه الله تعالى أنه سئل عن حياة الخضر، فأنكر ذلک واستدل بالحديث "أن على رأس مائة سنة لايبقى على وجه الأرض ممن هو عليها أحد"، وهو حديث أخبرجه البخارى فى الصحيح عن ابن عمرؓ. وأجاب عنه الأولون بأن المراد فناء من يشاهد العامة وجوده على وجه الأرض، وليس الخضر عليه السلام منهم وكذلک استدل القائلون بموته بالحديث النبوى المرفوع: "لو كان موسى حياً ما وسعه الا اتباعى" فلو كان الخضر حياً لجاء الى رسول اللهﷺ وآمن به واتبعه، ولم يثبت ذلک. وأجاب عنه الأولون بأن الايمان بهﷺ لا يتوقف على المجىء اليه، ثم لم يثبت عندم مجيئه أيضاً، ولايلزم من عدم ثبوت المجىء ثبوت عدم المجىء. واستدل القائلون بحياته بروايات أخرى وقصص مروية عن كثير من العلماء والأولياء أنهم لقيهم الخضر عليه السلام.

وقد أطال الحافظ ابن حجر فى الاصابة (۱: ۴۲۸ الى ۴۴۷) فى ترجمة الخضر عليه السلام، واستوعب فيها الروايات التى تدل على حياته، وليس فيها ما يثبت اسناده بطريق صحيح. وأحسن ما ورد فى ذلک ما رواه يعقوب بن سفيان فى تاريخه، و أبوعروة بن رباح بن عبيدة قال: رأيت رجلا يماشى عمر بن عبدالعزيز معتمداً على يديه فلما انصرف، قلت له: من الرجل؟ قال: رأيته؟ قلت: نعم. قال: أحسبک رجلاً صالحاً، ذاک أخى الخضر، بشرنى أنى سأولى وأعدل، ذكره الحافظ فى الفتح (٦: ۴۳۵)، و قال لابأس برجاله، ولم يقع لى الى الآن خبر ولا أثر بسند جيد غيره.

وبالجملة، فلم يثبت فى القرآن ولا فى السنة دليل يجزم به على حياته أو

عن المجد د الف ثانیؒ: فانه حین سئل عن حیوٰة الخضر علیه السلام ووفاته توجه الی ا للّٰه سبحانه مستعلما من جنابه عن هذا الامر فرأی الخضر علیه السلام حاضراً عنده فسئاله عن حاله فقال انا والیاس لسنا من الاحیاء لکن اللّٰه سبحانه اعطیٰ لأرواحنا قوة نتجسد بها ونفعل بها افعال الاحیاء من ارشاد الضال واغاثة الملهوف اذا شاء اللّٰه و تعلم العلم اللدنی. (تفسیر المظهری ج ٦ص ٦٢ سورة الکهف) (۱۹۱)۔(فتاوی حقانیه، ج: ۱، ص: ١٦٤، ١٦٥،ط، مکتبه سید احمد شهید اکوڑہ خٹك)



موته، فلیست المسألة مسألة العقیدة، وانما هی مسألة ثبوت واقعة وعدم ثبوتها، ومسألة مشاهدة وتجربة، والسبیل الأسلم فی مثلها التوقف والسکوت، حتی یتضح أحد الجانبین بدلیل منقول، أو بمشاهدة، واللّٰه سبحانه وتعالی أعلم. (تکملة فتح الملهم بشرح صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر علیه السلام، ج: ٥، ص: ٣٣، ٣٤، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

(۱۹۱):(تفسیر البحر المحیط، سورة الکهف، الآیة: ٦٥، ج: ٦، ص: ١٣٩، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

حضرت خضر علیہ السلام کے جملے پر اشکال؟

﴿سوال﴾:

حضرت خضر علیہ السلام کیا زندہ ہیں؟

﴿جواب﴾:

حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا نہیں؟ اس میں قدیم زمانے سے شدید اختلاف چلا آتا ہے، مگر چونکہ کوئی عقیدہ یا عمل اس بحث پر موقوف نہیں، اس لئے اس میں بحث کرنا غیر ضروری ہے۔

﴿سوال﴾:

آج کل لوگ نئے طریقے سے مصافحہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص خضر ہو، کیونکہ ان کے ہاتھ میں انگوٹھے کی ہڈی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟ نیز اس نئے طریقے سے مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾:

حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے میں اختلاف ہے، محدثین اس کا انکار کرتے ہیں اور صوفیہ شد و مد سے اس کے قائل ہیں (۱۹۲)۔ مصافحہ کا نیا طریقہ مجھے معلوم نہیں۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱، ص:۱۶۴، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۱۹۲): فی الکوکب: واختلفوا أیضاً هل هو حی أو مات؟ فذهبت جماعة من العلماء الی أنه أعطی عمراً طویلاً وهو حی الی الیوم ولکنه محجوب عن الأبصار ویبقی حیاً الی خروج الدجال، قال النووی: جمهور العلماء علی أنه حی موجود بین أظهرنا، وأنکر ذلک بعض المحدثین وقالوا: انه مات.

وبالجملة فلم یثبت فی القرآن ولا فی السنة دلیل یعتمد علیه فی حیاته أو

حضرت خضرؑ کو فرشتہ تسلیم کرنے کی نفی اور انسان ماننے کی صورت میں اشکالات کا جواب

﴿سوال﴾:

حضرت خضر علیہ السلام کو انسان تسلیم کرنے کی صورت میں ایک الجھن پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ جو تین کام انہوں نے کئے ان میں سے پہلے دو کام احکام شریعت سے متصادم ہیں۔ یہ تو درست ہے کہ انہوں نے یہ کام اللہ کے حکم سے کئے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان احکام کی جو حضرت خضر علیہ السلام کو دیئے گئے نوعیت کیا تھی؟ ظاہر ہے کہ یہ تشریعی احکام تو نہ تھے کیونکہ یہ کام کسی شریعت میں بھی جائز نہیں رہے۔ اگر یہ احکام تکوینی تھے تو ان کے مخاطب صرف فرشتے ہوتے ہیں۔

کسی انسان کے لئے یہ گنجائش نہیں کہ وہ حکم شرعی کے خلاف کرے۔ خواہ اسے الہام کے ذریعے اس خلاف شرع کی مصلحت بھی بتادی گئی ہو۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس پر علماء شریعت اور اکابر صوفیاء سب متفق ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسیؒ نے تفصیل کے ساتھ عبدالوہاب شعرانی، محی الدین ابن عربی، مجدد الف ثانی، شیخ عبدالقادر جیلانی، جنید بغدادی سری سقطی، ابوالحسن نوری، ابوسعید الخزار، ابوالعباس احمد الدنیوری، اور امام غزالیؒ جیسے نامور بزرگوں کے اقوال نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اہل تصوف کے نزدیک بھی کسی ایسے الہام پر عمل کرنا جائز نہیں جو کہ نص شرعی کے خلاف ہو۔ (روح المعانی: ج۱۶: ص۱۶)

موته وليست المسألة من العقائد التي يجب الاهتمام بها والبحث عن أدلتها والاشتغال بها ضياع زمن فيما لا ينبغي ولا يعتني به والمطلوب التوقف والسكوت عنها لأنها ليست مما يجب علينا البحث عنها. (الكوكب الوهاج والروض البهاج في شرح صحيح مسلم بن الحجاج، كتاب الفضائل، باب فضائل الخضر عليه السلام، ج: ۲۳، ص: ۳۲۱، ط، دار المنهاج جدة السعودية)

اگر قرآن میں بلفظ صریح آجاتا کہ خضر انسان تھے تو ہم مان لیتے کہ وہ انسان ہوتے ہوئے اس ضابطہ سے مستثنیٰ تھے۔ مگر قرآن میں صرف "عَبۡدًا مِنۡ عِبَادِنَا" کے لفظ ہیں جو کہ انسان ہونے کو مستلزم نہیں ہیں۔

حدیث میں بھی کوئی ایسا صریح ارشاد موجود نہیں جس سے حضرت خضر کو نسل انسانی کا فرد قرار دیا گیا ہو۔ اس باب میں مستند ترین روایات وہ میں جو عن سعید بن جبیر عن ابن عباس عن ابی بن کعب عن رسول اللّٰہ کی سند سے ائمہ حدیث کو پہنچی ہیں۔

ان میں حضرت خضر کے لئے رجل کا ذکر آیا ہے مگر یہ بھی انسانوں کے لئے مخصوص نہیں۔ خود قرآن میں یہ لفظ جنوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ سورۂ جن میں ہے۔

وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ يَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ الآية .

اور بھی ظاہر ہے کہ جن یا فرشتہ یا کوئی غیر مرئی وجود جب انسانوں کی شکل میں آئے تو اسے انسان ہی کہا جائے گا جیسے سورۂ مریم میں ہے۔ "فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا".

الحاصل اس پیچیدگی کو رفع کرنے کے لئے ایک ہی صورت ہے۔ کہ خضر علیہ السلام کو انسان نہ مانیں، بلکہ فرشتوں میں سے، یا اللہ کی کسی اور مخلوق سے سمجھیں۔ متقدمین میں سے بھی بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے جسے ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ماوردی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ آپ علمی تحقیق سے میرا خلجان دور فرمائیں۔ اور حضرت خضر کی صحیح پوزیشن واضح فرمائیں۔

﴿الجواب﴾:

جمہور علماء سلف کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے (۱۹۳) اور ان کی شریعت

---

(۱۹۳): فی تکملة فتح الملهم: واختلف العلماء أيضاً فی كونه نبيناً. والجمهور على كونه نبياً، لأن اللّٰه تعالى قال فی خبره مع موسى عليه الصلاة والسلام حكاية عنه: ﴿وما فعلته عن أمری﴾ [الكهف: ۸۲] وظاهره أنه فعله بأمر اللّٰه، والأصل عدم الواسطة، ويحتمل أن يكون بواسطة نبی آخر لم يذكر، وهو

کا زیادہ تعلق حقائق باطنہ شرعیہ سے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام علیٰ ہذا اکثر انبیاء علیہم السلام کے شرائع کا تعلق احکام ظاہر سے تھا۔ خضر علیہ السلام کے وہ افعال بھی من عند اللہ شریعت تھی۔ اور وہی منزل تھی۔ اسی واسطے جب خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِیْ تو موسیٰ علیہ السلام نے انکار نہیں فرمایا۔

قد نص العلماء على ان غالب الانبياء انما بعثوا ليحكموا بالظاهر دون مايطلعوا عليه من بواطن ألامور وحقائقها وبعث الخضر ليحكم عليه من بواطن الامور وحقائقها اهـ

وفى تفسير ابن حبان والجمهور على ان الخضر نبى وكان علمه معرفة بوأطن أمور اوحيت اليه اهـ. (روح البيان: ج ٥: ٢٨١)

خضر علیہ السلام کو ملائکہ سے شمار کرنا قول ضعیف وغریب ہے۔ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں۔

واغرب ما قيل انه من الملائكة. والصحيح انه نبى

بعيد. ولاسبيل الى القول بأنه الهام، لأن ذلك لايكون حجة حتى يعل به ما عمل من قتل النفس وتعريض الأنفس للغرق. وأيضاً، فكيف يكون غير النبى أعلم من النبى؟ وكيف يكون النبى تابعا لغير النبى؟. (تكملة فتح الملهم، كتاب الفضائل، باب فضائل الخضر عيه السلام، ج: ٥، ص: ٣٣، ط، دار احياء التراث العربى بيروت لبنان)

وفى الموسوعة الفقهية: الخضر هو صاحب موسى عليه السلام، وقد ذكرت قصته معه فى سورة الكهف، وهو معدود فى الأنبياء غير المجمع على نبوتهم، قال القرطبى: الخضر نبى عند الجمهور، وقيل هو عبد صالح غير نبى، والآية۔ يعنى قوله تعالىٰ: ﴿اتينٰه رحمة من عدنا وعلمنٰه من لدنا علما﴾ تشهد بنبوته، قال: وقوله تعالىٰ حكاية عنه: ﴿وما فعلته عن امرى﴾ يقتضى أنه نبى. (الموسوعة الفقهية، ج: ٤٠، ص: ٤٢)

وجزم به جماعة وقال الثعلبی هو نبی علی جمیع الاقول معمر محجوب عن الابصار وصححه ابن الجوزی ایضا فی کتابه اهـ. (عمدة القاری: ج ۱: ص ٤٤٧) فقط واللہ اعلم۔(خیر الفتاوی، ج:۱،ص:۳۲۴،ط،مکتبہ امدادیہ ملتان)



حضرت لقمان علیہ السلام پیغمبر تھے یا نہیں؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل سوال کے بارے میں کہ حضرت لقمان حکیم پیغمبر تھے یا نہیں؟ ہم چند ساتھیوں کا اس میں اختلاف ہے آپ ہماری رہنمائی فرمائیں کہ ہمیں انکے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہئے؟

﴿الجواب﴾:

جمہور کا موقف یہ ہے کہ حضرت لقمان حکیم رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نیک، صالح بندے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپکو علم وحکمت جیسی عظیم نعمت سے نوازا تھا لیکن آپ نبی نہیں تھے (۱۹۴)، اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء کا تذکرہ قرآن میں کیا ہے، ہمارے لئے ان پر تفصیلی ایمان رکھنا اور جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے ان پر اجمالی ایمان رکھنا کہ جن کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خواہ وہ کسی بھی زمانے میں مبعوث ہوئے ہوں ہمارا ان پر ایمان ضروری ہے اور بس، باقی جن کی نبوت قطعی طور پر ثابت نہیں ہے اور خود اہل علم کا انکی نبوت کے بارے میں اختلاف ہے، ان کے بارے میں بحث کرنا اور خواہ مخواہ اپنے قیمتی وقت کو

---

(۱۹۴): فی الموسوعة الفقهية: لقمان هو المذکور فی السورة المسماة باسمه، وقد قال بنبوته بعض العلماء، قال ابن کثیر: کان جمهور السلف علی أنه لم یکن نبیاً، وانما ینقل کونه نبیاً عن عکرمة. (الموسوعة الفقهية، ج: ٤٠، ص: ٤٣)

ضائع کرنا انتہائی افسوس ناک اور غیر مناسب عمل ہے آج کل کے نوجوانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اُن کو فرائض وواجبات تک کا علم تو نہیں ہوتا اور نہ ہی معلوم کرنے کے لئے ان کو فرصت ہوتی ہے لیکن فضول بحث ومباحثہ ان کا بہترین مشغلہ بن گیا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ اسی المیہ پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لما فی الشامی: (۶/۷۵۴، طبع سعید)

[تتمہ] یکرہ الجدل فی ان لقمان وذالقرنین وذالکفل انبیاء ام لا؟ وینبغی ان لایسأل الانسان عما لا حاجة الیه کان یقول کیف هبط جبریل وعلٰی ای صورة رآه النبیﷺ؟ وحین رآه هل بقی ملکا ام لا؟ واین الجنة والنار ومتی الساعة ونزول عیسی؟ واسماعیل افضل ام اسحاق وایهما الذبیح؟ وفاطمة افضل من عائشة ام لا؟ و ابو النبی صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم کانا علی ای دین؟ وما دین ای ابی طالب ومن المهدی الی غیر ذلک مما لاتجب معرفته ولم یرد التکلیف به.

ولما فی المظهری: (۷/۲۵۳، طبع رشیدیه)

قال البغوی اتفق العلماء علی انه کان حکیما ای فقیها علیما ولم یکن نبیا الا عکرمة فانه قال کان نبیا وتفرد بهذا القول.

ولما فی تفسیر ابن کثیر: (۶/۲۹۸، طبع بیروت)

اختلف السلف فی لقمان: هل کان نبیا او عبدا صالحا من غیر نبوة؟ علی قولین الاکثرون علی الثانی. واللّٰه اعلم. (فتاوی عباد الرحمن، ج: ۱، ص: ۶۹، ۷۰، ط،

ایجوکیشنل پریس کراچی)



ذوالقرنین کون تھا؟

﴿سوال﴾:

قرآن کریم میں ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے، یہ شخص کون تھا؟

﴿الجواب﴾:

ذوالقرنین کے متعلق قرآن کریم میں جو وضاحت ہے وہ صرف اتنی ہے کہ وہ ایک نیک اور عادل بادشاہ تھا جس نے مشرق ومغرب میں پہنچ کر ان ممالک کو فتح کیا اور ان میں عدل وانصاف کی حکومت قائم کی، اس مہم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قسم کا سامان اور ضروریات اس کو عطا کیے گئے تھے، اس نے فتوحات کرتے ہوئے مختلف اطراف کے اسفار کیے، جن میں مشرق اقصیٰ، مغرب اقصیٰ اور شمالی کوہستان کے ممالک شامل ہیں، اس سفر کے دوران اس نے دو پہاڑوں کے درمیان درے آہنی دیوار سے بند کردیا جہاں سے یاجوج ماجوج نکل کر وہاں کے باشندوں کو تکالیف پہنچاتے اور ہراساں کرتے تھے۔ چونکہ قرآن کریم کا نزول ضروریات کے مطابق ہوتا تھا اس لیے حضور ﷺ سے اس وقت جو سوال ہوا تھا اس کے سائلین کی تشفی مذکورہ جواب سے ہوگئی تھی، اس لیے قرآن مجید میں ذوالقرنین کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی ذخیرۂ احادیث میں اس کے بارے میں کوئی خاص ذکر ملتا ہے، البتہ اس بارے میں تاریخی اور اسرائیلی روایات ملتی ہیں، لیکن چونکہ ذوالقرنین کی تعیّن کے بارے میں تاریخی روایات مختلف ہیں اس لیے چند اقوال ملاحظہ ہوں:

(۱) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد اسکندر مقدونی یونانی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً سو سال پہلے گذرا ہے، اور اسی کو علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے۔

لما قال: والاقرب عندی لالزام اھل الملل والنحل......اختیار انه الاسکندر بن فیلفوس غالب دار. الخ. (روح المعانی ج ١٦ ص ٣٠ سورۂ کھف آیت ٨٤)

(۲) اسی طرح امام رازیؒ نے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے اسی قول کوذکرکرکے اس پر دلائل پیش کیے ہیں، اوراخیر میں کہتے ہیں: **والقول الاوّل اظهر لما ذکرنا. الخ** .(تفسیر کبیر ج٢١ ص ١٦٥ سورۂ کھف آیت ٨٤)

لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے اس قول کی بڑی سختی سے تردید کی ہے اسکندرمقدونی کافرو مشرک تھااورحکیم ارسطواس کا استاد تھااور جس شخص کا ذکرقرآن کریم میں آیا وہ اتفاقاً مومن تھا، بلکہ بعض کے نزدیک تو نبی تھا،لہٰذااس کواسکندرمقدونی کہنا غلط ہے(۱۹۵)۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: **البدایة والنهایة ج ۲ ص ۹۷ خبر ذوالقرنین**)

---

(۱۹۵):في البداية: وقال اسحاق بن بشر عن سعيد بن بشير عن قتادة قال اسكندر هو ذوالقرنين وأبوه أول القياصرة وكان من ولد سام بن نوح عليه السلام. فاما ذوالقرنين الثانى فهو اسكندر بن فيلبس بن مصريم بن هرمس بن ميطون بن رومى بن لنطى بن يونان بن يافث ابن يونة بن شرخون بن رومة بن شرفط بن توفيل بن رومى بن الاصفر بن يقز بن العيص بن اسحاق ابن ابراهيم الخليل كذا نسبه الحافظ ابن عساكر فى تاريخه. المقدونى اليونانى المصرى بانى اسكندرية الذى يؤرخ بأيامه الروم وكان متأخراً عن الاول بدهر طويل كان هذا قبل المسيح بنحو من ثلاثمائة سنة وكان ارطاطاليس الفيلسوف وزيره وهو الذى قتل دارا بن دارا وأذل ملوك الفرس وأوطأ أرضهم وانما نبهنا عليه لأن كثيراً من الناس يعتقد أنهما واحد وان المذكور فى القرآن هو الذى كان ارطاطاليس وزيره فيقع بسبب ذلك خطأ كبير وفساد عريض طويل كثير فان الأول كان عبداً مؤمناً صالحاً وملكاً عادلاً وكان وزيره الخضر وقد كان نبياً على ما قررناه قبل هذا. وأما الثانى فكان مشركاً وكان وزيره فيلسوفاً وقد كان بين زمانيهما أزيد من الفى سنة. فأين هذا من هذا

(۳) بعض مؤرخین اور مفسرین کے نزدیک ذوالقرنین سے مراد ابوکرب شمرّ بن عُبیر حمیری تھا، اور وہ اس پر بنوحمیر کے شعراء کے قصائد سے استدلال کرتے ہیں جن میں ذوالقرنین کی تعریف کی گئی ہے، اسی قول کو ابوریحان بیروتی نے ترجیح دی ہے(۱۹۶)۔ (تفسیر کبیر، روح المعانی)

لایستویان ولایشتبهان الا علی غبی لایعرف حقائق الامور. (البداية والنهاية، خبر ذی القرنين، ج: ٢، ص: ١٠٥، ١٠٦، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

(١٩٦): فی تفسير الكبير: قال أبو الريحان الهروى المنجم فی كتابه الذی سماه بالآثار الباقية عن الفرون الخالية، قيل ان ذا القرنين هو أبو كرب شمر بن عبير بن أفريقش الحميرى فانه بلغ ملكه مشارق الأرض ومغاربها وهو الذی افتخر به أحد الشعراء من حمير حيث قال:

قد كان ذو القرنين قبلی مسلما ... ملكا علا فی الأرض غير مفندی

بلغ المشارق والمغارب يبتعی ... أسباب ملک من كريم سيد

ثم قال أبو ريحان ويشبه أن يكون هذا القول أقرب لأن الأذوا كانوا من اليمن وهم الذين لاتخلوا أساميهم ن ذی كذا كذی النادی وذی نواس وذی النون وغير ذلک. (مفاتيح الغيب، سورة الكهف، الآية: ٨٣، ج: ٢١، ص: ١٦٥، ط، دار الكفر)

وفی روح المعانی: وذكر أبو ريحان البيروتی المنجم فی كتابه المسمی بالآثار الباقية عن القرون الخالية أن ذا القرنين هو أبو كرب سمی بن عمر بن أفريقيس الحميری وهو الذی افتخر به تبع اليمانی حيث قال:

قد كان ذو الفرنين جدی مسلما ... ملكا علا فی الأرض غير مفند

بلغ المغارب والمشارق يبتغی ... أسباب ملک من حكيم مرشد

فرأی مغيب الشمس عند غروبها ... فی عين ذی خلب وثأط حرمد

ثم قال: ويشبه أن يكون هذا القول أقرب لأن الأدواء كانوا من اليمن كذی المنار وذی نواس وذی رعين وذی يزن وذی جدن، واختار هذا القول كاتب جلبی.

(۴) اور اکثر متقدمین کے نزدیک ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا، حج کے موسم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کی ملاقات ہوئی اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر یا مشیر تھے (۱۹۷)۔

(روح المعانی، سورة الكهف، الآية: ٨٣، ج: ١٦، ص: ٢٧، ط، دار احياء التراث العربی بيروت لبنان)

(۱۹۷): فی تفسير القرطبی: واختلفوا أيضاً فی وقت زمانه، فقال قوم: كان بعد موسى. وقال قوم: كان فی الفترة بعد عيسىٰ. وقيل: كان فی وقت ابراهيم واسماعيل، وكان الخضر عليه السلام صاحب لوائه الأعظم. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبی، سورة الكهف، الآية: ٨٣، ج: ١٣، ص: ٨٣، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

وفی روح المعانی: وذكر أنه كان فی عصر ابراهيم عليه السلام وأنه اجتمع معه فی مكة المكرمة وتعانقا....والى كون ذی القرنين فی زمان ابراهيم عليه السلام ذهب غير واحد، وقد ذكر الأزرقی أنه أسلم على يده عليه السلام وطاف معه بالكعبة وكان ثالثهما اسماعيل عليه السلام، وروى أنه حج ماشيا فلما سمع ابراهيم عليه السلام بقدومه تلقاه ودعا له وأوصاه بوصايا، وقيل: أتى بفرس ليركب فقال: لا أركب فی بلد فيه الخليل فعند ذلك سخر له السحاب ومد له فی الأسباب وبشره ابراهيم عليه السلام بذلك فكانت السحابة تحمله وعسا كره وجميع آلتهم اذا أرادوا غزو قوم..الخ. (روح المعانی، سورة الكهف، الآية: ٨٣، ج: ١٦، ص: ٢٧، ط، دار احياء التراث العربی بيروت لبنان)

وفی الدرالمنثور: وأخرج أبو الشيخ، وابن مردويه، عن عبيد بن عمير، أن ذا القرنين حج ماشيا، فسمع به ابراهيم فتلقاه. (الدرالمنثور فی التفسير بالمأثور، سورة الكهف، الآية: ٨٣، ج: ٩، ص: ٦٣٩)

وفيه أيضاً: وأخرج ابن عساكر عن سليمان الأشج صاحب كعب الأحبار، أن ذا القرنين كان رجلا طوافا صالحا، فلما وقف على جبل آدم الذی هبط عليه، ونظر الى أثره هاله، فقال له الخضرؑ، وكان صاحب لوائه الأكبر...الخ. (الدرالمنثور فی

(۵) جدید دور کے محققین اور تاریخ القرآن کے ماہرین مثلاً مولانا حفظ الرحمٰنؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ وغیرہ کا مؤقف یہی ہے کہ قرآن مذکور ذوالقرنین سے مراد فارس کا وہ بادشاہ ہے جسے یہود خورس،، یونانی سائرس، فارسی گورش، اور عرب کیخسرو کہتے ہیں۔ اس پروہ قرآن کریم سے اور تاریخی شواہد اور اسرائیل روایات سے دلائل قائم کرتے ہیں۔
(فتاوی حقانیہ، ج:۲، ص:۱۵۱، ۱۵۲، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)



کیا عورت نبیہ ہوسکتی ہے؟ حضرت مریم علیہا السلام نبیہ تھیں یا نہیں؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے متعلق کہ:

(۱) کیا عورت نبی ہوسکتی ہے؟

(۲) کیا حضرت مریم علیہا السلام نبی تھیں؟

(۳) کیا ابن حزمؒ عورتوں کے نبی ہونے کے قائل تھے؟ اس باب میں جمہور کی رائے کیا ہے؟

(۴) کسی عورت کے پاس وحی آئی ہو، تو کیا اس سے ان کی نبوت ثابت ہوتی ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

(۱) حضرت مریم علیہا السلام نبی تھیں یا نہیں، اس بارے میں بحث وکلام عہد صحابہؓ وتابعینؒ کے بعد ہوا (۱۹۸)۔ مفسرین کرام اور محدثین عظام میں اختلاف رہا ہے، کچھ لوگ

التفسیر بالمأثور، سورة الکھف، الایة: ۸۳، ج: ۹، ص: ٦٣٦)

(۱۹۸): **فی فتح الباری: وذکر ابن حزم فی الملل والنحل: أن هذه المسألة لم یحدث التنازع فیها الا فی عصره بقرطبة.** (فتح الباری بشرح صحیح البخاری، کتاب أحادیث الانبیاء، باب قول الله عزوجل: ﴿وضرب الله مثلا﴾ الی قوله ﴿وکانت

حضرت مریم علیہا السلام کی نبوت کے قائل ہیں۔

حضرت امام نوویؒ اور ملا علی قاریؒ نے بعض علماء سے حضرت مریم علیہا السلام کی عدم نبوت پر اجماع نقل کیا ہے(۱۹۹)۔ لیکن دیگر مفسرین اور شراح حدیث نے اس اجماع کے نقل کرنے کو قابل اشکال قرار دیا ہے(۲۰۰)۔

من القانتين﴾، ج: ٦، ص: ٥١٦)

(۱۹۹): فی المنهاج: وقد نقل جماعة الاجماع على عدمها، والله أعلم.

(المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المعروف بـ حاشية النووى، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل خديجة، ج: ٢، ص: ٢٨٤، ط، صداقت كتب خانه كندهار افغانستان)

وفى المرقات: قال الحافظ ابن حجرؒ: استدل بهذا الحصر على أنهما نبيتان لأن أكمل الانسان الأنبياء ثم الأولياء والصديقون والشهداء. فلو كانتا غير نبيتين للزم أن لايكون فى النساء ولية ولا صديقة ولاشهيدة غيرهما. وقال الكرمانى: لايلزم من لفظ الكمال ثبوت نبوتهما، لأنه يطلق لتمام الشىء وتناهيه فى بابه. فالمراد ببلوغهما اليه فى جميع الفضائل التى للنساء. قلت: لايخفى أن هذا المقال لايندفع به الاشكال، الا أن يقال: لايلزم من كمال المرأة أكمليتها حتى تلزم النبوة، بل يكفى لحصول الكمال وصولها للولاية. ففائدة ذكرهما بطريق الحصر اختصاصهما بكمال لم يشركهما فيه أحد من نساء زمانهما، أو من نساء الأمم المتقدمة، أو مطلقاً غير مقيد. وذلک لما نقل العلماء من الاجماع على عدم نبوة النساء ولما يدل عليه قوله تعالى: ﴿وما أرسلناک من قبلک الا رجالا﴾ [يوسف: ١٠٩]۔ (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب بدء الخلق وذكر الأنبياء، الفصل الأول، ج: ١٠، ص: ٤٠١، ٤٠٢، رقم: ٥٧٢٤، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲۰۰): فى روح المعانى: ومن الناس من استدل على عدم استنباء النساء

بہر حال حضرت مریم علیہا السلام کی نبوّت کے قائلین کی دلیل درج ذیل آیت کریمہ ہے:

(۱) وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ (۲۰۱).

اس آیت کریمہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام پر وحی آئی ہے اور یہ نبوّت کی دلیل ہے۔

(۲) ان حضرات کی دوسری دلیل یہ حدیث پاک ہے:

عن أبی موسی رضی اللّٰہ عنہ، قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: " کمل من الرجال کثیر، ولم یکمل من النساء: الا آسیۃ امرأۃ فرعون، ومریم بنت عمران، وان فضل عائشۃ علی النسا کفضل الثرید علی سائر الطعام"(۲۰۲).

حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مردوں میں بہت سے لوگ درجۂ کمال کو پہنچے، اور عورتوں میں سے سوائے فرعون کی

بالاجماع وبقولہ تعالی: ﴿وما أرسلنا قبلک الا رجالا﴾ ولایخفی ما فیہ، أما أولا فلان حکایۃ الاجماع فی غایۃ الغرابۃ فان الخلاف فی نبوۃ نسوۃ کحواء، وآسیۃ، وأم موسی، وسارۃ، وھاجر، ومریم موجود خصوصاً مریم فان القول بنبوتھا شھیر، بل مال الشیخ تقی الدین السبکی فی الحلبیات. وابن السید الی ترجیحہ، وذکر أن ذکرھا مع الأنبیاء فی سورتھم قرینۃ قویۃ لذلک. (روح المعانی، سورۃ آل عمران، الآیۃ: ۴۲، ج: ۳، ص: ۱۵۴، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

(۲۰۱): (سورۃ آل عمران: ۴۲)

(۲۰۲): (صحیح البخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وضرب اللّٰہ مثلاً للذین آمنوا امرأۃ فرعون﴾ الی قولہ: ﴿وکانت من القانتین﴾ [التحریم: ۱۱، ۱۲]، ص: ۷۰۱، رقم: ۳۴۱۱، ط، دار السلام ریاض)

بیوی آسیہ اور حضرت عمران کی بیٹی حضرت مریم کے علاوہ کوئی کمال کو نہیں پہنچیں، اور عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسی کہ ثرید کی فضیلت بقیہ کھانوں پر۔

حضرت مریم علیہا السلام کی نبوّت کے اثبات میں علامہ ابو عبد اللہ القرطبیؒ (صاحب تفسیر الجامع لاحکام القرآن معروف بہ تفسیر قرطبی) پیش پیش ہیں، اس لیے ابو محمد علی بن احمد القرطبی الظاہری معروف بہ ابن حزم ظاہریؒ بھی یہ مذہب رکھتے ہوں تو بعید نہیں۔ علامہ قرطبیؒ کے پیش پیش ہونے کی وجہ فتح الباری شرح بخاری سے معلوم ہوتی ہے کہ یہ مسئلہ ان کے زمانہ میں ظہور پذیر ہوا (٢٠٣)۔ اور ابن حزمؒ کا رجحان بھی اس باب میں نبوّت کی طرف ہے۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ صور پھونکے جانے یعنی قیامت تک کی سبھی عورتوں پر حضرت مریم علیہا السلام کو برگزیدہ بنایا، پھر مذکورۂ بالا حدیث کو بہ طریق مسلم ذکر فرما کر رقم طراز ہیں کہ ”کمال کے معنیٰ کسی شئے کا اپنی نہایت اور حد کو پہنچ کر پورا ہو جانا ہے“، کمال مطلق تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ثابت ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ بنی نوع انسان میں اکمل، انبیاء پھر اولیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، تو حدیث شریف میں حضرت مریم علیہا السلام کی جانب جو کمال منسوب ہے، اس سے نبوت مراد ہے اور صحیح یہی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نبیہ ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے واسطے سے ان تک وحی بھیجی، جس طرح بقیہ نبیوں پر بھیجی۔

علامہ قرطبیؒ نے مذکورہ روایت کے علاوہ بھی بعض روایت حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت سے متعلق ذکر فرمائی، جن میں ایک روایت یہ بھی ہے، جو حضرت عبد اللہ بن عباس

---

(٢٠٣): **في فتح الباري: وذكر ابن حزم في الملل والنحل: أن هذه المسألة لم يحدث التنازع فيها الا في عصره بقرطبة.** (فتح الباري بشرح صحيح البخاري، كتاب أحاديث الانبياء، باب قول الله عزوجل: ﴿وضرب الله مثلا﴾ الى قوله ﴿وكانت من القانتين﴾، ج: ٦، ص: ٥١٦)

رضی اللہ عنہما سے منقول ہے:

"سیدات نساء أهل الجنة، بعد مريم ابنة عمران:

فاطمة وخديجة، ثم آسية امرأة فرعون".

پس ظاہر قرآن وحدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام، حضرت حوا علیہا السلام سے لے کر قیامت تک آنے والی تمام عورتوں سے افضل ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی، فرشتوں نے بحیثیت تکلیف (نماز کا حکم) "یٰمریم اقنتی لربک" اور بحیثیت اخبار بشارت، دیگر انبیاء کی طرح آپ تک پہنچائی ہے، لہٰذا آپ نبیہ ہیں، اور دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں، ان کی بعد حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت آسیہؓ کا مقام ہے:

عن ابن عباس قال قال رسول اللهﷺ "سيدة نساء أهل الجنة مريم بنت عمران، ثم فاطمة، ثم خديجة، ثم آسية امرأة فرعون.

علامہ قرطبی اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث حسن ہے، جس سے اشکال خود بہ خود رفع ہو جاتے ہیں"۔

علامہ قرطبی مزید فرماتے ہیں کہ "بنی آدم میں کوئی عورت ایسی نہیں جس کو حضرت مریم کی مانند مناقب حاصل ہوں، نیز یہ کہ وہ انبیاء ورسل کے زمرہ میں دخول جنت کے وقت شریک ہوں گی (۲۰۴)، غرض انہوں نے حدیث شریف وغیرہ سے اس بات پر پُر زور

---

(۲۰۴): في تفسير القرطبي: وروى مسلم عن أبي موسى قال: قال رسول اللهﷺ: كمل من الرجال كثير، ولم يكمل من النساء غير مريم بنت عمران، وآسية امراة فرعون، وان فضل عائشة على النساء، كفضل الثريد على سائر الطعام.

قال علماؤنا رحمة الله عليهم: الكمال هو التناهي والتمام، ويقال في ماضية "كمل" بفتح الميم وضمها، و"يكمل" في مضارعه بالضم، وكمال كل شيء

استدلال کیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نبیہ ہیں۔

بحسبه. والكمال المطلق انما هو للّٰه تعالىٰ خاصة، ولاشك أن أكمل نوع الانسان الأنبياء، ثم يليهم الأولياء من الصديقين والشهداء والصالحين. واذا تقرر هذا فقد قيل: ان الكمال المذكور في الحديث يعني به النبوة، فيلزم عليه أن تكون مريم عليها السلام وآسية نبيتين، وقد قيل بذلك. والصحيح أن مريم نبية، لأن تعالى أوحى اليها بواسطة الملك كما أوحى الى سائر النبيين حسب ما تقدم، ويأتي بيانه أيضاً في مريم. وأما آسية فلم يرد ما يدل على نبوتها دلالة واضحة، بل على صديقيتها وفضلها، على ما يأتي بيانه في التحريم.

وروى من طريق صحيحة أنه عليه الصلاة والسلام قال فيما رواه عنه أبو هريرة رضي اللّٰه تعالى عنه: خير نساء العالمين أربع: مريم بنت عمران، وآسية بنت مزاحم امرأة فرعون، وخديجة بنت خويلد، وفاطمة بنت محمد صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم.

ومن حديث ابن عباسؓ، عن النبی ﷺ: أفضل نساء أهل الجنة خديجة بنت خويلد، وفاطمة بنت محمد صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم، ومريم بنت عمران، وآسية بنت مزاحم امرأة فرعون. وفي طريق آخر عنه: سيدة نساء أهل الجنة بعد مريم فاطمة وخديجة.

فظاهر القرآن والأحاديث يقتضي أن مريم أفضل من جميع نساء العالم، من حواء الى آخر امراة تقوم عليها الساعة، فان الملائكة قد بلغتها الوحي عن اللّٰه عزوجل بالتكليف والاخبار والبشارة، كما بلغت سائر الأنبياء، فهي اذا نبية، والنبي أفضل من الولي، فهي أفضل من كل النساء: الأولين والآخرين مطلقاً. ثم بعد ها في الفضيلة فاطمة، ثم خديجة، ثم آسية. وكذلك رواه موسى بن عقبة، عن كريب، عن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: سيدة النساء العالمين مريم ثم فاطمة، ثم خديجة، ثم آسية. وهذا حديث حسن يرفع الاشكال.

علامہ قرطبیؒ کے ہم نواؤں میں حضرت حافظ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ بھی ہیں، جو علامہ قرطبیؒ کے زورِ استدلال سے متاثر ہیں، بل کہ حدیث مذکور پر انہوں نے ایک بات ایسی بھی لکھی ہے جس سے وہ علامہ قرطبیؒ سے بھی آگے معلوم ہوتے ہیں، کہ قائلین نبوّت کا استدلال اس طرح سے ہو رہا ہے کہ حدیث شریف میں مذکورہ عورتوں کے علاوہ کسی اور کے کمال تک نہ پہنچے سے مراد، نبوّت کے مقام تک نہ پہنچنا ہے، کیوں کہ اگر اس سے صدیقیت یا ولایت کی دیگر اقسام مراد ہوں، تو حدیث شریف کے حصر سے یہ لازم آئے گا کہ مذکورہ فی الحدیث عورتوں کے علاوہ کوئی عورت مقام صدیقیت وولایت کو نہیں پہنچی، حالاں کہ کئی عورتیں اس مقام پر سرفراز ہوئی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں ''کمال'' سے ''نبوت'' ہی مراد ہے۔ اس کے بعد وہی روایات پیش کی ہیں، جن کو علامہ قرطبی نے ذکر فرمایا ہے، یہ تمام روایات افضلیت مریم علیہا السلام، وفاطمہ وخدیجہ رضی اللہ عنہن پر دلالت کرتی ہے، اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے خواتین کے لیے عدم نبوّت کے قائلین کی ایک دلیل ذکر فرما کر اس کا رد فرمایا ہے۔

آخر میں حافظؒ نے علامہ ابن حزمؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی نبوّت کے بارے میں صریح دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بلا تامل اس بچہ کو وحی کی بنیاد پر دریا میں ڈال دیا، اور حضرت مریم علیہا

وقد خص اللّٰہ مریم بما لم یؤته أحداً من النساء.....ومن أین لامرأة فی جمیع نساء العالمین من بنات آدم ما لها من هذه المناقب؟

ولذلک روی أنها سبقت السابقین مع الرسل الی الجنة، جاء فی الخبر عنه صلی اللہ علیہ وسلم: لو أقسمت لبررت، لایدخل الجنة قبل سابقی أمتی الا بضعة عشر رجلاً، منهم ابراهیم، واسماعیل، واسحاق، ویعقوب، والأسباط، وموسیٰ، وعیسیٰ، ومریم ابنة عمران. (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، سورة آل عمران، الآیة: ۴۲، ج: ۵، ص: ۱۲۶ تا ۱۲۸، ط، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان)

السلام کا انبیاء کے ساتھ ذکر فرما کر " أُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ " فرمایا۔ اس میں حضرت مریم علیہا السلام کی نبوّت پر دلیل اس طور پر ہے کہ لفظ "أولئک" کے عموم میں حضرت مریم بھی داخل ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حافظ ابن حجرؒ نے عدم نبوّت کے قائلین کی حمایت میں کچھ نہیں کہا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا رجحان بھی علامہ قرطبیؒ اور ابن حزمؒ کے قول کی طرف ہے، اگر چہ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ جمہور کے خلاف ہیں، بل کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس باب میں توقف کو پسند کرتے ہیں۔ (فتح الباری: ٦/٤٤٧) (٢٠٥)۔

---

(٢٠٥): عن أبی موسیٰ قال: قال رسول اللہ ﷺ: کمل من الرجال کثیر، ولم یکمل من النساء الا آسیة امرأة فرعون ومریم بنت عمران، وان فضل عائشةؓ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام. وفی فتح الباری تحت ھذا الحدیث: قوله: (ولم یکمل من النساء الا آسیة امرأة فرعون ومریم بن عمران) استدل بھذا الحصر علی أنھما نبیتان لأن أکمل النوع الانسانی الأنبیاء ثم الأولیاء والصدیقون والشھداء، فلو کانتا غیر نبیتین للزم ألا یکون فی النساء ولیة ولا صدیقة ولاشھیدة، والواقع أن ھذہ الصفات فی کثیر منھن موجودة فکأنه قال ولم ینبأ من النساء الا فلانة وفلانة، ولو قال لم تثبت صفة الصدیقیة أو الولایة أو الشھادة الا لفلانة وفلانة لم یصح لوجود ذلک فی غیرھن، الا أن یکون المراد فی الحدیث کمال غیر الأنبیاء فلایتم الدلیل علی ذلک لأجل ذلک واللہ أعلم. وعلی ھذا فالمراد من تقدم زمانه ﷺ، ولم یتعرض لأحد من نساء زمانه الا لعائشةؓ، ولیس فیه تصریح بأفضلیة عائشة رضی اللہ عنھا علی غیرھا لأن فضل الثرید علی غیرہ من الطعام انما ھو لما فیه من تیسیر المؤنة وسھولة الاساغة، وکان أجل أطعمتھم یومئذ، وکل ھذہ الخصال لاتستلزم ثبوت الأفضلیة له من کل جھة، فقد یکون مفضولا بالنسبة لغیرہ من جھات أخری. وقد ورد فی ھذا الحدیث من الزیادة بعد قوله ومریم ابنة عمران وخدیجة بنت خویلد وفاطمة بنت محمد صلی اللہ تعالی علیه وسلم. أخرجه

حضرت علامہ بدر الدین عینیؒ نے حافظ ابن حجرؒ کے استدلال کو رد فرمایا ہے، اور فرمایا کہ کمال کے معنیٰ وہی ہیں، جو علامہ قرطبیؒ وابن حجرؒ نے بیان کیے ہیں، مگر اس سے نبوّت کا

الطبراني عن يوسف بن يعقوب القاضي عن عمرو بن مرزوق عن شعبة بالسند المذكور هنا، وأخرجه أبو نعيم في الحلية في ترجمة عمرو بن مرة أحد رواته عند الطبراني بهذا الاسناد، وأخرجه الثعلبي في تفسيره من طريق عمرو بن مرزوق به، وقد ورد من طريق صحيح ما يقتضي أفضلية خديجة وفاطمة على غيرهما وذلك فيما سيأتي في قصة مريم من حديث علي بلفظ "خير نسائه خديجة" وجاء في طريق أخرى ما يقتضي أفضلية خديجة وفاطمة وذلك فيما أخرجه ابن حبان وأحمد وأبو يعلى والطبراني وأبو داؤد في كتاب الزهد والحاكم كلهم من طريق موسىٰ ابن عقبة عن كريب عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ "أفضل نساء أهل الجنة خديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد صلى الله تعالى عليه وسلم، ومريم بنت عمران و آسية امرأة فرعون، وله شاهد من حديث أبي هريرة رضي الله تعالى عنه في الأوسط للطبراني ولأحمد في حديث أبي سعيد رفعه "فاطمة سيدة نساء أهل الجنة الا ما كان من مريم بنت عمران" واسناده حسن، وان ثبت ففيه حجة لمن قال ان آسية امرأة فرعون ليست نبية، وسيأتي في مناقب فاطمة قوله ﷺ لها انها سيدة نساء أهل الجنة. مع مزيد بسط هذه المسألة هناك ان شاء الله تعالى، ويأتي في الأطعمة فيما يتعلق بالثريد، قال القرطبي: الصحيح أن مريم نبية لأن الله تعالى أوحى اليها بواسطة الملك، وأما آسية فلم يرد ما يدل على نبوتها. وقال الكرماني: لايلزم من لفظ الكمال ثبوت نبوتها لأنه يطلق لتمام الشيء وتناهية في بابه، فالمراد بلوغها النهاية في جميع الفضائل التي نساء. قال: وقد نقل الاجماع على عدم نبوة النساء، كذا قال، وقد نقل عن الأشعري أن من النساء من نبي وهن ست: حواء وسارة وأم موسى وهاجر وآسية ومريم، والضابط عنده أن من جاءه الملك عن الله بحكم من أمر أو نهي أو باعلام مما سيأتي فهو نبي، وقد ثبت مجيء الملك هؤلاء بأمور شتى من ذلك من عندالله عزوجل، ووقع التصريح

مراد ہونا لازم نہیں آتا، اس لیے کہ ہر شئے کا تمام وکمال اس کی شایان شان ہوتا ہے، اس لیے اس جملے (کمل من النساء الخ) سے عورتوں کے ساتھ کمالات مخصوص ہیں، ان کی نہایت کو پہنچنا مراد ہے۔ (اور نبی ہونا ان کمالات میں سے نہیں، جو عورتوں کی شایان شان ہو) اس لیے اس سے نبوت مراد نہیں ہوسکتی۔ ——— ظاہر ہے کہ یہ مصادرت علی المطلوب ہے، اس لیے علامہ عینیؒ کے مذکورہ استدلال کو قوی نہیں کہا جاسکتا۔

علامہ عینیؒ نے بھی امام بوالحسن اشعریؒ اور علامہ قرطبیؒ کے اقوال کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، ان کا پرزور رد نہیں فرمایا، البتہ انہوں نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت خدیجہؓ کا افضل النساء ہونا متعدد روایات سے ثابت کیا ہے، لیکن آخر میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، کی درج ذیل روایت ذکر فرمائی ہے:

فاطمة سيدة نساء أهل الجنة، الا ما كان من مريم بنت عمران. (مسند أحمد)

کہ حضرت فاطمہؓ حضرت مریم علیہا السلام کے علاوہ دیگر تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔

بالابحاء لبعضهن في القرآن. وذكر ابن حزم في الملل والنحل أن هذه المسألة لم يحدث التنازع فيها الا في عصره بقرطبة، وحكى عنهم أقوالها ثالثها الوقف، قال: وحجة المانعين قوله تعالى: ﴿وما أرسلنا من قبلك الا رجالا﴾ قال: وهذا لاحجة فيه فان أحداً لم يدع فيهن الرسالة، وانما الكلام في النبوة فقط. قال: وأصرح ما ورد في ذلك قصة مريم، وفي قصة أم موسى ما يدل على ثبوت ذلك لها من مبادرتها بالقاء ولدها في البحر بمجرد الوحي اليها بذلك، قال: وقد قال الله تعالى بعد أن ذكر مريم والأنبياء بعدها ﴿أولئك الذين أنعم الله عليهم من النبيين﴾ فدخلت في عمومه والله أعلم. (فتح الباري بشرح صحيح البخاري، كتاب أحاديث الانبياء، باب قول الله عزوجل: ﴿وضرب الله مثلا﴾ الى قوله ﴿وكانت من القانتين﴾، ج: ٦، ص: ٥١٥، ٥١٦)

اس کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ اس سے کم از کم حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مساوات ثابت ہوتی ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی صحت ثابت ہوجائے تو پھر حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت حضرت فاطمہؓ پر متعین ہوجاتی ہے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی کی یہ روایت واوِ عطف کے ساتھ بھی مروی ہے، جو درج ذیل ہے:

سيدة نساء أهل الجنة مريم بن عمران وفاطمة و خديجة و آسية امرأة فرعون.

اس لیے فضیلت حضرت مریم علیہا السلام کی تعیین مشکوک ہوجاتی ہے۔ فیصلہ کن بات نہیں فرمائی، غالبًا یہ بھی توقف کرتے ہیں۔(عینی:٣٠٩/٥)(٢٠٦)۔

---

(٢٠٦): وفی عمدة القاری: قوله: "ولم يكمل من النساء الا آسية امرأة فرعون و مريم بنت عمران، وقد استدل بعضهم بهذا على أن آسية ومريم نبيتان، لأن أكمل النوع الانسانی الأنبياء ثم الأولياء والصديقون والشهداء، فلو كانتا غير نبيتين للزم أن يكون فی النساء ولية ولاصديقة ولاشهيدة، وفی نفس الأمر ان هذه الصفات موجودة فی كثير منهن فكأنه قال: لم تنبأ من النساء الا فلانة وفلانة. ومنع بأنه لايلزم من لفظها الكمال نبوتهما اذ هو يطلق على اتمام الشیء وتناهيه فی بابه فالمراد تناهيهما فی جميع الفضائل التی للنساء.... وأحمد فی مسنده من حديث أبی سعيدؓ رفعه: فاطمة سيدة نساء أهل الجنة الا ما كان من مريم بنت عمران. وعن أنس رضی الله تعالى عنه قال: قال رسول اللهﷺ: حسبک من نساء العالمين بأربع: مريم بنت عمران وآسية امرأة فرعون وخديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد صلى الله تعالى عليه وسلم. رواه أحمد والترمذی وابن عساكر، وعن ابن عباسؓ قال: خط رسول اللهﷺ فی الأرض أربعة خطوط، فقال: أتدرون ما هذا؟ قالوا: الله ورسوله أعلم. فقال رسول اللهﷺ: أفضل نساء أهل الجنة خديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد صلى الله تعالى عليه وسلم ومريم بنت عمران وآسية بن

قائلین عدم نبوّت میں حضرت امام نوویؒ نے بہ صراحت رد فرمایا ہے، چناں چہ آپؒ قاضی عیاضؒ کے نبوت کے قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ "غریب ضعیف"، نیز فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کی عدم نبوت پر ایک جماعت نے اجماع نقل کیا ہے(٢٠٧)۔

مزاحم امرأة فرعون. رواه النسائي وأبويعلى وابن عساكر، وروى الامام أحمد من حديث أبي سعيدؓ قال: قال رسول اللهﷺ: فاطمة سيدة نساء أهل الجنة الا ما كان من مريم بنت عمران. وهذا يدل على أن فاطمة ومريم أفضل هذه الأربع، ثم يحتمل الاستثناء أن تكون مريم أفضل من فاطمة، ويحتمل أن تكونا على السواء فى الفضيلة، لكن ورد حديث، ان صح عين الاحتمال الأول، وهو ما روى: أن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللهﷺ: سيدة نساء أهل الجنة مريم بنت عمران ثم فاطمة ثم خديجة ثم آسية امرأة فرعون. رواه ابن عساكر، فان كان هذا اللفظ محفوظاً: بثم، التى للترتيب فهو مبين لأحد الاحتمالين اللذين دل عليهما الاستثناء، ويقدم من الألفاظ التى وردت بواو العطف التى لاتقتضى الترتيب ولاتنفيه. (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، كتاب أحاديث الانبياء عليهم الصلاة والسلام، باب قول الله عزوجل: ﴿وضرب الله مثلا﴾ الى قوله ﴿وكانت من القانتين﴾، ج: ١٥، ص: ٤٢٥، ٤٢٦، رقم: ٣٤١١، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(٢٠٧): فى المنهاج: والجمهور على أنهما ليستا نبيتين، بل هما صديقتان، ووليتان من أولياء الله تعالى.... قال القاضىؒ: فان قلنا هما نبيتان فلاشك أن غيرهما لايلحق بهما، وان قلنا وليتان لم يمتنع أن يشاركهما من هذه الأمة غيرهما. هذا كلام القاضى نقله من القول بنبوتهما غريب ضعيف وقد نقل جماعة الاجماع على عدمها، والله أعلم. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المعروف بـ حاشية النووى، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل خديجة، ج: ٢، ص: ٢٨٤، ط، صداقت كتب خانه كندهار افغانستان)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ (صاحب تفسیر روح المعانی) نے اس بات کی تردید کی ہے کہ مریم علیہا السلام کی عدم نبوّت پر اجماع ہے، بل کہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی نبوّت کا قول مشہور ہے اور شیخ تقی الدین سبکی اور ابن سید الناس نے بھی اس قول کو ترجیح دی ہے (۲۰۸)۔ البتہ حضرت مریم علیہا السلام کی نبوّت کے قول کی تردید فرمائی ہے، اور اللقانی قول نقل فرمایا ہے کہ ''اس پر اجماع ہے کہ غیر نبی سے فرشتوں کا کلام ثابت ہے اور جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محض فرشتہ کے کلام کی بنا پر یا محض وحی کی بنا پر نبوّت ثابت ہو جاتی ہے، تو وہ جادۂ مستقیم سے ہٹا ہوا ہے'' (۲۰۹)۔

پھر صاحب روح المعانیؒ نے ان روایات پر بحث فرمائی ہے جو علامہ قرطبیؒ، ابن حجرؒ اور عینیؒ نے ''فضیلت حضرت مریم علیہا السلام بر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا'' کے سلسلہ میں پیش فرمائی ہیں، لیکن ان روایات کے ساتھ ابن عساکرؒ کی وہ روایت پیش کی ہے، جو حضرت

---

(۲۰۸): فی روح المعانی: ومن الناس من استدل علی عدم استنباء النساء بالاجماع وبقوله تعالی: ﴿وما أرسلنا قبلک الا رجالا﴾ ولایخفی ما فیہ، أما أولا فلان حکایۃ الاجماع فی غایۃ الغرابۃ فان الخلاف فی نبوۃ نسوۃ کحواء، وآسیۃ، وأم موسی، وسارۃ، وھاجر، ومریم موجود خصوصاً مریم فان القول بنبوتھا شھیر، بل مال الشیخ تقی الدین السبکی فی الحلبیات. وابن السید الی ترجیحہ، وذکر أن ذکرھا مع الأنبیاء فی سورتھم قرینۃ قویۃ لذلک. (روح المعانی، سورۃ آل عمران، الآیۃ: ٤٢، ج: ٣، ص: ١٥٤، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

(۲۰۹): فی روح المعانی: واستدل بھذہ الآیۃ من ذھب الی نبوۃ مریم لأن تکلیم الملائکۃ یقتضیھا، ومنعہ اللقانی بأن الملائکۃ قد کلموا من لیس بنبی اجماعاً فقد روی أنھم کلموا رجلاً خرج لزیارۃ أخ لہ فی اللہ تعالی و أخبروہ أن اللہ سبحانہ یحبہ کحبہ لاخیہ فیہ ولم یقل أحد بنبوتہ، وادعی أن من توھم أن النبوۃ مجرد الوحی ومکالمۃ الملک فقد حاد عن الصواب. (روح المعانی، سورۃ آل عمران، الآیۃ: ٤٢، ج: ٣، ص: ١٥٤، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اس میں حضرت فاطمہ کی علی الاطلاق افضلیت کی تصریح ہے، روایت ہے:

أربع نسوة سادات عالمهن، مريم بنت عمران، وآسية بن مزاحم، وخديجة بنت خويلد، وفاطمة بنت محمد، وأفضلهن عالما فاطمة.

اس کے بعد صاحب روح المعانیؒ نے حارث بن اسامہ کی روایت مرسلا سند صحیح کے ساتھ ذکر کر کے لکھا ہے کہ ابو جعفر ائمہ اہل بیت میں سے مشہور شخصیت ہیں، ان کا مذہب یہی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اپنے زمانہ کی عورتوں کے لحاظ سے افضل ہیں۔

صاحب روح المعانیؒ مزید فرماتے ہیں کہ راجح یہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اگلی پچھلی تمام عورتوں سے افضل ہیں، حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی افضل ہیں، اس حیثیت سے کہ وہ سرور کائنات ﷺ کے جسد اطہر کا ایک ٹکڑا ہیں، جس کے مقابل میں کسی شئے کو نہیں سمجھتا، بل کہ وہ "بضعة الرسول" ہونے کی حیثیت سے حضرت مریم علیہا السلام سے بھی افضل ہیں، اگر حضرت مریم علیہا السلام کی نبوت کو مان لیا جائے، تب بھی حیثیت کے لحاظ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت مسلم ہے۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس لحاظ سے جملہ بنات نبی ﷺ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

آخر میں آپؒ حضرت مریم کی حضرت فاطمہ پر فضیلت کے تعلق سے فیصلہ کن بات فرماتے ہیں کہ فضیلت مطلقہ کے لحاظ سے حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان فیصلہ سے توقف کرتا ہوں، تائید میں ذکر کرتے ہیں کہ قاضی ابو جعفر اور ابن جماعہ سے بھی توقف مروی ہے، بل کہ ابن جماعہ نے اسی قول کو "بہتر واسلم" قرار دیا ہے(۲۱۰)۔

(۲۱۰): فی روح المعانی: (والمراد من نساء العالمين) قيل: جميع النساء في

﴿فیصلہ کن بات﴾

البتہ عماد الدین اسماعیل ابن کثیرؒ اس باب میں فیصلہ کن اور دوٹوک بات کہی ہے کہ آیت کریمہ "وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالاً...... الخ" سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف مردوں ہی کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے، عورتوں میں سے کسی کو نبوّت نہیں ملی

سائر الاعصار، واستدل به على أفضليتها على فاطمة وخديجة وعائشة رضى الله عنهن، وأيد ذلك بما أخرجه ابن عساكر فى أحد الطرق عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما أنه قال قال رسول الله ﷺ سيدة نساء أهل الجنة مريم بنت عمران، ثم فاطمة، ثم خديجة، ثم آسية امرأة فرعون وبما أخرجه ابن أبى شيبة عن مكحول، وقريب منه ما أخرجه الشيخان عن أبى هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ: خير نساء ركبن الابل نساء قريش أحناه على ولد فى صغره وأرعاه على بعل فى ذات يده ولو علمت أن مريم ابنة عمران ركبت بعيراً ما فضلت عليها أحدا. وبما أخرجه ابن جرير عن فاطمة صلى الله تعالى على أبيها وعليها وسلم أنها قالت: قال لى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أنت سيدة نساء أهل الجنة لا مريم البتول.

وقيل: المراد نساء عالمها فلايلزم منه أفضليتها على فاطمة رضى الله تعالى عنها، ويؤيده ما أخرجه ابن عساكر من طريق مقاتل عن الضحاك عن ابن عباس عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: أربع نسوة سادات عالمهن مريم بنت عمران، وآسية بنت مزاحم، وخديجة بن خويلد، وفاطمة بن محمد صلى الله تعالى عليه وسلم وأفضلهن عالماً فاطمةؓ. وما رواه الحرث بن أسامة فى مسنده بسند صحيح لكنه مرسل: "مريم خير نساء عالمها" والى هذا ذهب أبو جعفر رضى الله تعالى عنه وهو المشهور عن أئمة أهل البيت ـ والذى أميل اليه ـ أن فاطمة البتول أفضل النساء المتقدمات والمتأخرات من حيث أنها بضعة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بل ومن حيثيات أخر أيضاً، ولايعكر على ذلك الاخبار السابقة لجواز أن يراد بها أفضلية غيرها عليها من بعض الجهات وبحيثية من الحيثيات ـ وبه

اوریہی جمہورکاقول ہے، کیوں کہ آیت کریمہ کا سیاق یہی تقاضہ کرتا ہے،

يجمع بين الآثار ـ وهذا سائغ على القول بنبوة مريم أيضاً اذ البضعية من روح الوجود وسيد كل موجود لا أرها تقابل بشيء. وأين الثريا من يد المتناول. ومن هنا يعلم أفضليتها على عائشة رضى الله تعالى عنها الذاهب الى خلافها الكثير محتجين بقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: خذوا ثلثى دينكم عن الحميراء. قوله عليه الصلاة والسلام: فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على الطعام. وبأن عائشةؓ يوم القيامة فى الجنة مع زوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم وفاطمة يومئذ فيها مع زوجها على كرم الله تعالى وجهه، وفرق عظيم بين مقام النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ومقام على كرم الله تعالىٰ وجهه.

وأنت تعلم ما فى هذا الاستدلال وأنه ليس بنص على أفضلية الحميراء على الزهراء، وأما أولا فلان قصارى ما فى الحديث الأول على تقدير ثبوته اثبات أنها عالمة الى حيث يؤخذ منها ثلثا الدين، وهذا لايدل على نفى العلم المماثل لعلمها عن بضعة عليه الصلاة والسلام، ولعلمه صلى الله تعالى عليه وسلم أنها لاتبقى بعده زمناً معتداً به يمكن أخذ الدين منها فيه لم يقل فيها ذلك، ولو علم لربما قال: خذوا كل دينكم عن الزهراء، وعدم هذا القول فى حق من دل العقل والنقل على علمه لايدل على مفضوليته والا لكانت عائشة أفضل من أبيها رضى الله تعالى عنه لأنه لم يرو عنه فى الدين الا قليل لقلة لبثه وكثرة غائلته بعد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على أن قوله عليه الصلاة والسلام: انى تركت فيكم الثقلين كتاب الله تعالى وعترتى لايفترفان حتى يردا على الحوض. يقوم مقام ذلك الخبر وزيادة ـ كما لايخفى ـ كيف ولافاطمة رضى الله تعالى عنها سيدة تلك العترة؟.

أما ثانياً فلأن الحديث الثانى معارض بما يدل على أفضلية غيرها رضى الله تعالى عنها عليها، فقد أخرج ابن جرير عن عمار بن سعد أنه قال: قال لى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فضلت خديجة على نساء أمتى كما فضلت مريم على

بعض لوگوں نے حضرت سارہ امرأۃ خلیلؑ، ام موسیٰؑ اور مریم بنت عمران کو ''نبیہ'' کہا ہے، اور حضرات ملائکہ کے کلام وسلام یا بشارت ومطلق وحی سے استدلال کیا ہے۔ لیکن ان

نساء العالمين. بل هذا الحديث أظهر فى الأفضلية وأكمل فى المدح عند من انجاب عن عين بصيرته عين التعصب والتعسف لأن ذلك الخبر وان كان ظاهراً فى الافضلية لكنه قيل ولو على بعد: ان ـ أل ـ فى النساء فيه للعهد، والمراد بها الازواج الطاهرات الموجودات حين الاخبار ولم يقل مثل ذلك فى هذا الحديث.

وأما ثالثاً فلأن الدليل الثالث يستدعى أن يكون سائر زوجات النبى صلى الله تعالى عليه وسلم أفضل من سائر الأنبياء والمرسلين عليهم الصلاة والسلام لأن مقامهم بلا ريب ليس كمقام صاحب المحمود صلى الله تعالى عليه وسلم فلو كانت الشركة فى المنزل مستدعية للأفضلية لزم ذلك قطعاً ولاقائل به.

وبعد هذا كله الذى يدور فى خلدى أن أفضل النساء فاطمةؓ، ثم أمهاؓ، ثم عائشةؓ بل لو قال قائل ان سائر بنات النبى صلى الله تعالى عليه وسلم أفضل من عائشةؓ لا أرى عليه بأساً، و عندى بين مريمؓ وفاطمةؓ توقف نظراً للأفضلية المطلقة، وأما بالنظر الى الحيثية فقد علمت ما أميل اليه، وقد سئل الامام السبكیؒ عن هذه المسألة فقال: الذى نختاره وندين الله به أن فاطمةؓ بنت محمد صلى الله تعالى عليه وسلم أفضل. ثم أمهاؓ. ثم عائشةؓ. ووافقه فى ذلك البلقينى ـ وقد صحح ابن العماد أن خديجةؓ أيضاً أفضل من عائشةؓ لما ثبت أنه عليه الصلاة والسلام قال لعائشةؓ حين قالت: قد رزقك الله تعالى خيراً منها، فقال لها: لاوالله ما رزقنى الله تعالى خيراً منها آمنت بى حين كذبنى الناس وأعطتنى مالها حين حرمنى الناس، وأيد هذا بأن عائشةؓ أقرأها السلام النبى صلى الله تعالى عليه وسلم من جبريل، وخديجةؓ أقرأها السلام جبريل من ربها، وبعضهم لما رأى تعارض الادلة فى هذه المسألة توقف فيها ـ والى التوقف مال القاضى أبو جعفر الاستروشنى منا ـ وذهب ابن جماعة الى أنه المذهب الأسلم. (روح المعانى، سورة آل عمران، الآية: ٤٢، ج: ٣، ص: ١٥٥، ١٥٦، ط، دار احياء التراث العربى بيروت لبنان)

تمام چیزوں کے ان خواتین کو حاصل ہونے کے باوجود یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو نبیات قرار دیا جائے، اگر نبوّت سے مراد قائلین نبوت کی صرف اس قدر ہے کہ ایک دو مرتبہ کلام ملائکہ سے مشرف ہوگئیں، تو شرافت کے حصول میں تو کوئی کلام نہیں، لیکن کیا صرف اس قدر کلام، سلسلۂ نبوّت کی لڑی میں شامل ہوجانے کے لیے کافی ہے؟؟؟

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ عورتوں میں کوئی نبیہ نہیں ہیں، چناں چہ وہ شیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعریؒ سے نقل کرتے ہیں:

أنه ليس في النساء نبية، وانما فيهن صديقات، كما قال تعالى مخبرا عن أشرفهن مريم بنت عمران حيث قال: [ما المسيح ابن مريم الا رسول قد خلت من قبله الرسول وامه صديقة كانا يأكلان الطعام] [المائدة: ٧٥] فوصفها في أشرف مقاماتها بالصديقية، فلو كانت نبية لذكر ذلك في مقام التشريف والاعظام، فهي صديقة بنص القرآن(٢١١).

---

(٢١١): قال الله تبارك وتعالى: وما أرسلنا من قبلك الا رجالاً نوحي اليهم من أهل القرى أفلم يسيروا في الأرض فينظروا كيف كان عاقبة الذين من قبلهم ولدار الآخرة خير للذين اتقوا أفلاتعقلون.

وفي تفسير ابن كثير تحت هذه الأية: يخبر تعالى أنه انما أرسل رسله من الرجال لا من النساء. وهذا قول جمهور العلماء، كما دل عليه سياق هذه الآية الكريمة: أن الله تعالى لم يوح الى امرأة من بنات بني آدم وحي تشريع.

وزعم بعضهم: أن سارة امرأة الخليل، وأم موسى، ومريم أم عيسى نبيات، و احتجوا بأن الملائكة بشرت سارة باسحاق، ومن وراء اسحاق يعقوب، وبقوله: ﴿و أوحينا الى أم موسى أن أرضعيه﴾ الآية [القصص: ٧]، وبأن الملك جاء الى مريم فبشرها بعيسىٰ، عليه السلام، وبقوله تعالىٰ: ﴿واذ قالت الملائكة يا مريم ان الله اصطفاك وطهرك على نساء العالمين. يا مريم اقنتي لربك واسجدي واركعي

کہ عورتوں میں کوئی نبی نہیں ہیں، ان میں صرف صدیقات ہیں، چناں چہ ان عورتوں میں سے جن کے متعلق نبوت کا خیال ہے، ان میں سب سے اعلیٰ مقام حضرت مریم علیہا السلام کا ہے، ان کو قرآن کریم نے صدیقہ کے لقب سے نوازا، چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مسیح ابن مریم صرف نبی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزرے، اور ان کی ماں صدیقہ ہیں، دونوں عام انسانوں کی طرح کھانا کھاتے تھے، تو اس اظہارِ عظمت وشرافت کے مقام میں حضرت مریم علیہا السلام کے اعلیٰ مقامات میں سے جس رتبہ کا ذکر فرمایا، وہ یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام صدیقہ ہیں، اگر وہ نبیہ ہوتیں، تو اس مقام مدح میں انہیں ضرور نبیہ کہا جاتا، پس وہ نص قرآنی سے صدیقہ ٹھہراتی ہیں۔

بندہ کی ناقص رائے میں علامہ ابن کثیرؒ کی یہ بات آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے اور فیصلہ کن بات ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نبیہ نہیں ہیں، ان کی ذکر کردہ تفصیل سے

مع الراكعين﴾ [آل عمران: ۴۲، ۴۳].

وهـذا الـقـدر حـاصـل لهن، ولكن لايلزم من هذا أن يكن نبيات بذلك، فان اراد الـقـائـل: بـنبوتهن هذا القدر من التشريف، فهذا لاشک فيه، ويبقى الكلام معه فـي أن هذا: هل يكفي في الانتظام في سلک النبوة بمجرده أم لا؟ الذى عليه [أئمة] أهل السنة والجماعة، وهو الذى نقله الشيخ أبو الحسن على بن اسماعيل الأشعرى عـنهـم: أنـه لـيـس فـي الـنسـاء نبية، وانما فيهن صديقات، كما قال تعالى مخبراً عن أشـرفهن مريم بنت عمران حيث قال: ﴿ما المسيح ابن مريم الا رسول قد خلت من قبـلـه الـرسـل وأمه صـديقة كانا يأكلان الطعام﴾ [المائدة: ۷۵]، فوصفها في أشرف مـقـامناتها بالصديقية، فلو كانت نبية لذكر ذلک في مقام التشريف والاعظام، فهي صـديقة بنص القرآن. (تفيسر ابن كثير، سورة يوسف، الآية: ۱۰۹، ج: ۴، ص: ۴۲۲، ۴۲۳، ط، دار طيبة رياض)

یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی عورت کو کبھی نبوت نہیں ملی، اگر صرف کلام ملائکہ کا نام نبوّت ہے، تو اگر چہ اس کو نبوّت کہا جائے، لیکن اس سے مراد نبوّت تشریعی نہیں ہے، اور نہ کسی عورت کے لیے اس کا ثبوت ہے، قائلین نبوت صاحب روح المعانی، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ قرطبیؒ نے مذکورہ بالا آیت سے عدم نبوت نساء پر استدلال کو رد کیا ہے کہ یہاں آیت میں رسالت کو مردوں کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، اور عورتوں سے رسالت کی نفی کی گئی ہے، لیکن خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں، چناں چہ عورتوں سے نبوت کی نفی اس آیت سے ثابت نہ ہوگی (۲۱۲)۔

لیکن آیت کریمہ کو رسالت بہ مقابلہ نبوت کے معنی میں لے کر نبوت کو "أرسلنا" کے مفہوم سے خارج قرار دینے پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیا قرآن کریم میں جہاں "أرسلنا" کا لفظ آیا ہے، وہاں صرف رسول ہی مراد لیے گئے ہیں؟ نبی مراد نہیں لیے گئے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے۔

چناں چہ آیت کریمہ: وَرُسُلاً قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلاً لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ. وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا . رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ. وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا. [٤ـ النساء: ١٦٤ـ ١٦٥]

اور ایسے پیغمبروں کو (صاحب وحی بنایا) جن کا حال اس کے قبل ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں اور ایسے پیغمبروں کو، جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا ور موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا۔ (ان

---

(۲۱۲): فی روح المعانی: وأما ثانیا فلأن الاستدلال بالآیة لایصح لأن المذکور فیها الارسال وهو أخص من الاستنباء علی الصحیح المشهور، ولایلزم من نفی الأخص نفی الأعم فافهم. (روح المعانی، سورة آل عمران، الآیة: ٤٢، ج: ٣، ص: ١٥٤، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

سب کو) خوش خبری دینے والے اور خوف سنانے والے پیغمبر بنا کر (اس لیے بھیجا) تا کہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ پورے زور والے ہیں، بڑی حکمت والے ہیں۔ (ترجمہ بیان القرآن)

تو کیا جن کا تذکرہ قرآن کریم میں آیا ہے یا احادیث نبویہ میں، وہ سب کے سب رسول تھے؟؟؟ کیا ان میں کوئی صرف نبی نہیں تھے، کیا حضرت یسع اور حضرت یحیٰ (علیہما السلام) رسول ہیں؟ ذوالکفل علیہ السلام رسول ہیں، یہ ظاہر ہے کہ رسول کی اصطلاحی تعریف مختلف فیہ ہے (۲۱۳)، اور یہ حضرات اس معنیٰ کر رسول نہیں ہیں۔ پھر رسلاً میں وہ بھی شامل ہیں، جن کا بیان آپ ﷺ کے سامنے نہیں کیا گیا، ظاہر بات ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے جن کا بیان نہیں آیا، وہ سب اصطلاحی معنیٰ میں رسول ہیں، رسول ہرگز نہیں۔

---

(۲۱۳): فی الموسوعة الفقهية: وللرسول فی الاصطلاح معنیان: أحدهما الشخص المرسل من انسان الی آخر بمال أو رسالة أو نحو ذلک، وینظر حکمه بهذا المعنی فی مصطلح [ارسال].

والثانی: الواحد من رسل الله.

ویراد برسل الله تارة الملائکة مثل قوله تعالی: ﴿قالوا یالوط انا رسل ربک لن یصلوا الیک﴾ وقوله: ﴿بلی ورسلنا لدیهم یکتبون﴾ وقوله: ﴿ولما جاء ت رسلنا لوطاً سیء بهم﴾، وتارة یراد بهم الأنبیاء مثل قوله تعالی: ﴿وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل﴾.

والرسول من البشر هو ذکر حر أوحی الله الیه بشرع وأمره بتبلیغه، فان لم یؤمر بتبلیغه فنبی فحسب. (الموسوعة الفقهية، ج: ۲۲، ص: ۲۱۰)

وفی شرح العقائد النسفية: والرسول انسان بعثه الله تعالی الی الخلق لتبلیغ الأحکام، وقد یشترط فیه الکتاب بخلاف النبی، فانه أعم. (شرح العقائد النسفية، مبحث خبر الرسول صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ص: ۵۷، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

"رسلاً مبشرین ومنذرین" میں بھی خاص رسول مرادنہیں، لہٰذا قرآن کریم میں "رسلا" کے لفظ کے تحت انبیاء رسل سب شامل ہوسکتے ہیں، تو پھر "أرسلنا" کے صیغہ میں نبوت کے عدم شمول پر کوئی حجت ضرور چاہئے، بلا قرینہ انبیاء کو "أرسلنا" کے صیغہ سے خارج کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

اسی طرح علامہ ابن حزمؒ کا استدلال کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل کے واقعات سورۂ مریم میں ذکر فرمائے ہیں:

فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ (۲۱۴).

اس آیت کریمہ میں لفظ أولئک کے عموم میں حضرت مریم علیہا السلام بھی داخل ہیں، اور انبیاء کے ساتھ تذکرہ ان کی نبوت کے دلیل ہے۔

ابن حزم کا یہ کہنا کہ اس آیت کے عموم میں حضرت مریم علیہا السلام داخل ہیں۔ تو عرض ہے کہ مشار الیہ میں ان کا دخول تغلیباً ہے، اثبات نبوت کے لیے ایسا ضعیف اشارہ کافی نہیں، پھر نہ تو فرشتہ نے حضرت مریم علیہا السلام سے کہا کہ آپ نبیہ ہیں، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں بھی خود کے نبی ہونے کی خبر دی (۲۱۵)، لیکن اپنی والدہ کے نبی ہونے کے بارے میں کچھ نہیں کہا، نہ اس زمانہ کے لوگوں نے جانا کہ حضرت مریم علیہا السلام نبیہ ہیں، ورنہ وہ لوگ حضرت مریم عیہا السلام پر بدگمانی کیوں کرتے؟ نیز سورۂ مریم میں جن انبیاء کا تذکرہ آیا، تو اللہ تعالیٰ نے "واذکر فی الکتاب ابراھیم انه کان صدیقا نبیا" (۲۱۶) فرمایا، اسی طرح پیغمبر کے بارے میں

---

(۲۱۴): (سورة النساء: ٦٩)

(۲۱۵): قال اللّٰه تبارک وتعالی: قال انی عبداللّٰه واٰتنی الکتاب وجعلنی نبیاً.

(سورة مريم: ٣٠)

(۲۱۶): (سورة مريم: ٤١)

ان کے رسول و نبی ہونے کی صراحت فرمائی، مگر سیاق وسباق میں "واذکر فی الکتاب مریم انها کانت نبیه" کا موقع ہوتے ہوئے کیوں اس طرح ذکر نہیں کیا گیا؟ معلوم ہوا کہ وہ نبیہ نہیں ہیں۔ ہمارا استدلال ابن حزمؒ کے اشارہ کے استدلال سے قوی ہے۔

دوسرا استدلال علامہ ابن حزمؒ کا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے فرشتہ کی وحی محض پر اپنے بچے کو دریا میں ڈال دیا، یہ ان کے نبیہ ہونے کا دلیل ہے۔

اول تو مذکورہ وحی کی قسم جان لینا ضروری ہے کہ وہ بہ ذریعہ مَلَک (فرشتہ) تھی یا الہام کی صورت میں تھی؟ اگر الہام کی صورت میں تھی اور یہی ظاہر ہے (۲۱۷)۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کے دل میں یہ بات پختہ کر دی گئی کہ ہو، میرا یہی لڑکا نبی ہوگا، جس کی طلب وجستجو میں سینکڑوں بچے ذبح کیے جا چکے ہیں، بچہ کی شکل وصورت، اس کی تندرستی اور بے عیب ہونا جو نبی کی شان ہوتی ہے دیکھ کر حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے دل میں یہ بات پختہ ہوگئی کہ یہی رسول موعود ہے، جب یہ رسول موعود ہے، تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کریں گے اور وہ ضائع نہ ہوگا، اس لیے فرعون کے ہاتھوں ذبح ہونے کے بہ نسبت اس کو دریا میں بہ طور تدبیر کے ڈال دینا مناسب ہوگا۔ بس، یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں آئی، اس لیے پورے سکون کے ساتھ انہوں نے بچے کو دریا میں ڈال دیا۔ فرعون

---

(۲۱۷): فی تفسیر ابن کثیر: ﴿وأوحینا الی أم موسیٰ أن أرضعیه﴾ الآیة [القصص: ۷]، وهذا وحی الهام بلاخوف. (تفسیر ابن کثیر، سورة المائدة: ۱۱۰، ۱۱۱، ج: ۳، ص: ۲۲٤، ط، دارطبیة ریاض)

وفی الدر المنثور: أخرج ابن أبی حاتم عن ابن عباسؓ فی قوله: ﴿وأوحینا الی أم موسیٰ﴾. یقول: ألهمنا ها الذی صنعت بموسی.

وأخرج عبد بن حمید، وابن أبی حاتم، عن قتادة فی قوله: ﴿وأوحینا الی ام موسی أن أرضعیه﴾. قال: وحی جاء ها من اللّٰه قذف فی قلبها، ولیس بوحی نبوة. الخ. (الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة القصص، الآیة: ۷، ج: ۱۱، ص: ٤۲۸)

کے خوف ودہشت کی وجہ سے کوئی نامناسب حرکت سرزد نہ ہوجائے، اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں تسکین پیدا کردی گئی تھی۔

اور اگر فرشتہ نے کلام کیا تھا (۲۱۸)۔تب بھی تسکین قلبی اس وحی کی بنا پر تھی، دونوں صورتوں میں اس سے نبوت ثابت نہیں ہوسکے گی، جیسا کہ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ صرف اتنی وحی سے کوئی، نبی کی فہرست میں داخل نہیں ہوسکتا (۲۱۹)۔

---

(۲۱۸): **فی تفسير القرطبي: وقالت فرقة: كان بملك تمثل لها.** (الجامع لأحكام القرآن، سورة القصص، الآية: ٧، ج: ١٦، ص: ٢٣٢، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۲۱۹): **قال الله تبارك وتعالى: وما أرسلنا من قبلك الا رجالاً نوحي اليهم من أهل القرى أفلم يسيروا في الأرض فينظروا كيف كان عاقبة الذين من قبلهم ولدار الآخرة خير للذين اتقوا أفلاتعقلون.**

وفي تفسير ابن كثير تحت هذه الأية: يخبر تعالى أنه انما أرسل رسله من الرجال لا من النساء. وهذا قول جمهور العلماء، كما دل عليه سياق هذه الآية الكريمة: أن الله تعالىٰ لم يوح الى امرأة من بنات بني آدم وحي تشريع.

وزعم بعضهم: أن سارة امرأة الخليل، وأم موسى، ومريم أم عيسى نبيات، و احتجوا بأن الملائكة بشرت سارة باسحاق، ومن وراء اسحاق يعقوب، وبقوله: ﴿و أوحينا الى أم موسى أن أرضعيه﴾ الآية [القصص: ٧]، وبأن الملك جاء الى مريم فبشرها بعيسىٰ، عليه السلام، وبقوله تعالىٰ: ﴿واذ قالت الملائكة يا مريم ان الله اصطفاك وطهرك واصطفاك على نساء العالمين. يا مريم اقنتي لربك واسجدي واركعي مع الراكعين﴾ [آل عمران: ۴۲، ۴۳].

وهذا القدر حاصل لهن، ولكن لايلزم من هذا أن يكن نبيات بذلك. .الخ.

(تفسير ابن كثير، سورة يوسف،الآية:١٠٩، ج: ٤، ص: ٤٢٢، ٤٢٣، ط، دار طيبة رياض)

اور اگر نبی مانا جائے، تو یہ نبوت، غیر تشریعی، تکوینی ہوگی، جیسا کہ بعض حضرات قائل ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت غیر تشریعی، تکوینی تھی (۲۲۰)۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی وحی تکوینی تھی، کہ بچہ کو دریا میں ڈال دیا جائے، جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کی وحی کہ کشتی کو توڑ دی جائے، کھیلتے بچے کو قتل کر دیا جائے، اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کی وحی بھی تکوینات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو بلند مقام عنایت فرمایا ہے، تمہارے بطن سے بغیر شادی کے بچہ پیدا ہوگا، اس عجیب حالت کی بنا پر اپنے آپ کو کسی بلا وآفت میں مبتلا نہ سمجھنا، قرار حمل، فرشتہ کا دم کرنا وغیرہ حالات سب تکوینات میں سے ہیں، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک دو مرتبہ اس قسم کی تکوینی وحی یا الہام سے وہ مقام مل جائے جو حضرت خضر علیہ السلام کا ہے۔

علامہ قرطبیؒ اور جن حضرات نے حدیث "**كمل من الرجال كثير، ولم يكمل من النساء الا مريم بنت عمران واسية امرأة فرعون...... الخ**" سے نبوت پر استدلال فرمایا ہے، وہ آسیہ امرأۃ فرعون کی نبوت کے قائل نہیں ہیں، چناں چہ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ آسیہ کی نبوت کا قائل ہونا ضروری نہیں اور وہ نبیہ نہیں ہیں (۲۲۱)۔

---

(۲۲۰): **في البحر المحيط: والجمهور على أن الخضر نبي، وكان علمه معرفة بواطن قد أوحيت اليه، وعلم موسى الأحكام والفتيا بالظاهر.** (تفسير البحر المحيط، سورة الكهف، الآية: ٦٥، ج: ٦، ص: ١٣٩، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي تفسير القرطبي: ﴿وعلمنٰه من لدنا علما﴾ أي: علم الغيب. ابن عطية: كان علم الخضر معرفة بواطن قد أوحيت اليه، لاتعطي ظواهر الأحكام أفعاله بحسبها، وكان علم موسى علم الأحكام والفتيا بظاهر أقوال الناس وأفعالهم. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، سورة الكهف، الآية: ٦٥، ج: ١٣، ص: ٣٢٥، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۲۲۱): **في الجامع لأحكام القرآن: وأما آسية فلم يرد ما يدل على نبوتها**

تو اب عرض ہے کہ حدیث مذکور میں جب حضرت آسیہ کا نبوت سے استثناء ہو گیا، تو آسیہ کے لیے کون سا کمال ثابت ہوا، اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے لیے کمال صدیقیت یا ولایت ثابت ہوا، لہٰذا حضرت مریم علیہا السلام کے لیے کمال نبوت مراد لینے کے لیے حدیث مذکور کافی نہ ہوئی، بل کہ ملائکہ کے کلام کو پیش نظر رکھ کر کمال نبوت مراد لیا گیا، تو پھر استدلال کا مدار'' آیت کریمہ'' اور'' وحی کا آنا'' بن گیا، آیت کریمہ کے بارے میں روح المعانی کی بحث گزر چکی ہے کہ نساء العالمین سے مراد حضرت مریم علیہا السلام کے دور کی عورتیں ہیں۔ اور اگر پورے عالم کی عورتیں مراد ہوں، تو بہ حیثیت بضعۃ سید المرسلین ہونے کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ترجیح حاصل ہے۔

لیکن جس طرح کہ پوری بحث سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت مریم علیہا السلام اپنی خصوصی منقبت کی بنا پر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہوں، تو افضلیت کمال صدیقیت کی بنا پر ہے، اس سے حضرت مریم علیہا السلام کی نبوت ثابت نہیں ہو سکتی، حالانکہ عام طور پر محدثین و مفسرین کرام دونوں میں سے کسی ایک کو مطلق افضل قرار دینے میں توقف کرتے ہیں۔ اور یہی اصلح ہے، تو مدار استدلال صرف وحی و کلام رہ جاتا ہے، اور اس کا بطلان ظاہر ہے کہ بنص قرآن پاک جب ان کو صدیقہ کہا گیا تو اصطفاء کے معنیٰ متعین ہو جاتے ہیں کہ اس سے مقام صدیقیت ہی مراد ہے۔

خلاصۂ بحث یہ کہ وحی، کلامِ ملک اور اصطفاء سے مطلقاً نبوت کا اثبات نہیں ہو سکتا، کیوں کہ یہ سب ظنیات ہیں، اور آیت کریمہ "وأمه صديقة" (۲۲۲) قطعی ہے، اس وجہ سے ترجیح قطعی دلیل کو دی جائے گی۔

دلالة واضحة، بل على صديقيتها وفضلها، على ما يأتي بيانه في التحريم. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، سورة آل عمران، الآية: ٤٢، ج: ٥، ص: ١٢٧، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۲۲۲): (سورة المائدة: ٧٥)

نیز کسی آیت اور حدیث شریف میں جب نبوت مریم کی صراحت نہیں ہے، تو نبوت جیسے قطعی اور اہم منصب کا اثبات اس طرح تخمیناً کسی متعین شخصیت کے بارے میں نہیں کیا جاسکتا، نبوت کے اثبات کے لیے ضروری ہے کہ کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ سے قطعی طور پر ثابت ہو، یا کم ازکم اجماع امت ہو، نبوت کا منصب قیاس سے بھی ثابت نہیں ہوسکتا، ولایت تو ایک مکتسب کمال ہے، لیکن نبوت ایک وہبی کمال ہے۔ اس کو اکتساب سے کیا واسطہ؟ اور وہبی کمال نبوت کے بارے میں جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے کلام یا نبی کے دعویٰ کی تائید معجزہ کے ذریعہ سے نہ ہوجائے، اس وقت تک کسی کی نبوت ثابت نہیں ہوسکتی۔

آخر میں عورت کے نبیہ نہ ہونے پر عرض ہے کہ عورت امارت وخلافت کے لائق نہیں۔ جس پر امت کا اجماع ہے، کیوں کہ عورت کی ولایت ناقصہ ہے، اس لیے تنہا عورت کی شہادت بھی کافی نہیں (۲۲۳)۔

---

(۲۲۳): فی شرح العقائد: ویشترط أن یکون من أهل الولایة المطلقة الکاملة، أی مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً، اذ ما جعل اللّٰه للکافرین علی المؤمنین سبیلاً. والعبد مشغول بخدمة المولی، مستحقراً فی أعین الناس، والنساء ناقصات عقل ودین.

وفی عقد الفرائد تحته: (ناقصات عقل): اقتباس من الحدیث، وسئل النبی ﷺ عن معناه، فقال ما حاصله: أن شهادتها نصف شهادة الرجل فذلک من نقصان عقلها، وتمکث أیاماً لاتصلی ولاتصوم فذلک من نقصان دینها، وفی استدلال الشارح به خفاء لایخفی، والأوضح الاستدلال بالحدیث عن أبی بکرة الثقفی، قال: لما بلغ رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم أن أهل فارس ملکوا علیهم بنت کسری، قال: لن یفلح قوم ولوا علیهم امرأة. (رواه البخاری)، وأیضا هی مأمورة بالتستر، وترک الخروج الی مجامع الرجال، وأیضاً قد أجمع الأمة علی عدم نصبها، حتی فی الامامة الصغری. [النبراس: ۳۲۱] . (عقد الفرائد علی شرح

نیز عورت ناقصۃ العقل بھی ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے (۲۲۴)۔ تو مقام نبوت وولایت تو لازم وملزوم ہے، پھر ولایت تامہ کے بغیر نبوت کیسے حاصل ہوگی؟ امارت وخلافت تو نبوت کی فرع ہے، نبی کے لیے جب اللہ تعالیٰ جسمانی عیب بھی پسند نہیں کرتے کہ ہر نبی صحیح سالم اور بے عیب ہوتا ہے، تو نقصان عقل وولایت جیسا عیب نبوت میں کیسے متصور ہوسکتا ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (فتاوی فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۹۲ تا ۲۰۷)



العقائد، هل للامام أن يكون معصوماً؟ ص: ٣٦٥، ط، مكتبة البشرىٰ كراتشى)

وفي المبسوط السرخسي: ان شهادة المرأة الواحدة ليست بحجة أصلية.

(المبسوط السرخسي، باب من الطلاق، ج: ٦، ص: ١٠٦، ط، دار المعرفة بيروت لبنان)

(۲۲۴): عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالى عنهما عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: يا معشر النساء! تصدقن وأكثرن الاستغفار، فانى رأيتكن أكثر أهل النار فقالت امرأة منهن، جزلة: وما لنا يارسول الله أكثر أهل النار! قال: تكثرن اللعن، وتكفرن العشير، ما رأيت من ناقصات عقل ودين أغلب لذى لب منكن قالت يارسول الله! وما نقصان العقل والدين؟ قال: أما نقصان العقل فشهادة امراتين تعدل شهادة رجل، فهذا نقصان العقل، وتمكث الليالى ما تصلى، وتفطر فى رمضان، فهذا نقصان الدين. (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان نقصان الايمان بنقص الطاعات، وبيان اطلاق لفظ الكفر على غير الكفر بالله، ككفر النعمة والحقوق، ص: ٥١، رقم: ٢٤١، ط، دار السلام رياض)

کیا عورت نبی ورسول ہوسکتی ہے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا عورت نبی ورسول ہوسکتی ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

امام ابن کثیرؒ نے جمہور علماء کا یہی قول نقل فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو نبی یا رسول نہیں بنایا۔ بعض لوگوں نے حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں نبی ہونے کا قول نقل کیا ہے، مگر جمہور علماء کے نزدیک ان کی بزرگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا درجہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نبی یا رسول ہونا ثابت نہیں۔ (مستفاد: معارف القرآن، مکتبہ اشرفی دیوبند ۱۵۹/۵)

قَالَ تَعَالٰی: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالاً نُوْحِیْ اِلَیْھِمْ. [سورۃ یوسف، آیت: ١٠٩]

واجمعوا علی عدمها لها. (حاشية على الترمذی مع العرف الشذی ٢/٥)

يخبر تعالى انه انما أرسل رسله من الرجال لا من النساء، وهذا قول جمهور العلماء -الى- ويبقى الكلام فى ان هذا هل يكفى فى الانتظام فى سلك النبوة بمجرده املا؟ الذى عليه اهل السنة والجماعة وهو الذى نقله الشيخ ابو الحسن الاشعرى عنهم: انه ليس فى النساء نبية. الخ

(مختصر تفسير ابن كثير دار القرآن الكريم، بيروت ٢/ ٢٦٥)

قال الحسن نظرا الى هذه الاية لم يبعث الله نبيا من

بدو ولا من الجن ولا من النساء. (تفسير مظهرى، سورة يوسف: ١٠٩، مكتبه زكريا قديم ٢٠٧/٥، جديد ٧٥/٥)

قال العبد الضعيف: استدل الجمهور به على تخصيص الرسالة بالرجال. (مسائل السلوك على بيان القرآن تاج پيلشرز دهلى ٤٠/٢)

فقد اتفق الاكثرون على ان ام موسىٰ عليه السلام ما كانت من الا نبياء والرسل- الى- فكيف تصلح للنبوة، ويدل عليه قوله تعالى: "وما ارسلنا قبلك الا رجالا نوحى اليهم" [الا نبياء: ٧] **وهذا صريح فى الباب.** (التفسير الكبير للامام الرازى، بيروت ٥١/٢٢) فقط واللّٰه سبحانه وتعالىٰ اعلم۔ (فتاوى قاسميه، ج: ٢، ص: ١٨٤، ١٨٥، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند)



جناتوں کے نبی جن ہوتے تھے یا انسان؟

﴿سوال﴾:

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں سرہند حضرت مجدد الف ثانیؒ کے یہاں بار بار حاضری دینے والوں کا ایک سوال ہے، جس کو دار الافتاء بھیجا جارہا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے جو جنات دنیا میں رہتے تھے، ان کی اصلاح وہدایت کے لئے کیا نبی جنات ہی میں سے آتے تھے یا وہ سب جنات بے ایمان سرکش باغی تھے؟

(۲) اگر حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے جنات میں نبی ان ہی کی قوم میں سے

آئے ہیں، تو ان کی کتاب یا ان کا کلمہ کیا تھا؟

(۳) انسانی سلسلہ شروع ہونے کے بعد انسانوں میں انبیاء علیہم السلام آتے رہے، کیا یہی انبیاء جنات کے لئے بھی تھے، یا جنات کے انبیاء الگ ان کی ہی قوم میں سے بھیجے گئے؟

﴿الجواب وباللّٰہ التوفیق﴾:

(۱) حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے روئے زمین پر جو جنات آباد تھے، ان کی ہدایت کے لئے ان ہی میں کا نبی اور رسول بھیجا جاتا تھا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کے نصوص مختلف ہیں، اسی کے نتیجہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرنے کا سلسلہ انسانوں سے شروع ہوا ہے، یہی جمہور کا قول ہے۔ اور بعض دوسرے علماء نے یہ بیان فرمایا ہے کہ قرآن کریم کی آیت "**یا معشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم یقصون علیکم اٰیاتی وینذرونکم لقاء یومکم ھذا**" [سورۃ الأنعام: ۱۳۰] سے معلوم ہوتا ہے کہ جناتوں میں بھی نبی آیا کرتے تھے اور جو نبی آتے تھے، ان ہی کی قوم سے آیا کرتے تھے، اس اختلافی مسئلہ کے بارے میں ہم اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کن بات نہیں کرسکتے، جتنا ہم کو معلوم ہوا اتنا ہی لکھ دیا ہے۔

وخلقة الجن كان أسبق من آدم عليه السلام، وكانوا مكلفين لكونهم من ذوي العقول، ولقوله تعالى:" لأملئن جهنم منن الجنة والناس"-الى قوله-فهذه الآية تدل على أنه كان قبل آدم عليه السلام من الجن رسلا اليهم. (تفسير مظهري، سورة الأنعام، ذكر الرسل من الجن وذكر مذهب أهل الهند، مكتبه زكريا ديوبند جديد ۳/ ۳۱۳، قديم ۳/ ۲۸۹)

اذا المشهور أنه ليس من الجن رسل وأنبياء. (تفسير

روح المعانی، سورة الأنعام: ١٣١، الجزء الثامن، مكتبه زكريا ٤١/٥)

الجمهور على أنه لم يكن من الجن نبی. (الأشباه والنظائر ٥٨٥/٢)

(۲) جن لوگوں کے قول کے مطابق جنات میں نبی اور رسول تشریف لائے ہوئے ہیں، ان کے حساب سے کتاب اور کلمہ بھی ہوں گے، ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ان کی کتاب کیا تھی اور ان کا کلمہ کیا تھا؟ لیکن اتنی بات تو لازمی ہے کہ ہر نبی کا کلمہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ہوتا ہے، مگر تفصیل ہم کو معلوم نہیں۔

انسانی سلسلہ شروع ہونے کے بعد نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک انسانوں میں انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کئے جانے کا سلسلہ جاری رہا ہے، مگر جناتوں میں بھی ان ہی میں سے انبیاء اور رسل کے مبعوث کئے جانے کا سلسلہ نہیں رہا ہے، جب کہ علماء کی ایک دوسری جماعت اس بات کی قائل ہے کہ انسانوں سے پہلے اور انسانوں کے بعد جناتوں میں نبی اور رسول مبعوث کئے جانے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا ہے جیسا کہ انسانوں میں رہا ہے۔ اور یہ سلسلہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے پہلے تک جاری رہا ہے۔ اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو انسان و جنات ہر ایک کے لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبی بنا کر مبعوث کیا گیا ہے، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد انسان و جنات کسی سے بھی کوئی نبی و رسول تشریف لانے والے نہیں ہیں۔

اختلفوا في ان الجن هل ارسل اليهم منهم؟ فسئل الضحاك عنه، فقال: بلى –الى قوله– فانه لم يبعث الى كافتهم الا خاتم الرسل عليه السلام. (مظهری، سورة الانعام، ذكر الرسل من الجن ......مكتبه زكريا جد٣/٣١٣، قديم

۲۸۹/۳، مستفاد: معارف القرآن، مکتبہ اشرفی دیوبند ۳/ ۴۵۵) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۷۲ تا ۱۷۴، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



کنہیا پیغمبر ہے یا نہیں؟

﴿سوال﴾:

(الف) جو شخص کنہیا کو علیہ السلام کے لفظ سے یاد کرتا ہے اور منع کرنے پر یہ جواب دیتا ہے کہ اس کی پیغمبری کے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ قائل ہیں یہ صحیح ہے یا نہ؟

(ب) اور اس کے رسول ہونے پر اس آیت کریمہ سے استدلال کرتا ہے: ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ﴾ (سورہ یونس، آیت: ۴۷) اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

﴿الجواب﴾:

(الف) یہ غلط ہے، ان حضرت نے یہ تعیین نہیں فرمائی، اور وہ بدون کسی نص کے کیسے تعیین کر سکتے ہیں؟

(ب) یہ تو صحیح ہے اور نص سے ثابت ہے کہ ہر ایک امت کے لیے رسول مبعوث ہوا ہے، لیکن جب تک نصوص سے یہ ثابت نہ ہو کہ فلاں شخص رسول ہے اس وقت تک کسی خاص شخص کو رسول نہیں کہہ سکتے، پس جن انبیاء کا نام اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے ان کو رسول کہہ سکتے ہیں، اور جن کا نام اللہ تعالیٰ نے نہیں بتلایا، ان کو رسول نہیں کہہ سکتے اور اگر کوئی ایسا کہے تو یہ افتراء ہے اللہ تعالیٰ پر قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ (سورۂ غافر، آیت: ۷۸) یعنی بعض پیغمبروں کا ہم نے نام بتلایا ہے اور بعض نہیں بتلایا، پس جس کا نام اللہ تعالیٰ نے نہیں بتلایا اس کو متعین کر کے کہنا کہ فلاں شخص

رسول ہے جائز نہیں ہے، اس سے توبہ کرنی چاہیے، باقی یہ کہ کنہیا کون تھا اس کا حال مفصل معلوم نہیں ہے، اتنا سنا گیا ہے ہندوؤں کا کوئی اوتار تھا، اس سے زیادہ معلوم نہیں ہے۔(۲۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۷٦، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند)



رام کرشن، گوتم بدھ اور رام چند پیغمبر تھے یا نہیں؟

﴿سوال﴾:

کرشن اور گوتم بدھ پیغمبر تھے یا نہیں؟ اور ان کو پیغمبر عقیدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

ان کی نبوت پر کوئی دلیل شرعی بہ تخصیص وارد نہیں ہے اور بلا دلیل شرعی اعتقاد ان کی نبوت کا کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

﴿سوال﴾:

ایک مسلمان رام کرشن ورام چندر بدھ کو برحق نبی یقین رکھتے ہوئے یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، اور کرشن ورام چندر و بدھ کی تعلیم کی ضرورت بھی نہیں رہی، اس عقیدہ میں خواجہ حسن نظامی اور شامی عالم جوتر کی وفد کے ہمراہ جاپان میں اشاعت اسلام کے لئے گئے تھے آیت: ﴿وَرُسُلاً قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلاً لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ﴾ (سورۂ نساء، آیت: ١٦٤) سے دلیل پکڑتے ہیں۔

﴿الجواب﴾:

قطعی اور یقینی طور سے یہ کہہ دینا کہ رام چندر کرشن وغیرہ نبی تھے جائز نہیں ہے، یہ امر بہ ذریعہ وحی کسی نبی کو ہی معلوم ہوسکتا ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب تک وحی

(۲۲۵) کنہیا کرشن کو کہتے ہیں۔ (فیروز اللغات)

سے یہ معلوم نہ ہوا کہ فلاں شخص نبی ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی نبوت کا اظہار نہ فرمایا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: لاأدری أتبع نبی أم لا؟: نہیں جانتا کہ تبع نبی تھے یا نہیں؟ وفی معالم التّنزیل بسنده عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم: ما أدری تبّع أ کان نبیًّا أوغیر نبی (٢٢٦) الغرض جن انبیاء کا نام اللہ تعالیٰ نے نہیں بتلایا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی نبوت ظاہر نہیں فرمائی، ان کی نسبت یقین نبوت کر رکھنا خلاف حکم شریعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ١٨، ص: ٢٧٦، ٢٧٧، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند)



(٢٢٦): أخبرنا أبو سعید الشریحی، أخبرنا أبو اسحاق الثعلبی، أخبرنی ابن فنجویه، حدثنا ابن أبی شیبة، حدثنا محمد بن علی بن سالم الهمدانی، حدثنا أبو الأزهر أحمد بن الأزهر النیسابوری، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن ابن أبی ذئب، عن المقبری، عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالی عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: ما أدری تبع نبیاً کان أو غیر نبی. وفی حاشیة معالم التنزیل تحت هذا الحدیث: أخرجه الحاکم: ١/ ٣٦، والبیهقی فی السنن ٨/ ٣٢٩، وعزاه الحافظ ابن حجر فی الکافی الشاف ص (١٤٨) للثعلبی من طریق عبدالرزاق عن معمر عن ابن أبی ذئب عن المقبری. وانظر: سلسلة الأحادیث الصحیحة: ٥/ ٢٥١-٢٥٣. (معالم التنزیل، سورة الدخان، الآیة: ٣٧، ج: ٧، ص: ٢٣٥، ط، دار طیبة ریاض)

گوتم بدھ، زرتشت اور کنفیوشس کو نبی یا رسول کہنا

﴿سوال﴾:

گوتم بدھ، زرتشت اور کنفیوشس تاریخ کے نامور شخصیات گزرے ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ انبیا تھے کیونکہ ان کی تعلیمات بھی انبیاء کی تعلیمات سے مشابہہ ہیں۔ کیا ان کو نبی یا رسول کہنا درست ہے یا نہیں؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

نصوص میں جن حضرات کی نبوت ورسالت کا تذکرہ ان کے ناموں کے ساتھ نہ ہو تو ایسی صورت میں شریعت کی تعلیم یہی ہے کہ بندہ یہ عقیدہ رکھے کہ جتنے بھی انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں، ان سب پر ہمارا ایمان ہے(۲۲۷)، اس کے

---

(۲۲۷): فی شرح الفقه الأكبر: وقد ورد فی مسند أحمد رحمه الله أنه عليه الصلاة والسلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فقال مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا والرسل منهم ثلاثمائة وثلاثة عشر أولهم آدم عليه الصلاة والسلام وآخرهم محمد صلى الله عليه وعلى آله وسلم وهو لاينافی قوله تعالى ولقد أرسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك فان نبوت الاجمال لاينافی تفصيل الاحوال نعم الأولى أن لايقتصر على الاعداد فان الآحاد لاتفيد الاعتماد فی الاعتقاد بل يجب كما قال الله تعالىٰ كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله أن يؤمن ايمانا اجماليا من غير تعرض لتعدد الصفات وعدد الملائكة والكتب والأنبياء وأرباب الرسالة من الاصفياء. (شرح الفقه الأكبر، بحث فی أن الأنبياء منزهون عن الكبائر والصغائر، ص: ٥٥، ط، دار الكتب العربية الكبرىٰ مصر)

وفی الشامية: قوله: (كالايمان بالأنبياء) لأن عددهم ليس بمعلوم قطعاً: فينبغی أن يقال: آمنت بجميع الأنبياء أولهم آدم وآخرهم محمد عليه وعليهم الصلاة والسلام. معراج. فلايجب اعتقاد أنهم مائة ألف وأربعة وعشرون ألفاً، وأن

ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں کے بارے میں بعض تاریخی کتب میں نبوت ورسالت کے ساتھ ان کا تذکرہ ہے تو ان میں جو حضرات، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے گزرے ہوں اور ان کی تعلیمات انبیاے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے ساتھ موافق بھی ہوں، لیکن جب نبوت ورسالت کے بارے میں قرآن وحدیث ان کی تعیین سے خاموش ہیں تو ایک مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایسی شخصیات کی نبوت کا عقیدہ رکھے، بلکہ اس کے بارے میں سکوت اختیار کرے، تاکہ کہیں کسی غیر نبی کو نبی قرار نہ دیا جائے۔

چنانچہ صورت مسئولہ میں گوتم بدھ، زرتشت اور کنفیوشس کے عقائد اور تعلیمات اگر انبیائے کرام علیہم السلام کے موافق ہوں، پھر بھی ان کے بارے میں تعیین کے ساتھ نبوت ورسالت کا عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے، بلکہ اس بارے میں سکوت اور توقف کرنے میں احتیاط ہے۔

والدليل على ذلك:

وأما الأنبياء والمرسلون، فعلينا الايمان بمن سمى اللّٰه تعالىٰ فى كتابه من رسله، والايمان بأن اللّٰه تعالىٰ أرسل رسلاً سواهم وأنبياء لايعلم أسمائهم وعددهم الا اللّٰه تعالىٰ الذى أرسلهم.

ترجمہ: ان رسولوں اور انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان لانا لازم ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سواء اور انبیائے کرام کو بھی بھیجا ہے جن کی تعداد اور اسما اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

(فتاوی عثمانیہ، ج:۱، ص:۱۱۴، ۱۱۵، ط، العصر اکیڈمی پشاور)



الرسل منهم ثلاثمائة وثلاثة وعشرون، لأنه خبر آحاد. (ردالمحتار على الدرالمختار،

مہاتما بدھ اور گرونانک انبیاء میں سے تھے

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض حضرات "لکل قوم ھاد" الآیۃ سے استدلال کرتے ہوئے مہاتما بدھ اور گرونانک کو نبی سمجھتے ہیں، کیا یہ بات صحیح ہے؟ قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ثبوت موجود ہے کہ یا نہیں اگر ہو تفصیلا ذکر کر دیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام کی دو رائیں ہیں ایک یہ "ہاد" سے مراد خود باری تعالیٰ کی ذات گرامی ہے اگر یہ تفسیر مراد ہو تو پھر یہ سوال سرے سے ختم ہو جاتا ہے اور اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ "آپ ڈرانے والے ہیں کہ قوم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں ہدایت سے سرفراز فرماتے ہیں" اور دوسری رائے یہ ہے کہ یہاں "ہاد" سے مراد صرف انبیاء کرام کی ذات گرامی ہی نہیں بلکہ انبیاء کے ساتھ ساتھ ان کے قاصدین بھی شامل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی خطہ اللہ کی دعوت دینے والوں سے خالی نہیں رہا اس سے مراد صرف انبیاء نہیں بلکہ انبیاء کی طرف سے ان کے متبعین بھی ہو سکتے ہیں جو انبیاء کی دعوت کو لے کر دور دراز علاقوں تک پھیل گئے، لہٰذا اس آیت سے یہ استدلال کرنا کہ ہندوستان میں کوئی نہ کوئی نبی ضرور پیدا ہوگا اور جب کسی اور کے آثار نہیں ملتے تو مہاتما بدھ اور گرونانک ہی کے بارے میں کہہ جاتا ہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی تھے، البتہ ان کے متبعین بعد میں گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں اس وجہ سے ان کی اتباع کرنے والے بت پرست یا دوسری شرکیہ کاموں میں مبتلا ہو گئے، بلا دلیل

کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، مطلب فی عدد الأنبیاء والرسل عیهم الصلاۃ والسلام، ج: ٢، ص: ٢٤٢، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

ہے، خاص طور پر مذہب کی کتابوں میں ان کے نام انبیاء کی فہرست میں موجود نہیں ہیں لہٰذا ہم ان کے بارے میں یقینی طور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ انبیاء میں سے تھے یا نہیں، اورمزید یہ کہ ہمیں اس فیصلے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جن انبیاء کا اللہ تعالیٰ نے خود ذکر کیا ان پر ایمان لانا ضروری ہے اور جن کا نام نہیں لیا اس میں ہم صرف اس کے مکلّف ہیں کہ اجمالی ایمان لائیں کہ اس کے علاوہ جتنے بھی انبیاء تھے ہم ان سب پر ایمان لاتے ہیں اس میں مہاتما بدھ یا گرونانک کی صراحت کی ضروری ہی نہیں (۲۲۸)۔

لما فی قوله تعالى: وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

---

(۲۲۸): **فی شرح الفقه الأكبر: وقد ورد فی مسند أحمد رحمه اللّٰه أنه عليه الصلاة والسلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فقال مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا والرسل منهم ثلاثمائة وثلاثة عشر أولهم آدم عليه الصلاة والسلام وآخرهم محمد صلى اللّٰه عليه وعلى آله وسلم وهو لاينافى قوله تعالى ولقد أرسلنا رسلا من قبلک منهم من قصصنا عليک ومنهم من لم نقصص عليک فان نبوت الاجمال لاينافى تفصيل الاحوال نعم الأولى أن لايقتصر على الاعداد فان الآحاد لاتفيد الاعتماد فی الاعتقاد بل يجب كما قال اللّٰه تعالىٰ كل آمن باللّٰه وملائكته وكتبه ورسله أن يؤمن ايمانا اجماليا من غير تعرض لتعدد الصفات وعدد الملائكة والكتب والأنبياء وأرباب الرسالة من الاصفياء.** (شرح الفقه الأكبر، بحث فی أن الأنبياء منزهون عن الكبائر والصغائر، ص: ٥٥، ط، دار الكتب العربية الكبرىٰ مصر)

وفی الشامية: قوله: (كالايمان بالأنبياء) لأن عددهم ليس بمعلوم قطعاً: فينبغی أن يقال: آمنت بجميع الأنبياء أولهم آدم وآخرهم محمد عليه وعليهم الصلاة والسلام. معراج. فلايجب اعتقاد أنهم مائة ألف وأربعة وعشرون ألفاً، وأن الرسل منهم ثلاثمائة وثلاثة وعشرون، لأنه خبر آحاد. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فی عدد الأنبياء والرسل عيهم الصلاة والسلام، ج: ٢، ص: ٢٤٢، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ. (الرعد)

وفـي التفسير الوسيط (٣/٢): ولكل قوم هاد اى نبى وداع الـى الـلّٰـه يـدعوهم بما يعطى من الايات لا بما يريدون ويتـحـكـون وهذا قول ابن عباس ومجاهد وقتادة وقال سعيد بـن جبيـر وعـطية والـضـحـاک الهـادى هو اللّٰـه عزوجل و المعنى انت منذر تنذر واللّٰه هادى كل قوم يهدى من يشاء.

وفـي الـتـفسيـر القرطبى(٥/٢٨٥): (انما انت منذر) اى مـعـلـم (ولـكـل قـوم هاد) اى نبى يدعو هم الى اللّٰه وقيل الهـادى الـلّٰـه اى عليـک الانذار واللّٰه هادى كل قوم ان اراد هدايتهم.

وفـي الـتـفيسر المنير (١١٥/١٣): لكل قوم هاد اى نبـى يـدعـوهـم الـى اللّٰه وقيل الهادى اللّٰه اى عليـک الانذار والـلّٰـه هادى كل قوم ان اراد هدايتهم. (نـجم الفتاوی، ج: ١، ص: ٢٤١،٢٤٠)



معجزہ کا بیان

معجزہ وکرامت

﴿ســـوال﴾:

کرامة الولی، معجزة النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم من أفعال اللّٰہ التکوینة المختصة بہ الخارق للعادة، لیست من أفعال الولی والنبی، ومقدوراتھا وان کان قد یکون المظھر لھما: الولی والنبی.وصلی اللّٰہ تعالی علی خیر خلقہ محمد والہ وأصحابہ أجمعین.

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

الأمر الخارق للعادة ان صدر من الولی فھو الکرامة، وان صدر من النبی صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم علامةً وتصدیقاً للنبوة فھو المعجزة (۱).

---

(۱): فی شرح الفقہ الأکبر: والآیات وخوارق العادات المسماة بالعجزات للانبیاء علیھم الصلاة والسلام والکرامات للاولیاء حق أی ثابت بالکتاب والسنة.......والحاصل أن الأمر الخارق للعادة ھو بالنسبة الی النبی معجزة سواء ظھر من قبلہ أو من قبلہ أمتہ لدلالتہ علی صدق نبوتہ وحقیة رسولتہ فبھذا الاعتبار جعل معجزة لہ و الا فحقیقة المعجزة أن تکون مقارنة للتحدی علی ید المدعی وبالنسبة الی الولی کرامة. (شرح الفقہ الأکبر، بحث فی أن خوارق العادات للانبیاء و الکرامات للاولیاء حق، ص: ٦٩، ط، دار الکتب العربیة الکبریٰ مصر)

وفی الشامیة: فالحاصل أن الأمر الخارق للعادة بالنسبة الی النبی معجزة، سواء ظھر من قبلہ أو من قبل آحاد أمتہ، وبالنسبة الی الولی کرامة لخلوة عن دعوی النبوة، وتمامہ فی شرح العقائد وشرحھا. (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب العدة، مطلب فی ثبوت کرامات الأولیاء والاستخدامات، ج:٥، ص:

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلوۃ علی سید المرسلین وعلی اله وأصحابه أجمعین. فقط واللّٰہ تعالی اعلم. (فتاوی محمودیه، ج: ١، ص: ٥١٨)



معجزہ کیا ہے؟

﴿سوال﴾:

معجزہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے، زید کہتا ہے معجزہ کے صدور میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قصد وارادہ کو دخل ہوتا ہے، عمرو کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قصد وارادہ کو دخل نہیں، زید بطور استدلال شرح مواقف کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرتا ہے: عمرو کہتا ہے کہ اس عبارت کا یہ مفہوم نہیں، نفس عبارت کا بظاہر مفہوم یہ ہے کہ قدرت اللہ کی استعمال نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیار میں ہے۔ (عبارت مندرجہ ذیل ہے)

"قال الأروکی هل یتصور کون المعجزة مقدورة الرسول أم لا؟ اختلف الأئمة فذهب بعضهم الی أن المعجزة فیما ذکر من المثال لیس هو الحرکة بالصعود والمشی لکونها مقدورة له بخلق اللّٰہ فیه القدرة علیها انها المعجز هناک هو نفس القدرة علیها وهذه القدرة لیست مقدورة له وذهب آخرون الی أن نفس هذه الحرکة معجزة من جهة کونها خرقة العادة ومخلوقة للّٰہ تعالی وان کانت مقدورة

٢٤٦، ٢٤٧، ط، دار عالم الکتب الریاض)

(وکذا فی شرح العقائد النسفیة، مبحث المعجزات وأقسام الخوارق، ص: ٣١٥، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

لنبی اللّٰہ تعالیٰ وھو صحیح". (شرح المواقف: ٦٦٦)
برائے مہربانی صحیح صورت حال سے آگاہ فرمائیں۔

﴿الجواب باسم الملک الوھاب﴾:

بندہ کے خیال میں یہ نزاع لفظی ہے اور عبارت مذکورہ کا مفہوم میرے خیال میں یہ ہے کہ اختلاف اس میں ہے کہ معجزہ کیا ہے؟

ا۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ خارق عادت فعل جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صادر ہو، وہ بذات خود معجزہ نہیں ہے، بلکہ اس فعل کے صدور پر قدرت، یہ معجزہ ہے اور یہ قدرت بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔

۲۔ اس کے برخلاف دیگر حضرات کی رائے یہ ہے کہ محض وہی فعل جو کہ خارق عادت ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صادر ہوا ہے وہ بذات خود معجزہ ہے، اور وہ بھی خلق اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اگر چہ کسب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے اور قول اول میں جو فعل کے صدور کی قدرت ہے یہ خلق کے معنی میں ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں کے نزدیک متفق علیہ ہے، خلاصہ یہ کہ لفظ قدرۃ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے ایک خلق کے معنی میں اور دوسرے کسب کے معنی میں، جیسا کہ شرح مواقف: ص ۶۲۵ سے واضح ہو رہا ہے اور مسئلہ مذکورہ میں اپنے دونوں معانی میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ اوپر بتلایا گیا ہے۔

۳۔ کتاب شرح المواقف کے مطابق معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے انبیاء کی تصدیق کے لیے ان کے ہاتھوں ظاہر ہوتا ہے، جو عبارت سوالنامہ میں ذکر کی گئی ہے، اس کے حاشیہ میں عبدالحکیم سیالکوٹیؒ فرماتے ہیں:

اس کا مقصد "تصدیق نبی علیہ السلام ہے، غیر کے سامنے":

"(قوله وھو اصح، لان المقصود بتصدیق النبی علیه السلام بتعجیز الغیر وھو حاصل)".

چونکہ زید کے سامنے اس عبارت کی وضاحت موجود نہیں تھی، اس لیے اس نے یہ

بات کہی ہے، لہٰذا مندرجہ بالا حاشیہ اور مندرجہ ذیل عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ عمرو کا قول قوی ہے۔

"أن یکون الفعل اللّٰہ تعالی أو ما یقوم مقامه من تروک وانما اشترط ذلک (لان تصدیق منه) أی من اللّٰه تعالی (لایحصل بما لیس من قبله وقولنا: أو ما یقوم مقامه یناول التعریف (مثل ما اذا قال: معجزة أن اوع ید علی رأسی وأنتم لا تقدرون علیه أی علی وضع أیدیکم علی رؤسکم (ففعل وعجزوا فانه المعجز)". (شرح المواقف: ٤/٦٢٥)فقط واللّٰہ تعالی اعلم بالصواب۔(ارشاد المفتین، ج: ۱، ص: ۲۳۸،۲۳۷، ط، مکتبة الحسن لاهور)



معجزہ سے ثبوت نبوت پر اشکال کا جواب

﴿سوال﴾:

چونکہ بودن امر خارق معجزہ یا کرامت موقوف بصلاح شدہ وصلاح عبارتست ازمتابعت شریعت ومطابعت حکم الٰہی پس معلوم کردن صلاح ولی گوآسان ست اگر متابعت کتاب الٰہی وفرمودہ رسول میکند خوب ورنہ صالح نخواہد شد اما معلوم کردن صلاح رسول مشکل ست چرا کہ آں معلومی شود بمتابعت شریعت وکتاب الٰہی وحضرت ماسرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مثلاً دین وکتاب سابق رامنسوخ میگویند وآنکہ خوداو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیان می فرمایند موقوف است بہ رسول بودن او، وآں بصلاح پس دور خواہد آمد پس بنابراین ہر پیغمبر راضرور شد کہ متابعت شریعت سابق کردہ باشد خلاف آن نورزد، دیگر آں کہ برتقدیر اثبات رسالت سرور عالم سردار قافلہ انبیاء لابدی شد از تصدیق کامل کامل علماء دین سابق واہل

کتاب آں بایں طور کہ بگویند کہ بے شک عمل او خوب موافق شریعت است خلاف حکم اللہ ورسول نمی ورزد، تا کہ خرق عادت از کرامت شمردہ شود، بعد از صلاح دعویٰ پیغمبر کند ومعجزہ بنماید قابل تسلیم خواہد بود درین صورت دخرابی می آید یک آنکہ حضرت سید ولد آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در اثبات رسالت خود محتاج ایشان می شود پس لازم می شود فضلیت ایشان بر حضرت وایں باطل است دیگر آن کہ این یافتہ ہم نشدہ اگر چہ بعض اہل کتاب مثلاً عبد اللہ بن سلامؓ تسلیم کردہ اند، لیکن بعض کبار ایشان انکار ہم کردہ اند چنانچہ در بخاری شریف کتاب المغازی حدیث ست کہ اگر ایمان بیاوردی بر ہفت کس یہود پس ایمان بیاوردند، ہمہ یہود شارحین میگویند کہ این ہفت کس علماء ایشان بودند دیگر ہمہ یہود اتباع ومقلدین ایشان رابو دند پس اگر ایشاں قبول ایمان میکردندے پس ضرور ایشاں ہم منور بایمان می شدندے (۲)، چونکہ این چنیں علمائے نکار کردند ہمچنیں علمائے نصاریٰ انکار کردہ باشند پس چہ طور منکر آن زمانہ راالزام دادہ شود و چونکہ ذابت آنکہ اختلاف طور ثابت خواہد شد پس ایمان آوردن بر وچہ طور واجب خواہد شد واین کہ فرقہ منکرین در کتاب تحریف وتبدیلی می کردند ورنہ صفتِ حضرت وعلامات وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در توراۃ وانجیل مسطور بود اینہم مجزوم وقطعی می شود گاہیکہ ثابت بودن او فرمودۃ الٰہی وآں گاہے ثابت می شود کہ رسول خبر دہد چونکہ رسول را رسول بودن ہنوز موقوف ست پس خبر او چہ طور مثبت علم یقینی می شود حاصل آں کہ حضرت دعویٰ پیغمبری کردہ چونکہ رجوع بعلمائے زمانہ کردن وفرقہ یافتند بعضے تسلیم کردہ مشرف بہ ایماں شدند دیگرے

---

(۲): عن أبی هريرة رضی الله تعالی عنه عن النبی صلی الله تعالی عليه وسلم قال: لو آمن بی عشرة من اليهود لآمن بی اليهود. وفی منحة الباری تحت هذا الحديث: لو آمن بی عشرة قبل قدومی المدينة، أو عقب قدومی، أو عشرة من رؤسائهم لتابعهم الكل. (منحة الباری شرح صحيح البخاری، كتاب مناقب الأنصار، باب اتيان اليهود النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، ج: ۷، ص: ۲۰۰، ۲۰۱، ط، مكتبة الرشد ناشرون)

انکار کردہ بچاہِ ضلالت درافتادند اما یکے راحق شمردن ودیگرے را ضلالت شمردن بحکم معلوم می شود چرا کہ محض فرمودۂ حضرت ما صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دریں جا درباب اثبات رسالت کار نمید ہد ومعجزہ صلاح معجزہ نمی شود؟ فقط

﴿الجواب﴾:

نبوت حضرات انبیاء علیہم السّلام امر عقلی ست محتاج دلیل نقلی نیست وبریں امر عقلی دلیل انی صدور معجزات است کہ مقترن باشد بدعویٰ نبوت وغرض خاص از اظہارش اثبات نبوت باشد وبدان معجزہ تحدی نماید واز اہل باطل گاہی باین طور صدور خوارق بظہور نیامدہ کہ درسنت اللہ ممتنع عادیست واز لوازم عادیہ صدور معجزات پیدا شدن علم ضروری ست بہ صدق مصدر آن درذہن ناظر۔

وبھذا انحل جمیع الاشکالات. فتدبرو اللّٰہ اعلم. (امدادالفتاوی، ج:١١، ص:٥٣٩تا٥٤١، ط، زکریا بک ڈپو الہند)



کرامت اور معجزات کے بارے میں بہار شریعت نامی کتاب کی تحقیق پر نظر

﴿سوال﴾:

بہار شریعت نامی کتاب میں ص ٦٣ پر ولایت کے بیان میں لکھا ہے کہ مردہ زندہ کرنا، مادرزاد اندھے کو شفا دینا، مشرق سے مغرب تک تمام زمین ایک قدم میں طے کرنا غرض تمام خوارق عادات اولیاء سے ممکن ہیں، سوائے اس معجزہ کے جس کی جس بابت دوسروں کیلئے ممانعت ثابت ہو چکی ہے۔ جیسے قرآن مجید کے مثل کوئی سورۃ کالانا یا دنیا میں بیداری کے حالت میں دیدار الٰہی کا کرنا یا کلام حقیقی سے مشرف ہونا اس کا جو اپنے لئے یا کسی ولی کیلئے

دعویٰ کرے۔ وہ کافر ہے۔ اس عبارت کے بارے میں اپنا نکتہ نظر بیان کریں؟

﴿الجواب﴾:

اس قائل کا اول الذکر کلام حق ہے۔ البتہ آخر میں کفر کا فتویٰ علی الاطلاق غیر حق ہے، ولعل هذا القائل اخذ هذا من رد المحتار ص ۵۵۲ جلد ۳ (۳) والحاصل انه لا خلاف عندنا فی ثبوت الكرامة و ان الخلاف فی ما كان من جنس المعجزات الكبار والمعتمد الجواز مطلقا ولا فيما ثبت بالدليل عدم امكانه كالاتيان بسورة وتمام الكلام على ذالک فی حاشية رد المحتار. وهو الموفق. (فتاوی فریدیه، ج: ۱، ص: ۵۴۲)



(۳): فی الشامية: قال فی البزازية: وقد ذكر علماؤنا أن ما هو من المعجزات الكبار: كاحياء الموتى، وقلب العصا حية، وانشقاق القمر، واشباع الجمع من الطعام، وخروج الماء من بين الأصابع اجراؤه كرامة للولی، وطی المسافة منه لقوله عليه الصلاة والسلام زويت لی الأرض فلو جاز لغيره لم يبق فائدة للتخصيص، لكن فی كلام القاضی أبی زيد ما يدل على أنه ليس بكفر اهـ.

قلت: ويدل له ما قالوا فيمن كان بالمشرق وتزوج امرأة بالمغرب فأتت بولد يلحقه، فتأمل. وفی التاتارخانية أن هذه المسألة تؤيد الجواز. وقد قال العلامة التفتازانی بعد أن حكى عن أكثر المعتزلة المنع من اثبات الكرامات للأولياء، وان الأستاذ أبا اسحاق يميل الى قريب من مذهبم، وحكى ما قدمناه، وأن امام الحرمين قال: المرضی عندنا تجويز جملة خوارق العادات فی معرض الكرامات. ثم قال: نعم قد يرد فی بعض المعجزات نص قاطع، على أن أحداً لايأتی بمثله أصلاً كالقرآن، ثم ذكر بقية الأقوال: ثم قال: والانصاف ما ذكره الامام النسفیؒ حين سئل عما يحكى أن الكعبة كانت تزور واحداً من الأولياء، هل يجوز القول به فقال: نقض العادة على سبيل الكرامة لأهل الولاية جائز عند أهل السنة. (كتاب الجهاد، باب

شعبدہ بازی، کرامت اور معجزہ میں فرق

﴿سوال﴾:

ایک شخص شعبدہ بازیاں کرتا ہے، اس کو کرامات اور معجزات کہتا ہے اور تمام شعبدوں کو شریعت اسلامیہ سے منسوب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جو حالات رات کو ہوتے ہیں وہ تمام اور آئندہ ہونے والے تمام واقعات مجھ پر ظاہر اور روشن ہیں، میرے قبضہ میں جن یا مؤکل ہیں، یہ مجھے سب خبریں پہونچا دیتے ہیں اور جس کو ٹخنوں یا گھٹنوں میں درد ہو وہ اس کے پاس جاتے ہیں۔ اور وہ شخص کہتا ہے کہ تم کو گنڈے ہیں میں ابھی نکالتا ہوں، چنانچہ سوا گیارہ روپے فیس لیکر تختہ دیوار کو لیکر یا صحن کو کھدوا کر ایک ٹکڑا ٹین کا نکالتا اور کہا ہے کہ اس میں جو بت کاغذ میں لپٹا ہوا ہے اس کو دریا میں پھینک دو اور تم اچھے ہو جاؤ گے۔ اور بعض پوچھتے ہیں کہ میرا لڑکا بیمار ہے، سر کو نہیں اٹھاتا، آنکھیں نہیں کھولتا اس کی نسبت پختہ خبر دے دو کہ اس کو کیا ہو گیا ہے تو ان کو یا تو کتاب کھول کر اس کی بیماری کی وجہ بتائی جاتی ہے اور اس کے صحت پانے کا دن بتایا جاتا ہے یا ایک سفید کاغذ کا ٹکڑا دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کو آگ کے اوپر رکھدیں جو واقعات ہوں گے جنات اس پر لکھ جائیں گے، جس کو آگ پر رکھنے سے مضمون واضح ہو جاتا ہے کہ یہ فلاں دن مر جائے گا یا اچھا ہو جائے گا۔

وہ چوتھے حصہ سر کا مسح بھی اس وجہ سے کہ اس کے سر پر بال نہیں گنجا ہے چھوڑ دے اور نماز خود بھی پڑھے اور امامت کرے اور اپنے اردگرد لکیر کھینچ کر کچھ افسوں پڑھتے پڑھتے خود کو مانند بے ہوش کے کر دیتا ہے اور مخاطب کو کہتا ہے کہ دیکھ اور پوچھ کیا پوچھتا ہے۔ اور اس حالت میں بے تیل چراغ جلانا اور کچھ چیزوں کا چھت سے گرانا اور گم شدہ چیزوں اور پیٹ کے حمل سے مطلع کرنا اور خلاف مرضی حاکم کے فیصلہ کرانے کا مدعی ہونا۔ اور کیا ان لوگوں

المرتد، مطلب في كرامات الأولياء، قبيل باب البغاة، ج: ٦، ص: ٤٠٩، ٤١٠، ط، دار عالم الكتب رياض)

کے حق میں جواس کے بھائی ہوں ان باتوں پر یقین وعمل کریں اور اس کو اولیاء اللہ سمجھیں؟ فقط۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

غیب کا تمام علم خدا کے سوا کسی کو نہیں (۴)، جواس کا مدعی ہے وہ نص قطعی کا منکر ہے

---

(۴):**قال اللّٰہ تعالیٰ: قل لآ اقول لکم عندی خزآئن اللّٰہ ولا اعلم الغیب.الخ.** (سورۃ الانعام: ٥٠)

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوٓء. ان انا الا نذیر وّبشیر لقوم یؤمنون. (سورۃ الاعراف: ١٨٨)

وقال اللّٰہ تعالیٰ: فقل انما الغیب للّٰہ فانتظروا انی معکم من المنتظرین. (سورۃ یونس: ٢٠)

عن مسروق قال: کنت متکئا عند عائشة، فقالت: یا ابا عائشة ! ثلاث من تکلم بواحدة منهن فقد اعظم علی اللّٰه الفریة، قلت ما هن ....قالت ومن زعم انه(ﷺ) یخبر بما یکون فی غد. فقد اعظم علی اللّٰه الفریة، واللّٰه یقول: قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللّٰه.(النمل: ٦٥) (رواه مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول اللّٰه عزوجل: ولقد رءاه نزلة اخریٰ، ج: ١، ص: ٤٤٣، ٤٤٤، ٤٤٥، رقم: ٤٣٩، ط، مکتبة بشریٰ کراتشی)

عن ابی الحسین، اسمه خالد المدنی قال: کنا بالمدینة یوم عاشوراء. والجواری یضربن بالدف ویتغنین. فدخلنا علی الربیع بنت معوذ. فذکرنا ذلک لها. فقالت: دخل علی رسول اللّٰهﷺ صبیحة عرسی وعندی جاریتان تغنیان وتندبان آبائی الذین قتلوا یوم بدر. وتقولان، فیما تقولان: وفینا نبی یعلم ما فی غد. فقال: اما هٰذا، فلا تقولوه. مایعلم ما فی غد الا اللّٰه. (رواه ابن ماجة، کتاب النکاح، باب الغناء والدف، ص: ١٣٦، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

وأخرج ابن مردویه عن سلمة بن الاکوع قال: کان رسول اللّٰهﷺ فی قبة

نہ ایسا دعوی کرنا جائز ہے، نہ خدا کے سوا کسی کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا جائز (۵)۔ سوال میں جو مذکور ہے وہ بہت معمولی بات ہے بہت چھوٹے چھوٹے آدمی بلکہ غیر مسلم ایسا کر لیتے ہیں، ان چیزوں کو کرامات یا معجزات سے کوئی تعلق نہیں (٦) کرامات اولیاء اللہ سے صادر

حمراء اذ جاء رجل على فرس فقال له: من انت؟ قال: انا رسول الله. قال: متى الساعة؟ قال: غيب، وما يعلم الغيب الا الله. قال: ما فى بطن فرسى؟ قال: غيب، وما يعلم الغيب الا اللّٰه. قال فمتى تمطر؟ قال: غيب، وما يعلم الغيب الا الله. (الدر المنثور فى التفسير بالمأثور، ج: ١١، ص: ٦٦٥)

(٥): **ثم اعلم ان الانبياء علهيم الصلاة والسلام لم يعلموا المغيبات من الاشياء الا ما علمهم اللّٰه تعالىٰ أحيانا. وذكر ان الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد ان النبى عليه السلام يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ قل لايعلم من فى السموات والارض الغيب الا اللّٰه. كذا فى المسايرة.** (شرح الفقه الاكبر للملاعلى القارى، مسئلة فى أن تصديق الكاهن بمايخبر به من الغيب كفر، ص: ١٣٧، ط، دار الكتب العربية الكبرى، مصر)

اعتقاد اینکه کسے غیر حق سبحانه حاضر وناظر، وعالم خفی وجلی در هر وقت وهر آن است، اعتقاد شرک است. (مجموعة الفتاوىٰ على هامش خلاصة الفتاوى، ج: ٤، ص: ٣٣١، ط، مكتبه رشيديه)

واما من قال: ان نبينا أو غيره أحاطه بالمغيبات علماً كما أحاط علم اللّٰه بها، فقد كفر. (حاشية الصاوى على الجلالين، ١٨٨/٢، بحواله كتاب النوازل، ج: ٢، ص: ١٧٠)

(٦): **قال علماؤنا رحمة اللّٰه عليهم: من اظهر اللّٰه تعالىٰ على يديه ممن ليس بنبيّ كرامات و خوارق للعادات، فليس ذلك دالّاً على ولايته.** (الجامع لاحكام القرآن للقرطبى، ج: ١، ص: ٤٤٣، ط، مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان)

قال العلامة على بن سلطان محمد القارى رحمه اللّٰه تعالىٰ: ان الفراسة ثلاثة أنواع: فراسة ايمانية وسببها نور يقذفه اللّٰه تعالىٰ فى قلب عبده .....وفراسة

ہوتی ہیں اور معجزہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے (۷)، نبوت ختم ہوچکی ہے اب قیامت تک کوئی بھی نبی نہیں آئے گا اور جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ کافر ہوگا (۸)، کرامت اولیاء

رياضية، وهي التي تحصل بالجوع، والسهر والتخلي، فان النفس اذا تجردت عن العوائق والعلائق باخلائق صار لها من الفراسة، والكشف بحسب تجردها، وهذه فراسة مشتركة بين المؤمن والكافر، ولاتدل على ايمان ولاعلى ولاية، ولاتكشف عن حق نافع، و لاعن طريق مستقيم، بل كشفها من جنس فراسة الولاة، وأصحاب عبارة الرؤيا والأطباء و نحوهم.....الخ. (شرح فقه الاكبر لملاعلى القارى، ص: ٧٠، ط: دارالكتب العربية الكبرى، مصر/وكذا فى تفسير ابن كثير، ج: ١، ص: ٢٣٢، ٢٣٣، ط: دارطيبة، المملكة العربية السعودية)

(٧): فى شرح الفقه الأكبر: والآيات وخوارق العادات المسماة بالمعجزات للانبياء عليهم الصلاة والسلام والكرامات للاولياء حق أى ثابت بالكتاب والسنة....والحاصل أن الأمر الخارق للعادة هو بالنسبة الى النبى معجزة سواء ظهر من قبله أو من قبل أمته لدلالته على صدق نبوته وحقية رسالته فبهذا الاعتبار جعل معجزة له و الا فحقيقة المعجزة أن تكون مقارنة للتحدى على يد المدعى وبالنسبة الى الولى كرامة. (شرح الفقه الأكبر، بحث فى أن خوارق العادات للانبياء والكرامات للاولياء حق، ص: ٦٩، ط، دار الكتب العربية الكبرىٰ مصر)

(وكذا فى ردالمحتار عى الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب فى ثبوت كرامات الأولياء والاستخدامات، ج:٥، ص: ٢٤٦، ٢٤٧، ط، دار عالم الكتب رياض)

(٨):قال الله تبارك وتعالى: ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين. (الأحزاب: ٤٠)

وعن أبى هريرة رضى الله عنه: أن رسول الله ﷺ قال: ان مثلى ومثل الأنبياء من قبلى كمثل رجل بنى بيتاً فأحسنه وأجمله الا موضع لبنة من زواية فجعل الناس يطوفون به ويعجبون له ويقولون: هلا وضعت هذه اللبنة؟ قال: فأنا اللبنة، وأنا خاتم

. . . .

النبيين. (صحيح البخارى، كتاب المناقب، باب خاتم النبيين ﷺ، ص: ٧٢٧، رقم: ٣٥٣٥، ط، دار السلام رياض)

وعن مصعب بن سعد، عن أبيه، أن رسول اللّٰه ﷺ خرج الى تبوك واستخلف عليا فقال: أتخلفنى فى الصبيان والنساء؟ قال: ألا ترضى أن تكون منى بمنزلة هارون من موسى الا أنه ليس بنى بعدى. (صحيح البخارى، كتاب المغازى، باب غزوة تبوك، وهى غزوة العسرة، ص: ٩٠٩، رقم: ٤٤١٦، ط، دار السلام رياض)

وعن الزهرى: سمع محمد بن جبير بن مطعم عن ابيه، أن النبى ﷺ قال: أنا محمد، وأنا أحمد، وأنا الماحى يمحىٰ بى الكفر، وأنا الحاشر الذى يحشر الناس على عقبى، وأنا العاقب، والعاقب الذى ليس بعده نبى. (صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فى أسمائه ﷺ، ص: ١٠٣٤، ط، دار السلام رياض)

وأخرج أحمد عن حذيفة رضی اللہ عنہ، عن النبى ﷺ قال: فى أمتى كذابون ودجالون سبعة وعشرون، منهم أربع نسوة، وانى خاتم النبيين لانبى بعدى.

وأخرج ابن أبى شيبة عن عائشة قالت: قولوا: خاتم النبيين. ولاتقولوا لانبى بعده. (الدرالمنثور فى التفسير بالماثور، سورة الأحزاب، الآية: ٤٠، ج: ١٢، ص: ٦٤)

وفى الجامع لأحكام القرآن: قال ابن عطية: هذه الألفاظ عند جماعة علماء الأمة خلفاً وسلفاً متلقاة على العموم التام، مقتضية نصاً أنه لانبى بعده ﷺ. (الجامع لأحكام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ٤٠، ج: ١٧، ص: ١٦٦، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

وفى الموسوعة الفقهية: من ادعى النبوة لنفسه أو غيره فهو كاذب قطعاً، لأن اللّٰه تعالى نص فى القرآن الكريم على أن محمداً ﷺ هو خاتم النبيين، أى آخرهم، ليس بعده نبى حتى تقوم الساعة. قال اللّٰه تعالى: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول اللّٰه وخاتم النبيين﴾. قال النبى ﷺ: أنا خاتم النبيين. وقال أيضاً: فضلت على الأنبياء بست.... الحديث، وفيه: وختم بى النبيون، وقال ﷺ:

اللہ سے صادر ہوتی ہے اور کوئی شخص بلا اتباع شریعت ولی نہیں بن سکتا (۹)۔

سیکون فی أمتی کذابون ثلاثون کلهم یزعم أنه نبی، وأنا خاتم النبیین لانبی بعدی.

وهذا أمر مجمع علیه معلوم من الدین بالضرورة. ومن هنا ینص الفقهاء علی أن من ادعی أنه شریک لمحمد ﷺ فی الرسالة، أو قال بجواز اکتسابها بتصفیة القلب وتهذیب النفس فهو کافر.

وکذا ان ادعی أنه یوحی الیه وان لم یدع النبوة. قال القاضی عیاض: لاخلاف فی تکفیر مدعی الرسالة. قال: وتقبل توبته علی المشهور.

وقال عبدالقاهر البغدادی: قال أهل السنة بتکفیر کل متنبیء، سواء کان قبل الاسلام کزرادشت، ویوراسف، ومانی، ودیصان، ومرقیون، ومزدک، أو بعده، کمسیلمة وسجاج، والأسود بن یزید العنسی، وسائر من کان بعدهم من المتنبئین.

ومن صدق مدعی النبوة یکون مرتداً، لکفره، کذلک، لانکاره الأمر المجمع علیه.

ونقل القرافی عن أشهب أنه قال: ان کان المدعی للنبوة ذمیاً استتیب ان أعلن ذلک، فان تاب والا قتل، وقال ابن القاسم: یقتل المتنبیء أسر ذلک أو أعلنه.

ومن ادعی البنوة لغیره من الناس فهو مرتد، وقال عبدالقاهر: قال أهل السنة بتکفیر من ادعی للأئمة الالهیة أو النبوة، کالسبئیة والبیانیة والخطابیة ومن جری مجراهم. (الموسوعة الفقهیة، ج: ۴۰، ص: ۳۸، ۳۹، ۴۰)

وفیه ایضاً: آخر الأنبیاء بعثة محمد ﷺ وذلک أمر اجماعی...الخ.
(الموسوعة الفقهیة، ج: ۴۰، ص: ۴۱)

(۹):فی شرح الفقه الاکبر: والولی هو العارف بالله وصفاته بقدر مایمکن له المواظب علی الطاعات المجتنب عن السیئات المعرض عن الانهماک فی اللذات والشهوات والغفلات واللهوات. (شرح فقه الاکبر لملاعلی القاری، ص: ۶۹، ط: دار الکتب العربیة الکبری، مصر)

لہٰذا شخص مذکور کے افعال نہ معجزہ ہیں نہ کرامت، ممکن ہے محنت ومشقت کے بعد بعض جنات کوتابع کرلیا ہو، سو یہ کوئی مقبولیت کی علامت نہیں ہے، بسا اوقات جنات تابع کرنے کے لئے ناجائز افعال کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، اگر کوئی ناجائز فعل نہ بھی کیا ہوتب بھی خود جنات کا تابع کرنا محل کلام ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شخص شعبدات کرتا ہوجیسا کہ عام بازاری آدمی تماشہ دکھانے کے لئے شعبدات کرتے اور اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے(١٠) خواہ بال ہوں یا نہ ہوں، جو شخص مسح نہیں کرتا وہ

وفی شرح العقائد: والولی هو العارف بالله وصفاته حسب مایمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی، المعرض عن الانهماک فی اللذات والشهوات. (شرح العقائد النسفية، کرامات الأولياء، ص: ٣٣٨،ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

(١٠):فی ملتقى الأبحر: والمفروض فی مسح الرأس قدر الربع.

وفی مجمع الأنهر تحته: (والمفروض فی مسح الرأس قدر الربع) فی رواية الطحاویؒ، والکرخیؒ عن الامام أی المقدر بطريق الفرضية لکن لا بدليل القطعی بل بدليل الظنی الاجتهادی القطعی، ما ثبت بدليل قطعی لا شبهة فيه کالکتاب والسنة المتواترة اذا لم يلحقها تخصيص، أو تأويل والاجتهادی ما بفوت بفوته، ولايجبر بجابر، وهذا من قبيل الثانی. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر، کتاب الطهارة، ج: ١، ص: ٢٠، ٢١، ط، دار الکتب العلمية بيروت لبنان)

وفی الهداية: والمفروض فی المسح مقدار الناصية وهو ربع الرأس لما روی المغيرة بن شعبة۔ رضی الله تعالیٰ عنه ۔أن النبی صلی الله تعالی عليه وسلم أتی سباطة قوم فبال وتوضأ ومسح علی ناصيته وخفيه.

وفی البناية تحته: (والمفروض فی المسح مقدار الناصية) ش: أی المقدار علی جهة الفريضة فی مسح الرأس قدر الناصية، الألف واللام فيه للعهد يعنی ذلک المسح الذی يثبت بالنص لابخبر الواحد عندنا وأراد به الفرض اللغوی لا الشرعی

بلا وضو نماز پڑھتا ہے، لہٰذا ایسے شخص کی امامت قطعاً نا جائز ہے جو شخص اس کے پیچھے نماز پڑھے گا اس کی نماز نہیں ہوگی (۱۱)۔

الحاصل: احوال مذکورہ نہ نبی کے احوال ہیں کہ ان کو معجزہ کہا جائے، نہ ولی کے احوال ہیں کہ ان کو کرامت کہا جائے، بلکہ ایک بازاری شعبدہ باز کے احوال ہیں جو شرعاً بالکل نا قابل اعتبار ہیں، اس شخص کو عالمِ غیب جان کر اس سے علاج کرانا ہرگز درست نہیں، البتہ جیسا کہ دوسرے اطباء یا ڈاکٹروں سے علاج کرایا جاتا ہے اس طرح علاج وغیرہ کرانا درست ہے بشرطیکہ اس علاج میں کوئی خلاف شرع فعل نہ کرنا پڑے اور کوئی عقیدہ بھی خلاف شرع نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ، ج:۱،ص:۵۱۹تا۵۲۲)



معجزہ اور استدراج میں فرق

﴿سـوال﴾:

معجزہ اور استدراج میں کیا فرق ہے؟

﴿الجواب﴾:

معجزہ انبیاء علیہم السلام کو دیا جاتا ہے اور استدراج کفار کو دیا جاتا ہے، اور یہ حقیقت میں کفار کو مہلت دے کر پکڑنا ہے۔

کما قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا

فان الآية مجملة والفرض لايثبت بخبر الواحد..الخ. (البناية شرح الهداية، ج: ۱، ص: ١٦٦، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۱):في التاتارخانية: وفي السغناقي: وأما اذا قبل الاقتداء أن الامام جنب أو محدث، فلايجوز الاقتداء بالاجماع. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل السادس في بيان من هو أحق بالامامة، ج: ٢، ص: ٢٥١، ط، مكتبة زكريا الهند)

يَعْلَمُوْنَ، وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ (١٢) فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم. (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ١٨، ص: ٢٤٣، ط، مکتبه دار العلوم دیوبند)



شق قمر کے معجزے کی جگہ

﴿سوال﴾:

گزارش ہے کہ چاند دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس مقام پر دکھایا تھا اور چاند کا ایک ٹکڑا کس مقام پر اترا تھا۔ اس کے بارے میں وضاحت فرمادیں۔

﴿الجواب﴾:

ہجرت سے پیشتر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منیٰ میں تشریف فرما تھے، کفار کا مجمع تھا انہوں نے آپ سے کوئی نشانی طلب کی، آپ نے فرمایا آسمان کی طرف دیکھو، ناگاہ چاند پھٹ گیا، دو ٹکڑے ہوگیا، ایک ٹکڑا ان میں سے مغرب اور دوسرا مشرق کی طرف چلا گیا، بیچ میں پہاڑ حائل تھا۔ جب سب نے خوب اچھی طرح یہ معجزہ دیکھ لیا پھر دونوں ٹکڑے مل گئے (١٣)۔ فقط واللہ اعلم۔ (فتاوی مفتی محمودؒ، ج:١، ص:٣٤١، ٣٤٢، ط، اشتیاق اے مشتاق پریس لاہور)



---

(١٢): (سورة الاعراف: ١٨٢، ١٨٣)

(١٣): وأخرج أبو نعيم، من طريق عطاء، عن ابن عباسؓ قال: انتهى أهل مكة الى النبى صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم فقالوا: هل من آية نعرف بها أنك رسول اللّٰه؟ فهبط جبريل، فقال: يا محمد، قل لأهل مكة: ان تختلفوا هذه الليلة فسترون آية.

معجزہ اور کرامت، نبی اور ولی کی وفات کے بعد رونما ہو سکتے ہیں؟

﴿سوال﴾:
نبی اور ولی کے انتقال کے بعد معجزہ اور کرامات کا ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:
اس سے نصوص ساکت ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۱۸، ص:۲۴۴، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



نبی علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا ثابت نہیں؟

﴿سوال﴾:
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی مردوں کو زندہ کیا ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:
کسی صحیح روایت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردے کو زندہ کیا ہو۔ (کفایۃ المفتی، ج:۱، ص:۱۱۶، ط، دارالاشاعت کراچی)



فأخبرهم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بمقالة جبريل، فخرجوا ليلة أربع عشرة، فانشق القمر نصفين، نصفاً على الصفا، ونصفا على المروة، فنظروا ثم قالوا بأبصارهم فمسحوها ثم أعادوا النظر، فنظروا ثم مسحوا أعينهم، ثم نظروا فقالوا: يا محمد، ما هذا الا سحر ذاهب. فأنزل الله: ﴿اقتربت الساعة وانشق القمر﴾.
(الدرالمنثور في التفسير بالمأثور، سورة القمر، الآية: ١، ٢، ج: ١٤، ص: ٦٩)

کیا نبی علیہ السلام کے قدم کی وجہ سے پتھر کا نرم ہونا اور اس پر قدم کا نقش آنا معجزہ ہے؟

﴿سوال﴾:

آیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ یعنی پائے مبارک حضرت خاتم النبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نیچے پتھر کا موم ہوکر قدم پاک کا نقشہ پتھر پر آجانا کہیں صحاح ستہ یا دوسری حدیث کی کتابوں یا دیگر معتبر یا غیر معتبر کتابوں سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب از نائب مفتی دار العلوم دیوبند﴾:

آج کل جو بعض لوگ ایک نشان لئے پھرتے ہیں اور اس کو نقش اور نشان قدم مبارک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بتاتے ہیں۔ یہ قول ان کا صحیح نہیں ہے۔ یہ نشان مصنوعی اور بناوٹی ہے۔

فقط واللہ اعلم۔ مسعود احمد نائب مفتی دار العلوم دیوبند ۲۹ شعبان ۱۳۵۵ھ

﴿جواب از حضرت شیخ الاسلام السید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ﴾:

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات بہت زیادہ اور نہایت عظیم ہیں۔ ان کے سامنے پتھر کا مثل موم بن جانا اور نقش قدم اس پر پڑ جانا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ تو ادنی بات ہے۔ مگر اس وقت تک میری نظر سے کسی حدیث یا سیر کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں یہ معجزہ نہیں گذرا۔ واللہ اعلم حسین احمد غفرلہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ (مہر دیوبند)

﴿جواب از مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ﴾:

اگر چہ پتھر پر نشان قدم مبارک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بطور معجزہ کے نقش ہو جانا مستبعد نہیں۔ مگر اس کے باور کرنے کے لئے سند اور روایت کی ضرورت ہے اور ایسی

کوئی سند اور روایت نظر میں نہیں آئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ (کفایۃ المفتی، ج:۱، ص:۱۱۷، ط، دار الاشاعت کراچی)



حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی حقیقت

﴿سوال﴾:

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام مردہ زندہ کرتے تھے اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے آیا روحانی لحاظ سے ان کے گمراہ دلوں کو روشن کر کے راہِ راست پر چلاتے تھے یا فی الواقع معذور کو آنکھیں دلا دیتے تھے اور روحانیت کے لحاظ سے مردے زندہ کرتے تھے آیا فی الواقع؟

﴿الجواب﴾:

وہ فی الواقع ابرص و اکمہ کو باذن اللہ اچھا کر دیتے تھے اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے جیسا کہ قرآن شریف میں مذکور ہے اور آیات عام مفسرین کے نزدیک اپنے ظاہر پر محمول ہے اس میں کچھ تاویل کی ضرورت نہیں ہے (۱۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج:۱۸، ص:۲۴۴، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند)



(۱۴): قال اللّٰہ تبارک وتعالی: ورسولاً الی بنی اسرائیل أنی قد جئتکم باٰیۃ من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللّٰہ وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتیٰ باذن اللّٰہ وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتیٰ باذن اللّٰہ وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم ان فی ذٰلک لآیۃ لکم ان کنتم مؤمنین. (سورۃ آل عمران: ٤٩)

فی التفسیر المأمون: وقولہ: ﴿وأحی الموتیٰ باذن اللّٰہ﴾ قال ابن کثیرؒ: قال

کیا نبی ہر وقت معجزہ دکھانے پر قادر ہوتا ہے؟

﴿سوال﴾:

الحمد اللہ میں نے جناب کی کتاب ''تعلیم الاسلام'' کا تیسرا حصہ دیکھا۔ اس میں معجزہ اور کرامت کی تعریف صفحہ ۱۵ پر کی گئی ہے اور پھر معجزوں میں حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے معجزے بیان فرما کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے بیان کئے ہیں۔ (۱) ''کلام اللہ کہ جس کی مثل کوئی نہیں بنا سکا۔'' کیا معجزے پر ہر وقت قادر ہونا اور جب چاہنا اس کو دیکھانا بھی لازمی ہے یا نہیں؟ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر وقت ہر روز اپنے معجزے سے کام لیتے تھے۔ کیا رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی آیات قرآنی کے ہر وقت نزول پر قادر تھے؟ (۲) معراج معجزہ ہے فرمائیے یہ معجزہ کس کو دکھایا گیا؟ کیا یہ بھی رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علی وسلم کی قدرت میں تھا؟ (۳) شق القمر۔ (۴) بہت سی باتیں فرماتے تھے جو بعد میں ٹھیک ہو جاتی تھیں۔ کیا یہ معجزہ ہے؟ مجھ ملعون کو ان کے صحیح ہونے میں شبہ ہے۔

كثير من العلماء: بعث الله كل نبي من الأنبياء بمعجزة تناسب أهل زمانه، فكان الغالب على زمان موسىٰ عليه السلام السحر وتعظيم السحرة. فبعثه الله بمعجزة بهرت الأبصار وحيرت كل سحار، فلما استيفنوا أنها من عند التعظيم الجبار انقادوا للاسلام، وصاروا من عباد الله الأبرار. وأما عيسىٰ عليه السلام، فبعثه فى زمن الأطباء وأصحاب علم الطبيعة، فجاء هم من الآيات بما لاسبيل لأحد اليه. الا أن يكون مؤيداً من الذى شرع الشريعة. فمن أين للطبيب قدرة على احياء الجماد، أو على مداواة الأكمه والأبرص، وبعث من هو فى قبره زهين الى يوم التناد؟. (التفسير المأمون على منهج التنزيل والصحيح المسنون، سورة آل عمران، الآية: ٤٩، ج: ٢، ص: ٥١)

﴿جواب﴾:

تعلیم الاسلام میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات میں سے پہلے نمبر پر قرآن مجید کو ذکر کیا ہے۔اس کے متعلق جناب کے استفسار کا خلاصہ جو میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ ''کیا معجزہ دکھانے والے کا ہر وقت معجزے پر قادر ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت آیات قرآنی نازل کر لینے پر قادر تھے۔''

آپ کا مطلب غالبا یہ ہوگا کہ چونکہ دوسری تردید کا جواب نفی میں ہے۔یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت تنزیل قرآن پر قادر نہ تھے اس لئے قرآن پاک کو معجزے میں داخل کرنے کی صورت یہ ہے کہ تردید اول میں نفی کی شق کو اختیار کیا جائے یعنی کہا جائے کہ معجزہ کھانے والے کا ہر وقت معجزے پر قادر ہونا ضروری نہیں اور اس میں آپ کو تامل ہے جو آپ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ''جیسا کہ حضرت عیسیٰ ہر وقت ہر روز اپنے معجزے سے کام لیتے تھے۔''یعنی آپ کے خیال میں ضروری ہے کہ معجزہ دکھانے والا ہر وقت معجزہ دکھانے پر قادر ہو۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کو آپ اس لئے معجزہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہر وقت ہر روز اپنے معجزہ سے کام لیتے تھے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ تعلیم الاسلام حصہ سوم میں معجزے کی جو تعریف کی گئی ہے اگر آپ اس پر غور فرما لیتے تو یہ شبہات پیدا ہی نہ ہوتے۔ملاحظہ فرمائیے تعلم الاسلام حصہ سوم میں معجزے کی تعریف یہ کی گئی ہے۔''اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے ہاتھ سے کبھی کبھی ایسی خلاف عادت باتیں ظاہر کرا دیتا ہے جن کے کرنے سے دنیا کے اور لوگ عاجز ہوتے ہیں تا کہ لوگ ایسی باتوں کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں۔''اس تعریف سے یہ باتیں صاف طور پر سمجھ میں آتی ہیں۔

(الف) معجزہ انہیں چیزوں کو کہا جاتا ہے جو عادۃ جاریہ کے خلاف اور انسانی طاقت سے باہر ہوں۔

(ب) جس نبی یا رسول کے ذریعے سے وہ ظاہر ہوتا ہے وہ نبی یا رسول بھی اپنی طاقت اور قدرت سے ظاہر نہیں کرتا، بلکہ خدا تعالیٰ اس کے ذریعے سے ظاہر کراتا ہے۔

(ج) معجزہ کا ہر وقت اور ہر روز ظاہر ہونا ضروری نہیں۔ اگر کوئی خلاف عادت بات صرف ایک ہی مرتبہ ظاہر ہوئی ہو، جب بھی وہ معجزہ کہلائے گی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریائے نیل کا خشک ہوجانا یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں ڈالے جانے کے بعد محفوظ رہنا۔ وغیرہ

جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ پیغمبروں کو معجزے دکھانے پر خود قادر ہونا چاہئے اور جو معجزہ جس وقت طلب کیا جائے دکھا دینا چاہئے۔ اور اس غلط خیال کی بناء پر عجیب وغریب معجزات طلب کرتے تھے، ان کے اس غلط خیال کی اصلاح کے لئے رب العزۃ جل شانہ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ کلمات طیبات کہلوادیئے:۔

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (١٥).

(ترجمہ) اے محمد! ان معجزہ طلب کرنے والوں سے کہہ دو کہ پاک ہے میرا پروردگا، میں تو صرف اس کا پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔

یعنی معجزات ظاہر کرنے کی قدرت اسی ذات پاک کو ہے۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ نبی اسی وقت نبی مانا جاسکتا ہو جب کہ وہ ہر طلب کئے ہوئے معجزے کو دکھانے پر قادر ہو۔ اور دکھادے۔

قرآن کے معجزہ ہونے کی جہت یہ ہے کہ اس کی ایک چھوٹی سی سورۃ کے مثل بھی کوئی نہ بنا سکا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایسا کلام پیش کیا جو اگر خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام ہوتا تو دوسرے انسان بھی بنا سکتے لیکن بڑے بڑے فصحاء وبلغا کے عاجز رہنے سے ثابت ہوا کہ ایسا کلام بنانا انسانی طاقت سے باہر ہے اور قرآن پاک پر معجزے کی تعریف مذکور اس طرح بخوبی صادق آگئی کہ خدا تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

(١٥):(سورۃ الاسراء: ٩٣)

ذریعے سے ایک خارق عادت کلام مخلوق کے سامنے پیش کرایا جس کے مثل لانے سے دوسرے بڑے بڑے فصیح وبلیغ انسان عاجز رہے۔ اور قرآن مجید کا یہ اعجاز ہر وقت ہر زمانے میں قائم اور علیٰ حالہٖ موجود ہے اور قیامت تک رہے گا۔ یعنی یہ ایسا زندہ معجزہ ہے کہ جس دن سے پیش کیا گیا ہے اس دن سے قیامت تک موجود اور قائم رہے گا (١٦)۔

اگر بالفرض معجزے کے لئے یہ بھی ضروری ہوتا کہ معجزہ دکھانے والا ہر وقت اسے ظاہر کرسکتے تب بھی قرآن پاک کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا، کیونکہ اس کی تو ہر چھوٹی سورۃ بھی ہر وقت معجزہ ہے اور جہت اعجاز اس میں موجود ہے اور تحدی برابر قائم ہے۔

آپ نے یہ کیا کہا کہ ''کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت آیات قرآنی کے نزول پر قادر تھے۔'' معجزے کو ہر وقت ظاہر کرنے کے ضروری مان لینے کی صورت میں بھی یہ سوال وارد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایک مرتبہ کا اتارا ہوا کلام پاک وقت نزول سے قیامت تک معجزہ ہے۔ آپ اسی اترے ہوئے کلام پاک کو ہر وقت ہر روز تحدی کے ساتھ پیش فرما سکتے تھے۔ اس لحاظ سے گویا صاحب معجزہ دکھا سکتے تھے۔

یہ ممکن ہے کہ بعض معجزات ایسے طور پر عنایت فرمائے جائیں کہ صاحب معجزہ ہر وقت انہیں ظاہر کرسکے اور ان سے کام لے سکے۔ لیکن تمام معجزوں کے لیے یہ ضروری نہیں۔ اور اگر ہر وقت ظاہر کرکے کام لیا جائے تاہم وہ معجزے خدا تعالیٰ کے ظاہر فرمانے سے ہی ہر وقت ظاہر ہوں گے۔ صاحب معجزہ یعنی معجزہ ظاہر کرنے والا پیغمبر مستقل طور پر براہ راست اس پر قادر نہیں۔

اور یہ کہاں سے آپ نے معلوم کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر وقت ہر روز اپنے معجزے سے کام لیتے تھے۔ مجھے تو کوئی ایسی دلیل نہیں معلوم جس سے ہر وقت ہر روز ان کا

---

(١٦): قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھدآء کم من دون اللّٰہ ان کنتم صادقین. فان لم تفعلوا ولن تفعلوا. الخ (سورۃ البقرۃ: ٢٣، ٢٤)

اپنے معجزے سے کام لینا ثابت ہوتا ہو براہ مہربانی اس کتاب کا حوالہ دیجئے جہاں آپ نے یہ مضمون دیکھا ہے۔

(۲) معراج کے متعلق آپ نے یہ شبہ ظاہر فرمایا ہے کہ یہ معجزہ کس کو دکھایا گیا؟ اور کیا یہ بھی رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدرت میں تھا؟ اس شبہ کا ازالہ بھی اس طرح فرمالیجئے کہ معراج کا معجزہ ہونا اس بناء پر ہے کہ ایک انسان کا ایک رات میں تمام عالم ملکوت کی سیر کرآنا ایسی بات ہے جس سے تمام انسان عاجز ہیں۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ معراج کا ہونا بھی ثابت ہے یا نہیں؟ تو وہ اس کا طلب کرسکتا ہے۔ لیکن جو شخص معراج کے ہونے کو صحیح تسلیم کرتا ہے وہ اس کے معجزہ ہونے میں کسی طرح شبہ نہیں کرسکتا۔ رہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدرت میں ہونا نہ ہونا اس کے متعلق مفصل بیان اوپر گذر چکا۔

معجزہ۳۔ شق القمر (۴) بہت سی باتیں فرماتے تھے جو بعد میں ٹھیک ہوجاتی تھیں ''کیا یہ معجزہ ہے؟ مجھ ملعون کو ان کے صحیح ہونے میں شبہ ہے۔''

ان دونوں نمبروں میں آپ کو معلوم نہیں کیا شبہ ہے۔ آیا آپ معجزہ شق القمر کا واقع ہونا تسلیم نہیں کرتے؟ شبہ اس میں ہے کہ شق القمر ہوا یا نہیں؟ اگر یہ بات ہو تو میں اس کے متعلق آپ کو قرآن پاک کی آیت اَقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (۱۷). اور اس کی تفسیر کی اور کتب احادیث وسیر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اگر جناب چاہیں گے تو میں شق القمر کا کافی ثبوت پیش کردوں گا۔ اور اگر آپ شق القمر کو تسلیم کرتے ہیں مگر اس کو معجزہ سے تعبیر کرنے میں تامل ہے تو یہ شبہ معجزہ تعریف اور ہماری بیان کی ہوئی تفصیل پر غور کرنے سے دور ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا اور پھر آپس میں مل جانا ایسی بات ہے کہ تمام دنیا کے لوگ ایسا کرنے سے عاجز ہیں۔ یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہت سی آئندہ ہونے والی باتوں کا ان کے

(۱۷):(سورة القمر: ١)

وقوع سے پہلے خبر دینا اور پھر ان باتوں کا اسی کے مطابق ظاہر ہونا بھی کھلا ہوا معجزہ ہے۔ اگر آپ کو اس کے وجود میں شبہ ہو تو میں ان باتوں کی تفصیل بیان کر سکتا ہوں جن کے واقع ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی خبر دی تھی۔ اور ان کے وقوع کا علم کسی تجربہ وتخمین اور آثار واسباب سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ بلکہ عقل سلیم یقین کر لیتی ہے کہ ان کے مخبر نے مافوق العادۃ طریقے سے ان کی خبر دی اور وہ صحیح نکلی۔

لیکن اگر آپ ایسی باتوں کے وقوع کو تسلیم کرتے ہیں مگر ان کو معجزہ کہنے میں تأمل ہے تو بیان سابق سے یہ شبہ دور ہو جائے گا۔ مہربانی فرما کر آپ اپنے شبہات نوعیت کو ذرا واضح کر کے بیان فرما دیں تو اس کے ازالہ کی مزید کوشش کی جائے گی۔ (کفایۃ المفتی، ج:۱، ص:۱۲۰ تا ۱۲۳، ط، دارالاشاعت کراچی)



مندرجہ ذیل معجزات ثابت ہیں یا نہیں؟

﴿سوال﴾:

مندرجہ ذیل معجزوں کو ہمارے پیش امام بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں توہین کرتے ہیں۔ جس سے مسلمانوں پر بڑا رنج وملال ہو رہا ہے۔

معجزہ ۱: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جھاڑا پیشاب زمین نگل جاتی تھی۔

معجزہ ۲: غار حرا میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر آرام فرما رہے تھے اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز عصر قضاء ہو گئی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشارہ کیا، ڈوبا ہوا سورج پھر نکل آیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عصر ادا کر لی۔

معجزہ ۳: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت اور ان کے لڑکوں کا مذبوح ہونا اور

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خدا سے دعاء کر کے زندہ کرنا۔

معجزہ۴: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت کسری کے محل کے کنگورروں کا گرنا۔

معجزہ۵: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نورانی تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کی روشنی سے سورج پشیمان رہا کرتا تھا۔

معجزہ۶: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سوئی رات کے وقت مکان میں گرگئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندان مبارک کی روشنی سے سوئی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اٹھالی۔ ان معجزوں کو امام صاحب جھوٹ بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دائی حلیمہ نے حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا، یہ بھی غلط ہے۔

گیارہ مجالس جو کتاب حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرامتوں کے بیان میں لکھی ہوئی ہے، اس کو پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

جو امور سوال میں مذکور ہیں ان میں سے دائی حلیمہ کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دودھ پلانا تو ثابت ہے(۱۸) باقی معجزوں کا پختہ ثبوت موجود نہیں ہے۔ سیرۃ کی کتابوں میں ان معجزات کا ذکر ہے مگر ان کی سندیں صحت کے درجے تک نہیں پہنچیں۔ گیارہ مجالس جو کتاب ہے وہ بھی بہت سی غیر مستند باتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے تمام بیانات قابل یقین نہیں ہے۔ (کفایۃ المفتی، ج:۱،ص:۱۱۹، ط، دارالاشاعت کراچی)



(۱۸): في أسد الغابة: ولما ولد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ولما ولد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم التمسوا له الرضعاء، فاسترضع له امرأة من بني سعد بن بكر بن هوازن بن منصور، يقال لها: حليمة بنت أبي ذؤيب واسمه

دعاء میں توسل کا بیان

وسیلہ کی شرعی حیثیت

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وسیلہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

شرعاً وسیلہ جائز ہے۔

لقوله تعالى (المائدة: ٣٥)يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

وفى احكام القرآن للقرطبى (١٥٩/٦): الوسيلة هى القربة...... فالاصل الطلب والوسيلة القربة التى ينبغى ان يطلب بها.

وفى روح المعانى (١٢٨/٦): قال العلامة الآلوسى بعد بحث طويل...... وبعد هذا كله لانرى بأسا فى التوسل الى الله تعالىٰ بجاه النبى ﷺ عند الله تعالى حيا وميتا...... ان التوسل بجاه غير النبى ﷺ لا بأس به ايضا.

وفى الصحيح للبخارى (١٣٧/١): حدثنا الحسن بن محمد...... عن انس بن مالك ان عمربن الخطاب رضى

الحارث، فليطلب خبرها من ترجمتها، ومن ترجمة أخته من الرضاعة: الشيما، فقد ذكرنا هما. (أسد الغابة فى معرفة الصحابه، ذكر محمد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ج: ١، ص: ١٢٢، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

اللّٰه عنه كان اذا قحطوا استقىٰ بالعباس بن عبدالمطلب رضى اللّٰه عنه فقال اللّٰهم انا كنا نتوسل اليک بنبيناﷺ فتسقينا وانا نتوسل اليک بعم نبينا فاسقنا قال فيسقون (ا). (نجم الفتاوی، ج: ١، ص: ٣٤٦/ فتاوی دار العلوم وقف دیوبند، ج: ١، ص: ٢٧٦، ٢٦٧، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی)



وسیلہ کا شرعی حکم

﴿سوال﴾:

حضرت آدم علیہ السلام کا عرش پر "**لا الٰه الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه**" کے کلمات دیکھ کر اللہ کے حضور جناب رسول اللہ ﷺ کے وسیلے سے دعا کرنے والی حدیث صحیح ہے؟ یا ضعیف؟ سند واسماء رجال سے مطلع فرمائیں؟

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس سے وسیلہ بالذات ثابت ہوتا ہے۔ کیا رسول اللہ نے صحابہ کرام کو ایسے وسیلے کی تعلیم دی تھی؟

آدم علیہ السلام کے توبہ سے متعلق قرآن حکیم نے: "**فتلقى آدم**" سے "**الرحيم**" تک پوری پوری وضاحت سے بیان ہے اور دعائیہ کلمات: "**ربنا ظلمنا**" سے "**من الخاسرين**" تک مذکور ہیں اسکے سیاق وسباق میں کہیں بھی رسول اللہ ﷺ کے وسیلے کا ذکر نہیں ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ حدیث قرآن حکیم سے متضاد ہے۔

کیا مندرجہ بالا حدیث امام ابوحنیفہؒ کی کتاب "الہدایہ" کے باب الکراہت، فصل متفرقات کے خلاف نہیں ہے جس میں امام ابوحنیفہؒ فرما رہے ہیں کہ:

(ا): (صحيح البخارى، كتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قطحوا، ص: ١٩٩، رقم: ١٠١٠، ط، دار السلام رياض)

''میں ناجائز سمجھتا ہوں کہ کوئی دعاء میں یوں کہے کہ اے اللہ میں فلاں کے واسطے، حق، طفیل، حرمت اور جاہ کے واسطے سے دعا کر رہا ہوں''۔ مکروہ تحریمی ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر آگ کا عذاب ہوگا۔ کیا آدم علیہ السلام کے وسیلے کو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے پیش نظر نہیں رکھا؟

نص قرآن اس ضمن میں موجود ہے کہ دنیا کے عالم وجود میں آنے سے پہلے عرش پر کلمہ طیبہ تحریر تھا؟ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے قول میں واسطہ، طفیل، حرمت، حق اور جاہ کے الفاظ استعمال کیئے ہیں، کیا وسیلہ ان الفاظ سے ہٹ کر کوئی اور چیز ہے؟

اہل بدعت'' **وابتغو اليه الوسيلة**'' سے مخلوق کے وسیلہ اختیار کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ لفظ''الوسیلہ'' کی وضاحت فرما دیجئے؟ جزاک اللہ۔

﴿الجواب باسمه تعالى﴾:

واضح رہے کہ توسل/وسیلہ پکڑنے کی دو قسمیں ہیں: (۱) توسل بالاعمال (۲) توسل بالذات۔

توسل بالاعمال کا مفہوم یہ ہے کہ کسی انسان نے اپنی زندگی میں کوئی نیک عمل کیا ہو، تو اللہ تعالیٰ سے اس طرح سوال کرے کہ اے اللہ! اس عمل کی برکت سے ہم پر رحم فرما، اس قسم کا جائز ہونا اتفاقی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں، اس کی اصل بخاری شریف میں مذکور ''حدیث الغار'' ہے جس میں تین آدمیوں کے غار میں بند ہونے پر اپنے نیک عمل کو وسیلہ بنا کر دعا مذکور ہے چنانچہ نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہم کے طریق سے مروی ہے:

'' ان رسول اللهﷺ قال: بينما ثلاثة نفر ممن كان قبلكم يمشون اذا أصابهم مطر فأووا الى غار فانطبق عليهم قال بعضهم لبعض...... الى قوله...... فليدع كل رجل منكم بما

یعلم انه قد صدق فيه"(٢)۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا واقعہ یہ ہے کہ اگلے لوگوں میں سے تین آدمی سفر کررہے تھے کہ بارش آگئی اور وہ ایک غار میں داخل ہوگئے سوء اتفاق کہ غار کا منہ ایک پتھر سے بند ہوگیا اور وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے......پس تم میں سے ہر آدمی اپنے اس عمل کو بیان کرکے دعا کرے جس میں وہ خود کو سچا سمجھتا ہے''۔

توسل کی دوسری قسم ''توسل بالذات'' اس کی تقریباً چار صورتیں ہیں ہر ایک کا حکم جدا جدا ہے۔تینوں کو ایک حکم میں جمع کرنا حق سے انکار یا دوری کو مستلزم ہے بہر حال وہ صورتیں درج ذیل ہیں:

ا......توسل کی ایک صورت لوگوں میں بھی معمول ہے کہ اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے بجائے بزرگوں سے منظور کرانے کو ضروری سمجھتے ہیں،ان کا یہ عقیدہ ہے کہ ہم لوگوں کی رسائی خدا تعالیٰ کے دربار میں نہیں ہوسکتی،اس لئے ہمیں جو درخواست کرنی ہے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے سامنے پیش کریں اور جو کچھ مانگنا ہے ان سے مانگیں۔اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مرادیں پوری کرنے کی قدرت دے رکھی ہے،یہ فعل خالصتاً جہالت ہے اور یہ دراصل دو غلطیوں کا مجموعہ ہے۔

ایک یہ کہ دربار خداوندی کو دنیاوی درباروں پر قیاس کیا گیا ہے جس طرح دنیاوی درباروں میں ہر شخص کی پہنچ نہیں ہوسکتی بلکہ واسطوں کے ذریعہ پہنچ ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دربار تک رسائی کیلئے اسکے مقبول بندوں کا وسیلہ ضروری ہے،یہ غلط ہے،،اس لئے کہ یہ ضرورت تو وہاں پیش آتی ہے جہاں بادشاہ دادرسی کی خود توفیق نہ رکھتا ہو،خود ہر ایک سے سن نہیں سکتا اور ہر شخص اس تک پہنچ نہیں سکتا جب کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات میں سے ہر

(٢):(صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الغار، ص: ٧١٣، ٧١٤، رقم: ٣٤٦٥، ط، دار السلام رياض)

ایک کی آواز اس طرح سنتے ہیں باقی سب خاموش ہوں صرف ایک گفتگو کر رہا ہو، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا:

"أقريب ربنا فنناجيه أم بعيد فنناديه...... الخ".

یعنی ہمارے رب قریب ہیں کہ ہم انہیں آہستہ سے پکاریں یا دور ہیں کہ انہیں زور سے پکاریں؟

اس پر قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

" واذ سألك عبادي عني فاني قريب أجيب دعوة الداع اذا دعان ...... الخ. (البقرة: ١٨٦)

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو (ان کو بتایئے) کہ میں نزدیک ہوں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں جب مجھے پکارے (٣)۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ دنیاوی امراء نے کچھ مناصب وعہدے ماتحتوں کو دے رکھے ہوتے ہیں اور وہ اپنی مرضی کے مطابق ان عہدوں کا استعمال کرتے ہیں، بادشاہوں سے مشورے وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ولیوں کو اور اپنے مقبولین کو بھی اختیارات دے رکھے ہیں یہ غلطی پہلی غلطی سے بھی بدتر ہے اس لئے کہ بادشاہ،

---

(٣): **أخرج ابن جرير، والبغوی فی معجمه، وابن أبی حاتم، وأبو الشيخ، وابن مردويه، من طريق الصلب بن حكيم، عن رجل من الأنصار، عن أبيه، عن جده قال: جاء رجل الى رسول الله ﷺ، فقال: يارسول الله، أقريب ربنا فنناجيه أم بعيد فنناديه؟ فسكت النبی صلى الله تعالى عليه وسلم، فأنزل الله: ﴿واذا سألك عبادی عنی فانی قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان فليستجيبوا لی وليومنوا بی﴾. اذا أمرتهم أن يدعونی فدعونی استجيب لهم.** (الدر المنثور فی التفسير بالمأثور، سورة البقرة، الآية: ١٨٦، ج: ٢، ص: ٢٥٩)

وزیروں مشیروں کے محتاج ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت، مشیروں، وزیروں اور نائبین کی محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ نے خدائی اختیارات کسی مخلوق کو عطا نہیں فرمائے بلکہ نبی اکرم ﷺ سے یہ اعلان کروایا گیا:

"قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعاً وَّلَاضَرًّا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ...... الاية" (الاعراف: ۱۸۸)

"آپ کہہ دیجئے میں اپنی جان کے نفع ونقصان کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے"۔

بنابریں توسل کی اس صورت کا حکم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بجائے بزرگوں اور ولیوں سے مانگنا شرک ہے اور سب سے بڑی گمراہی ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّايَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُوْنَ". (الاحقاف: ۵)

"اور اس سے بڑا گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہ دے اور وہ انکی پکار سے بے خبر ہیں۔

نیز بزرگوں سے دعا مانگنا اس لئے بھی غلط ہے کہ دعا عظیم الشان عبادت ہے۔ جیسا کہ جامع ترمذی میں ہے:

"عن انس بن مالک رضی اللّٰہ تعالی عنه عن النبی صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم قال الدعاء مخ العبادة."(۴).

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دعا عبادت کا

---

(۴):(جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب الدعاء مخ العبادة، ص: ۷۷۰، رقم: ۳۳۷۱، ط، دار السلام ریاض)

مغز ہے۔“

ایک دوسری حدیث میں نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں:

قال: الدعاء هو العبادة، ثم قرأ ﴿وقال ربكم ادعوني استجب لكم﴾ (٥).

”دعا ہی اصل عبادت ہے، یہ ارشاد فرما کر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ”اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں سنوں گا“۔

پس جس طرح وغیرہ اللہ کی عبادت جائز نہیں اسی طرح غیر اللہ سے دعا مانگنا بھی جائز نہیں، دعا عبادت ہونے کی وجہ سے محض اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

۲۔توسل کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے جو مقدس ذوات دنیا سے گزر گئے ہیں ان سے دعا کیلئے کہنا اور انکی قبر پر جا کر دعا کی درخواست کرنا یہ البتہ مختلف فیہا مسئلہ ہے اور مستقل بحث ہے، اس لئے ہمارے نزدیک اس سے اعتقاد کے فاسد ہونے کی وجہ احتراز لازم ہے۔

۳۔توسل کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ براہ راست بزرگوں سے مانگنا تو نہیں ہوتا بلکہ مانگنا اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے مگر دنیا میں موجود بزرگ ہستیوں کے ذریعہ دعا کی جائے

---

(٥): عن النعمان بن بشير، عن النبي ﷺ قال: الدعاء هو العبادة. ثم قرأ: ﴿وقال ربكم ادعوني استجب لكم ان الذين يستكبرون عن عبادتي سيدخلون جهنم داخرين﴾ [غافر: ٦٠]۔

قال ابو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، وقد رواه منصور والاعمش عن ذر ولانعرفه الا من حديث ذر (هو ذر بن عبدالله الهمداني ثقة والد عمر بن ذر). (جامع الترمذي، كتاب الدعوات، باب الدعاء مخ العبادة، ص: ٧٧٠، رقم: ٣٣٧٢، ط، دار السلام رياض)

اس طرح دعا کرنا درست ہے بلکہ نیک بندوں سے دعا کیلئے عرض کرنا عین سنت بھی ہے، آنحضرت ﷺ سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمرہ کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے دعا کیلئے فرمایا جیسا کہ مندرجہ ذیل روایت میں ہے:

" عن ابن عمر ان عمر (رضی اللّٰہ عنھما) استاذن النبی ﷺ فی العمرۃ فاذن لہ فقال یا أخی أشرکنا فی صالح دعائک ولا تنسنا"(۶).

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرہ کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اجازت دی اور فرمایا کہ اے میرے بھائی! اپنی نیک دعا میں ہمیں بھی شریک رکھنا اور ہمیں نہ بھولنا"۔

۴۔توسل/وسیلے کی چوتھی صورت یہ ہے کہ مانگے تو اللہ تعالی سے لیکن اولیاء اللہ سے اپنے تعلق کا واسطہ دے کر دعا کرے، مثلاً یوں کہے:

"اے اللہ جتنی رحمت تیرے اس بندہ پر متوجہ ہوتی ہے اور جتنا قرب اسکو آپ کا حاصل ہے اسکی برکت اور وسیلہ سے مجھ کو فلاں چیز عطا فرما کیونکہ اس شخص سے آپ کا خاص تعلق ہے اور میرا آپ سے بندہ ہونے کا تعلق ہے"۔

توسل کی یہ صورت شرعاً وعقلاً ثابت ہی نہیں بلکہ بعض مشائخ نے توسل کے باب میں توسل بالذات کو تواضع وعاجزی میں زیادہ ہونے کے سبب توسل بالاعمال سے بہتر قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں انسان اپنی حیثیت اور اپنے عمل پر نظر کے بجائے اللہ کی ذات اور اسکے مقبول بندے کے مقبول عمل پر رکھتا ہے۔

---

(۶):(سنن ابن ماجۃ،باب فضل دعاء الحاج، ص: ۲۰۸، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

وسیلے کا جواز وثبوت قرآن کریم سے:

”وَلَمَّا جَآءَ هُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. (البقرة: ٨٩)

”ور جب آئی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والی اسکی جوانکے پاس ہے اوروہ اس سے پہلے کافروں پر فتح مانگنے تھے“۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں اسکی تفسیر اس طرح فرمائی ہے:

” نزلت في بني قريظه و النضير كانوا يستفتحون على الأوس والخزرج برسول اللهﷺ قبل مبعثه قاله ابن عباس وقتادة“(٧).

(٧):(روح المعاني، سورة البقرة، الآية: ٨٩، ج: ١، ص: ٣٢٠، ط، دار احياء التراث العربي بيروت لبنان)

وفي تفسير ابن كثير: وقال محمد بن اسحاق: أخبرني محمد بن أبي محمد، أخبرني عكرمة أو سعيد بن جبير، عن ابن عباسؓ: أن يهود كانوا يستفتحون على الأوس والخزرج برسول اللهﷺ قبل مبعثه. فلما بعثه الله من العرب كفروا به، وجحدوا ما كانوا يقولون فيه. فقال لهم معاذ بن جبلؓ، وبشرؓ بن البراء بن معرور، أخو بني سلمة: يامعشر يهود، اتقوا الله وأسلموا، فقد كنتم تستفتحون علينا بمحمدﷺ ونحن أهل شرک، وتخبروننا بأنه مبعوث، وتصفونه لنا بصفته. فقال سلام بن مشكم أخو بني النضير: ما جاء نا بشيء نعرفه، وما هو بالذى كنا نذكر لكم فأنزل الله فى ذلک من قولهم: ﴿ولما جاء هم كتاب من عندالله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلما جاء هم ما عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكافرين﴾. (تفسير ابن كثير، سورة البقرة، الآية: ٨٩، ج: ١، ص: ٣٢٦، ط، دار طيبة)

(یہ آیت) بنو قریظہ وبنو نضیر کے بارے میں اتری ہے کہ وہ نبی ﷺ کے وسیلے سے آپ کی بعثت سے قبل نصرت وفتح طلب کیا کرتے تھے۔ یہ ابن عباسؓ قتادہؒ کا قول ہے۔

اسی طرح علامہ شوکانی اپنی تفسیر فتح القدیر میں اس آیت کی مندرجہ ذیل تفسیر بیان فرماتے ہیں:

"والاستفتاح: الاستنصار أی کانوا من قبل یطلبون من اللّٰہ النصر علی أعداءھم بالنبی المبعوث فی آخر الزمان"(٨).

"استفتاح نصرت طلب کرنا یعنی وہ اس سے پہلے آخری زمانہ میں مبعوث ہونے والے نبی کے وسیلے سے اپنے دشمنوں پر فتح کی دعا کرتے تھے"۔

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ اسکی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اہل کتاب میں "بنو قریظہ وبنو نضیر" اپنے مخالف فریق قبائل اوس وخزرج پر فتح طلب کرنے میں آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے اور علامہ شوکانیؒ نے استفتاح کی تشریح نصرت کرنے سے کی ہے انکی دعا کے الفاظ علامہ آلوسیؒ نے اس طرح نقل کئے ہیں:

" اللّٰھم انا نسئلک بحق نبیک الذی وعدتنا أن تبعثه فی آخر الزمان تنصرنا الیوم علی عدونا فینصرون...... الخ"(٩).

---

(٨):(تفسیر فتح القدیر، سورة البقرة، الآیة: ٨٩، الجزء الأول، ص: ٧٥، ط، دار المعرفة بیروت لبنان)

(٩):(روح المعانی، سورة البقرة، الآیة: ٨٩، ج: ١، ص: ٣٢٠، ط، دار احیاء

''اے اللہ ہم تیرے اس نبی کے طفیل یہ دعا کرتے ہیں (جس کو آپ آخری زمانہ میں مبعوث فرمائیں گے) کہ آج کے دن ہم کو ہمارے دشمنوں پر فتح دے دے پس انکی مدد کی جاتی''۔

احادیث سے توسل کا ثبوت:

۱: ''عن امیة بن خالد ابن عبد اللّٰہ بن اسید عن النبی ﷺ انه کان یستفتح بصعالیک المهاجرین''(۱۰).

''حضرت امیہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فقراء ومہاجرین کے توسل سے فتح کی دعا کیا کرتے تھے''۔

۲: عن عثمان ابن حنیف رضی اللّٰہ عنه أن رجلا ضریر البصر أتی النبی ﷺ قال ادع اللّٰہ لی أن یعافینی (الی قوله) اللّٰھم انی أسالک وأتوجه الیک بمحمد نبی الرحمة. قال أبو اسحاق هذا حدیث صحیح''(۱۱).

''حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کی عرض کی (آپ ﷺ نے دعا سکھائی) کہ اے اللہ میں نبی رحمت محمد (ﷺ) کے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں آپ کی طرف متوجہ ہوا ہوں''۔

التراث العربی بیروت لبنان)

(۱۰):(مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء وما کان من عیش النبی ﷺ، الفصل الثانی، ج: ۲، ص: ٤٤٧، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

(۱۱):(سنن ابن ماجة، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی صلاۃ الحاجة، ص: ۹۹، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

۳:عن أبی الدرداء رضی اللّٰہ عنه عن النبیﷺ قال: ابغونی فی ضعفائکم فانما ترزقون أو تنصرون بضعفاء کم(۱۲).

''حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نبی اکرمﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپﷺ نے فرمایا کہ مجھے غرباء میں ڈھونڈھنا یعنی میری رضا غرباء کی دلجوئی میں ہے کیونکہ تمہیں رزق اور دشمنوں پر فتح ضعفاء ہی کے طفیل ہوتی ہے''۔

۴:وأخرج أیضا من طریق داؤد بن عطاء عن زید بن أسلم عن ابن عمر قال استسقی عمر بن الخطاب عام الرمادة بالعباس بن عبد المطلب. وذکر الحدیث، وفیه: فخطب الناس عمر فقال ان رسول اللّٰہﷺ کان یری للعباس مایری الولد للوالد فاقتدوا ایها الناس برسولﷺ فی عمه العباس واتخذوه وسیلة الی اللّٰہ''(۱۳).

''اوراسی طرح داؤد بن عطاء عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے طریق سے بھی تخریج کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قحط سالی والے سال حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے دعا کیا کرتے تھے، پوری حدیث ذکر کی، اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

(۱۲):(مشکوة المصابیح، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء وما کان من عیش النبیﷺ، الفصل الثانی، ج: ٢، ص: ٤٤٧، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

(۱۳):(نیل الأوطار من أسرار منتقی الأخبار، أبواب الاستسقاء، باب الثانی، باب الاستسقاء بذوی الصلاح واکثار الاستغفار ورفع الأیدی بالدعاء وذکر أدعیة مأثورة فی ذلك، ج: ٧، ص: ١٨٧، ١٨٨، ط، دار ابن الجوزی المملکة العربیة السعودیة)

لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ درجہ دیتے جو بیٹا باپ کو دیا کرتا ہے۔ اے لوگو! نبی ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کرو اور انہیں اللہ کی طرف وسیلہ بناؤ''۔

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ سے درج ذیل امور ثابت ہوئے:

- مقبولان الٰہی کے توسل سے دعا کرنا جائز اور یہ بات بکثرت شائع ہے، حدیث مذکورہ اور اسکے علاوہ بے شمار احادیث سے اسکا ثبوت ملتا ہے۔
- توسل صراحتاً نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے، حدیث نمبر ایک اور دو اس پر دال ہیں جس طرح توسل بالدعا جائز ہے، اسی طرح توسل بالذات بھی جائز ہے۔
- صلحاء کی ذات سے توسل جائز وثابت ہے، حدیث نمبر تین اور چار میں اس کی صراحت ہے۔
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے احترام کو نبی اکرم ﷺ کی اقتداء قرار دیتے ہوئے انکی ذات کو وسیلہ بنانے کے لئے ارشاد فرمایا، اس میں بھی واضح صراحت ہے اور مشائخ علماء اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔

کتب حدیث وفقہ سے اس کی تائید:

خاتمۃ المحققین علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فتاوی شامی میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی حاجت روائی کے لئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی قبر پر حاضری دے کر انکے توسل سے دعاء کیا کرتے تھے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

" ومما روی من تادبه (الشافعی) معه (الامام) انه قال انی لأتبرک بابی حنفية واجیء الی قبره فاذا عرضت لی حاجة صليت رکعتين وسالت اللّٰه تعالی عند قبره فتقضی

سریعا"(١٤).

"اور امام شافعی رحمہ اللہ کا امام ابوحنیفہ کے ادب کرنے میں سے یہ بھی فرماتے تھے کہ میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ برکت حاصل کرتا ہوں، اور انکی قبر پر جاتا ہوں جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر انکی قبر کے پاس دعا کرتا ہوں پس جلدی سے وہ حاجت پوری ہو جاتی ہے"۔

شارح مشکوۃ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں حضرت امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے مندرجہ ذیل قول نقل فرمایا ہے:

"قال ابن الملک بان یقول اللّٰھم انصرنا علی الاعداء بحق عبادک الفقراء المھاجرین"(١٥).

"ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ یوں کہے" اے اللہ اپنے فقراء مہاجرین بندوں کے طفیل دشمن کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما"۔

اسی طرح محقق العصر علامہ وھبۃ الزحیلی مدظلہ نے "التوسل بذوی الصلاح کے عنوان کے تحت حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے اور حضرت معاویہؓ کا یزید بن الاسودؒ کے توسل سے دعا کرنا نقل فرمایا(١٦)۔

علامہ سمہودی رحمہ اللہ وفاء الوفاء میں نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانے کے بارے میں

---

(١٤):(ردالمحتار علی الدرالمختار، مقدمة، ج: ا، ص: ١٤٩، ط، دارعالم الکتب ریاض)

(١٥):(مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء وما کان من عیش النبیﷺ، الفصل الثانی، ج: ٩، ص: ٤٣٤، رقم: ٥٢٤٧، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(١٦):(الفقه الاسلامی وادلته، کتاب الصلاة، الفصل العاشر، التوسل بذوی الصلاح، ج: ٢، ص: ٤٨١، ط، دار الفکر)

لکھتے ہیں:

"قلت کیف لایستشفع ولایتوسل بمن له هذا المقام والجاه عند مولاه بل یجوز التوسل بسائر الصالحین کما قاله السبکی"(۱۷).

"یعنی نبی ﷺ کے عنداللہ جاہ وعلو مقام پر نظر کرتے ہوئے آپ ﷺ کو شفیع بنانا، اور آپ ﷺ کو وسیلہ بنانا تو بھلا کیسے جائز نہ ہوگا بلکہ آپ ﷺ تو آپ ہی ہیں تمام صالحین کو وسیلہ بنانا جائز ہے"۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے علامہ سبکی اللہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو وسیلہ بنانا مستحسن ہے اس کا ابن تیمیہؒ کے علاوہ کوئی بھی منکر نہیں ہے۔

نبی علیہ لسلام کی ذات سے توسل مستحسن ہونے کے ساتھ ساتھ قابل غور بات یہ ہے کہ آیا یہ آپ کی خصوصیت ہے یا عام ہے؟ ابن امیر الحاج سے اختصاص کے قول سے شدید اختلاف ونزاع منقول ہے (اور مذکورہ مندرجہ ذیل حوالہ جات سے ان کی تائید ہوتی ہے کہ وسیلہ کسی بھی صالح کے ساتھ صحیح ہے) چنانچہ ارشاد ہے:

قال السبکی یحسن التوسل بالنبی الی ربه ولم ینکره أحد من السلف ولا الخلف الا ابن تیمیة فابتدع مالم یقله عالم قبله ونازع العلامة ابن أمیر الحاج فی دعوی الخصوصیة...... الخ(۱۸).

ترجمہ:۔ امام سبکیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی علیہ الصلاۃ

---

(۱۷):(وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفیٰ، الباب الثامن فی زیارة النبی، الثالث فی توسل الزائر، ج: ٤، ص: ١٣٧٥، ط، مطبعة السعادة بمصر)

(۱۸):(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع، ج: ٩، ص: ٥٦٩، ط، دار عالم الکتب ریاض)

والسلام کے توسل کا ابن تیمیہ کے علاوہ سلف وخلف میں سے کسی نے انکار نہیں کیا، سب سے پہلے ابن تیمیہ نے انکار توسل کا قول کیا ہے جو اس سے پہلے کسی عالم نے نہیں کیا، علامہ امیر الحاج رحمہ اللہ نے خصوصیت کے دعوی میں سخت منازعت فرمائی ہے۔

علماء دیوبند کا مسلک:

حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ علماء دیوبند کے عقائد پر مشتمل کتاب ''المهند على المفند'' میں اس طرح نقل فرماتے ہیں:

عندنا وعند مشايخنا يجوز التوسل في الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصديقين في حياتهم وبعد وفاتهم بأن يقول في دعائه اللّٰهم انى أتوسل اليك بفلان أن تجيب دعوتي وتقضي حاجتي الى غير ذلك كما صرح به شيخنا ومولانا الشاه محمد اسحاق الدهلوى ثم المهاجر المكى ثم بينه في فتاواه شخينا ومولانا رشيد أحمد الگنگوهى رحمة الله عليهما ...... مذكورة على صفحة ۹۳ من المجلد الاول، فليراجع اليها من شاء(۱۹).

ترجمہ:۔ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء وصلحاء اور اولیا وشہداء وصدیقین کا توسل جائز ہے ان کی حیات میں یا بعد وفات بایں طور پر کہ (اپنی دعا میں) یہ کہے کہ یا اللہ! میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت براری چاہتا ہوں اس جیسے اور کلمات کہے چنانچہ اس کی تصریح فرمائی ہے ہمارے شیخ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی ثم المکی نے، پھر مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی ہمارے فتاوی

(۱۹):(المهند على المفند،ص:۳۵، ط، قديمى كتب خانه)

میں اس کو بیان فرمایا ہے......اور یہ مسئلہ کی پہلی جلد کے صفحہ ۹۳ پر مذکور ہے۔ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

الحاصل توسل بالاعمال کی طرح توسل بالذات بھی مندرجہ بالا شرعی دلائل قرآن، حدیث، فقہ سے ثابت و جائز ہے، اور علماء دیوبند اسی اعتقاد کے حامی و حامل ہیں۔

واضح رہے توسل بالذات میں زندہ اور مردہ کا کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح زندوں کے طفیل درست ہے اسی طرح فوت شدہ مقدس بزرگوں کے طفیل سے بھی درست و جائز ہے (۲۰)۔ اور اس کے جائز ہونے میں اس لیے بھی کلام نہیں کہ یہ دعا فوت شدہ بزرگ

---

(۲۰): قال الحافظ ابو القاسم الطبرانیؒ: حدثنا طاهر بن عیسی بن قیرس المقری التمیمی حدثنا أصبغ بن الفرج حدثنا عبداللّٰه بن وهب عن شبیب بن سعید المکی عن روح بن القاسم عن أبی جعفر الخطمی المدنی عن أبی أمامة بن سهل بن حنیف عن عمه عثمان ابن حنیف "أن رجلا کان یختلف الی عثمان بن عفان رضی اللّٰه عنه فی حاجة له فکان عثمان لایلتفت الیه ولاینظر فی حاجته، فلقی عثمان بن حنیف فشکا ذلک الیه، فقال له عثمان بن حنیف ائت المیضأة فتوضأ ثم ائت المسجد فصل فیه رکعتین ثم قل اللّٰهم انی أسالک وأتوجه الیک بنبینا محمد صلی اللّٰه علیه وآله وسلم نبی الرحمة، یا محمد انی أتوجه بک الی ربک [ربی] جل وعز فیقضی لی حاجتی، وتذکر حاجتک، ورح الی حتی أروح معک. فأنطلق الرجل فصنع ما قال له عثمان ثم أتی باب عثمان فجاء البواب حتی أخذ بیده فأدخله علی عثمانؓ ابن عفان فأجلسه معه علی الطنفسة وقال حاجتک؟ فذکر حاجته فقضاها له ثم قال له ما ذکرت حاجتک حتی کانت هذه الساعة، وقال ما کانت لک من حاجة فأتنا ثم أن الرجل خرج من عنده فلقی عثمان بن حنیف فقال له جزاک اللّٰه خیرا ما کان ینظر فی حاجتی ولایلتفت الی حتی کلمته فی. فقال عثمان بن حنیف واللّٰه ما کلمته ولکن شهدت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم وأتاه ضریر فشکا علیه ذهاب بصره؟ فقال له النبی صلی اللّٰه علیه وآله وسلم أ فتصبر

سے نہیں ہوتی بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے، درحقیقت دعا کرنے والا یہ دعا کرتا ہے کہ میرا تو کوئی عمل اس لائق نہیں کہ بارگاہ عالی میں پیش کروں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول بندوں کے طفیل دعا کرتا ہوں، یہ دعا اس نیک سے تعلق کے ذریعہ توسل ہے، یہ طریقہ زیادہ مظہر تواضع وعاجزی ہے۔

لیکن اس میں بھی ضروری اور قابل لحاظ امر یہ بتایا جاتا ہے کہ اس میں یہ اعتقاد نہ ہو کہ اس کے بغیر دعا مقبول ومسموع ہی نہیں یا ان کے نام کے ساتھ توسل ودعاء سے اللہ تعالیٰ پر اس کا سننا لازم وواجب ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر مخلوق کا کوئی حق لازم نہیں بلکہ اللہ جو کچھ دیتا ہے، محض اس کا فضل وعطا ہے۔

استفتاء میں مذکور ''ہدایہ'' کا حوالہ بھی اسی لزوم ووجوب کے اعتقاد سے متعلق ہے جیسا کہ اس کا مستقل جواب آئندہ صفحات پر آرہا ہے۔

سوال میں مذکورہ مضمون جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کا ایک

فقال يارسول الله انه ليس لي قائد وقد شق علي. فقال له النبي صلى الله عليه وآله وسلم: ائت الميضاة فتوضأ ثم صل ركعتين ثم ادع بهذه الدعوات. قال عثمان بن حنيف: فوالله ما تفرقنا وطال بنا الحديث حتى دخل علينا الرجل كأنه لم يكن به ضرر قط. لم يروه عن روح بن القاسم الا شبيب بن سعيد أبو سعيد المكي وهو ثقة وهو الذي يحدث عنه أحمد [ابن أحمد] بن شبيب عن أبيه عن يونس بن يزيد الأبلي وقد روى هذا الحديث شعبة عن أبي جعفر الخطمي واسمه عمير بن يزيد وهو ثقة تفرد به عثمان بن عمر بن فارس عن شعبة. والحديث صحيح وروى هذا الحديث عون بن عمارة عن روح بن القاسم عن محمد بن المنكدر عن جابر رضي الله عنه وهم فيه عون بن عمارة والصواب حديث شبيب بن سعيد. (المعجم الصغير للطبراني، باب الطاء من اسمه طاهر، ج: ١، ص: ١٨٣، ١٨٤، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ المعجم الكبير للطبراني، ما اسند عثمان بن حنيف، ج: ٩، ص: ١٧، ١٨، رقم: ٨٣١١، ط، مكتبة ابن تيمية القاهرة)

ٹکڑا ہے اس کو طبرانی نے ''الاوسط'' اور ''معجم الصغیر'' میں روایت کیا ہے(۲۱) اس کی سند یہ ہے:

(۲۱): فی منهج الحياة الايمانية: عن عمر رضی الله عنه قال: قال رسول اللهﷺ: لما أذنب آدم الذنب الذی أذنبه، رفع رأسه الی السماء، فقال: أسألك بحق محمدﷺ، الا غفرت لی، فأوحی الله اليه: من محمد؟ فقال: تبارك اسمك، لما خلقتنی رفعت رأسی الی عرشك، فاذا فيه مكتوب: لا اله الا الله محمد رسول الله، فعلمت أنه ليس أحد أعظم عندك قدراً ممن جعلت اسمه مع اسمك، فأوحی الله اليه: يا آدم انه آخر نبی من ذريتك، ولولا هو ما خلقتك.

قال الشيخؒ: أخرجه الطبرانی فی الصغير، والحاكم، وأبو نعيم، والبيهقی، كلاهما فی الدلائل، وابن عساكر كذا فی الدر.

وفی مجمع الزوائد: رواه الطبرانی فی الأوسط، والصغير، وفيه من لم أعرفهم.

وفی حاشية منهج: أخرجه الحاكم فی المستدرك ۲/ ۶۷۲ برقم: ۴۲۲۸/ ۲۳۸ وقال: هذا حديث صحيح الاسناد، وهو أول حديث ذكرته لعبدالرحمٰن بن زيد بن أسلم فی هذا الكتاب، وتعقبه الذهبی فقال: بل موضوع، وعبدالرحمٰن واه، قال الحاكم: وهو أول حديث ذكرته له فی هذا الكتاب، قلت: رواه عبدالله بن مسلم الفهری، ولاأدری من ذا؟ عن اسماعيل بن سلمة عنه يعنی: عن عبدالرحمٰن بن زيد انتهٰی.

وأخرجه الطبرانی فی الأوسط برقم: ۶۵۰۲ وابن عساكر ج/۷ ص: ۳۰۹ فی ترجمة آدم. وعرف فيه عبدالله بن مسلم الفهری بأنه من رهط أبی عبيدة بن الجراح، ونقل ابن عساكر عن البيهقی قوله: تفرد به عبدالرحمٰن بن زيد بن أسلم من هذا الوجه وهو ضعيف. والله أعلم. (منهج الحياة الايمانية والتربية الدينية فی ضوء الكتاب والسنة، ص: ۴۱۶، ۴۱۷، ط، المكتبة اليحيوية سهانفور الهند)

قال الطبرانی فی معجمه الصغیر حدثنا محمد داؤد بن أسلم الصدفی المصری حدثنا أحمد بن سعید المدنی الفهری حدثنا عبداللّٰه بن اسماعیل المدنی عن عبدالرحمان زید بن أسلم عن عمربن الخطاب (۲۲).

اس سند میں عبدالرحمٰن بن زیدبن اسلم ضعیف روای ہے۔ امام بخاریؒ وابوحاتم فرماتے ہیں کہ علی ابن المدینی نے اس کی بہت سخت تضعیف کی ہے، اسی طرح احمد، ابوداؤد، شافعی، طحاوی اورابن حبان رحمہم اللہ وغیرہ نے بھی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی تضعیف کی ہے۔**هذا کما فی تهذیب التهذیب (۳/ ۳۶۴)(۲۳).**

اورسند میں زیدبن اسلم" تابعی ثقہ" ہیں لیکن بقیہ رجال مجہول ہیں جیسا کہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں:

وفیه من لم أعرفهم کذا فی المجمع (۲۴).

یعنی ان میں بعض وہ ہیں جنہیں میں نہیں جانتا، بہرحال حدیث بالاضعیف ہونے کی بنیاد پرقابل استدلال وحجت نہیں ہے۔ لیکن اس روایت کے ضعیف ہونے سے توسل کا جواز وثبوت متاثرنہیں ہوتا کیونکہ توسل کے ثبوت کے لئے اس روایت کے علاوہ کئی اور

---

(۲۲):(معجم الصغیر، باب المیم، من اسمه محمد، ج: ۲، ص: ۸۲، ۸۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۲۳): **فی تهذیب التهذیب: وقال البخاری وابو حاتم ضعفه علی بن المدینی جدا وقال ابو داؤد اولاد زید بن اسلم کلهم ضعیف.** (تهذیب التهذیب، حرف العین، من اسمه عبدالرحمٰن، ج: ٦، ص: ۱۷۸، ط، مجلس دائرة المعارف النظامیة فی الهند)

(۲۴):(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب علامات النبوة، باب عظم قدرهﷺ، ج: ۸، ص: ۲۵۳، ط، دار الکتاب العربی بیروت لبنان)

دلائل موجود ہیں جن کی موجودگی میں اس ضعیف روایت سے استدلال کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس روایت کو بطور دلیل ذکر کرنا منقول نہیں یا پھر بہت کم! اس روایت کا ضعف نفس مسئلہ کے جواز وثبوت پر اس لیے بھی اثر انداز نہیں ہوگا کہ توسل کے ثبوت کا مدار اس روایت پر نہیں، سائل کے سوال کا منشا بھی تقریباً یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے توسل کے ثبوت کا مدار صرف اسی روایت کو سمجھا ہے جس کا ضعف بظاہر نفس مسئلہ کے ثبوت پر اثر انداز ہوتا ہے، پس یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس روایت سے وسیلہ بالذات ثابت کرنا ضعیف ہے۔

۲: آیا حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بھی ایسے وسیلے کی تعلیم دی ہے؟ تو واضح رہے اگر چہ بطور وجوب یا لزوم کے اس کا مامور ہونا اس طرح تو ثابت نہیں ہوتا کہ اسے اختیار نہ کرنے کی صورت میں گناہ لازم آتا ہو ہاں البتہ جواز کی حد تک اس کا ثبوت ہے اور شرعی ممانعت نہ ہونے کا ثبوت آپ ﷺ کے قول وفعل سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اوپر حضرت امیہ رضی اللہ عنہ حدیث میں خود فقراء مہاجرین کے توسل سے دعا کرنا اور حدیث عثمان بن حنیف میں نابینا صحابی کو اپنے توسل سے دعا کرنے کے لئے ارشاد فرمانا ثابت ہے، اور یہ طریقہ خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں بھی رہا ہے خصوصاً **أشدهم في امر الله عمرؓ** (اللہ کے دین کے معاملے میں سب سے سخت) خلیفہ ثانی، حضرت عباسؓ کے توسل سے دعا کرتے تھے۔ (بخاری ۱/۱۳۷) (۲۵) اور کاتب وحی امیر معاویہؓ یزید بن الاسود کے

---

(۲۵): **عن انس بن مالک ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان اذا قحطوا استسقیٰ بالعباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فقال اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا ﷺ فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا قال فیسقون.** (صحیح البخاری، کتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا، ص: ۱۹۹، رقم: ۱۰۱۰ ،ط، دار السلام ریاض)

طفیل دعا کرتے تھے (۲۶) اسی طرح یہ اکابر اہل سنت مفسرین، فقہا ومحدثین کا بھی اتفاقی مسئلہ ہے ان کے علاوہ علماء دیو بند رحمہم اللہ اجمعین سے توسل کا جواز واجازت بھی بحوالہ گزر چکی ہے جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وسیلہ کے جواز میں تو کسی کو کلام نہیں اور وجوب کا بھی کوئی قائل نہیں جیسا کہ اعلاء السنن طبع جدید (ص ۴۵۷، ج ۱۷) پر موجود ہے۔

۳......روایت مذکورہ فی نفسہا ضعیف ہے اگر صحیح ہونا ثابت ہو جائے تب بھی کوئی تضاد و تعارض لازم نہیں آئے گا کیونکہ عدم ذکر عدم ثبوت کو مستلزم نہیں ہوتا، یعنی قرآنی دعا کے ساتھ کلمات روایت کے ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ثابت بھی نہیں ہے۔

۴......وسیلے کے بارے میں فقہ حنفی کی کتاب "الہدایہ" کی عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

"ویکره أن یقول فی دعائه بحق فلان أو بحق أنبیائک ورسلک لانه لاحق للمخلوق علی الخالق (۲۷).

ترجمہ: دعا میں بحق فلاں یا بحق تیرے انبیاء رسل کہنا مکروہ ہے کیونکہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق واجب نہیں ہے۔

واضح رہے کہ صاحب ہدایہ محدث اور فقیہ تھے احادیث اور فقہی روایات ان کے پیش نظر تھیں لہذا مذکورہ عبارت یا اس جیسی دیگر عبارات کا تعلق اس صورت کے ساتھ ہے جس

---

(۲۶): قال ابن حجر: واستسقی معاویة بیزید بن الأسود، فقال اللّٰهم انا نستسقی بخیرنا وأفضلنا اللّٰهم انا نستسقی بیزید بن الأسود، یا یزید ارفع یدیک الی اللّٰه تعالی فرفع یدیه ورفع الناس أیدیهم فثارت سحابة من المغرب کأنها ترس وهبت ریح فسقوا حتی کاد الناس لایبلغون منازلهم. (مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الاستسقاء، الفصل الثالث، ج: ۳، ص: ٥٦٠، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۲۷): (الهدایة شرح بدایة المبتدی، کتاب الکراهیة، مسائل متفرقة، المجلد الرابع، جزء ۷، ص: ۲۳۵، ط، ادارة القرآن و العلوم الاسلامیة کراتشی)

میں ان نیک بندوں کے لئے اختیار وتصرف اور قدرت کا اعتقاد رکھا جائے اور یہ توسل کی پہلی صورت کے تحت داخل ہے اور خلاف شرع ہے۔ یا پھر اس کا تعلق اس صورت کے ساتھ ہے کہ جب اس اعتقاد کے ساتھ دعا کی جائے کہ ان کی توسل سے دعا کی جائے تو اس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ پر مخلوق کا کوئی حق واجب نہیں ہے، گر یہ اعتقاد ہو اور عوام الناس کی ناقص فہم توسل کو اسی معنی میں لے تو یہ ناجائز ہے جیسا کہ ''اعلاء السنن'' میں ہے۔

'' وقد أجمعوا على ترك بعض الاختيار مخافة أن يقصر عنه فهم بعض الناس فيقعو فى أشد منه (الى قوله) رسلك وأنبيائك وأوليائك أوبحق البيت لانه لاحق للمخلوق على الخالق''(٢٨).

ترجمہ: اور اس اندیشہ کے پیش نظر وسیلہ کی بعض صورتوں کے ترک کرنے پر اجماع منعقد ہوا ہے، کہ لوگ وسیلہ کا مفہوم نہیں سمجھ سکیں گے اور اس سے زیادہ سخت گناہ میں مبتلا ہوں گے......''۔

''درمختار'' کا قول'' **انه كره قوله بحق رسلك**'' (٢٩) وغیرہ اسی قبیل سے ہیں۔

٥: دنیا کے عالم وجود میں آنے سے قبل عرش پر کلمہ طیبہ تحریر ہونے کے بارے میں کوئی نص قرآنی تو نہیں، البتہ حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

٦: فقہ حنفی کی کتب وفتاویٰ میں وسیلہ کی بابت واسطہ، طفیل، حرمت، حق اور جاہ

---

(٢٨): (اعلاء السنن، باب الدعاء بقوله: اللّٰهم انى أسألك بمقعد العز من عرشك، ج: ١٧، ص: ٤٥٧، ٤٥٨، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

(٢٩):(الدرالمختار مع الشامى، كتاب الحظر والاباحة، فصل فى البيع، ج: ٩، ص: ٥٦٩، ط، دار عالم الكتب رياض)

کے الفاظ ہی مذکور ہیں ان کے استعمال کرنے میں اعتقاد کے اعتبار سے جواز کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

۷: "وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ" الایة کی روح المعانی میں تین تفسیریں نقل کی گئی ہیں:

۱: ترک معصیت اور طاعات بجا آوری پر انسان کو اللہ تعالیٰ سے جو تقرب حاصل ہوتا ہے وہ وسیلہ کہلاتا ہے۔

۲: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حاجت کے معنی میں ہے یعنی حاجت اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو غیر اللہ سے مت مانگو۔

۳: وسیلہ جنت میں ایک منزل ہے جو نبی اکرم ﷺ کے لیے ہے، جس کے لئے دعا کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ ہر اذان کے بعد دعاء وسیلہ پڑھا کریں (۳۰)۔

باقی توسل بالذات اگرچہ احادیث وفقہی روایات سے ثابت ہے لیکن اس آیت میں "الوسیلہ" سے توسل بالذات مراد لینا بعید ہے جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں ہے:

"واستدل بعض الناس بهذا الاية على مشروعية الاستغاثة بالصالحين وجعلهم وسيلة بين الله تعالى وبين

(۳۰): في روح المعاني: ﴿الوسيلة﴾ هي فعلية بمعنى ما يتوسل به ويتقرب الى الله عزوجل من فعل الطاعات وترك المعاصي.

وأخرج ابن الانباري وغيره عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أن الوسيلة الحاجة...الخ.

وفسر بعضهم: "الوسيلة" بمنزلة في الجنة. (روح المعاني، سورة المائدة، الآية: ۳۵، ج: ٦، ص: ۱۲٤، ط، دار احياء التراث العربي بيروت لبنان)

العباد...... (الی قوله) کل ذالک بعید عن الحق"(۳۱).

ترجمہ: "اس آیت سے بعض لوگوں نے صالحین سے مدد مانگنے اور انہیں اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان وسیلہ بنانے کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے...... یہ تمام حق سے بعید ہے۔"

نیز اس لئے بھی توسل بالذات مراد نہیں کہ آیت کے سیاق وسباق میں اعمال کا ذکر ہے نہ کے ذوات کا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ لمرجع والمآب۔ (فتاوی بینات، ج:۲،ص: ۱۷۱تا۱۸۷، ط، مکتبہ بینات کراچی)



حضور علیہ وسلم صلی اللہ کے وسیلہ سے دعا مانگنے کا ثبوت

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مفتی صاحب جمعہ کے دن امام صاحب نے بیان کیا کہ حضور علیہ وسلم صلی اللہ کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز نہیں، اگر جائز ہے تو اس کا ثبوت کس حدیث شریف سے ہے؟ حوالہ پیش فرمائیں۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضور اکرم علیہ وسلم صلی اللہ کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز ہے جو مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہے:

عن عثمان بن حنیف، ان رجلا ضریر البصر أتی النبی فقال: ادع اللّٰه أن یعافینی، قال: ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خیرلک، قال فادعه، قال: فأمره أن یتوضأ

(۳۱): (روح المعانی، سورة المائدة، الآیة: ۳۵، ج: ٦، ص: ۱۲٤، ۱۲۵، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

فیحسن وضوءہ ویدعو بهذا الدعاء: اللّٰهم انی أسئلک وأتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمة، انی توجهت بک الی ربی فی حاجتی لتقضی لی، اللّٰهم فشفعه فی. (جامع الترمذی، الدعوات، باب فی دعاء الضیف، النسخة الهندیة ۱۹۸/۲، رقم: ۳۵۷۸، السنن الکبری للنسائی، کتاب عمل الیوم واللیلة، ذکر حدیث عثمان بن حنیف، دارالکتب العلمیة بیروت ۶/ ۱۶۸۔ ۱۶۹، رقم: ۱۰۴۹۴، ۱۰۴۹۶)

عن ثمامة بن عبداللّٰه بن أنس، عن أنس بن مالک، أن عمر بن الخطابؓ کان اذا قحطوا استقی بالعباس بن عبدالمطلبؓ، فقال: اللّٰهم انا کنا نتوسل الیک بنبیناﷺ فتسقینا، وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا، قال: فیسقون. (بخاری، باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا ۱۳۷/۱، رقم: ۱۰۰۰، ف: ۱۰۱۰)فقط واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم(فتاوی قاسمیه، ج: ۱، ص: ۴۵۱، ۴۵۲، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند)



حضور ﷺ کے توسل سے دعا مانگنا حدیث سے ثابت ہے

﴿سوال﴾:

آنحضرت ﷺ کا وسیلہ طلب کرنا بعض لوگ ناجائز قرار دیتے ہیں کہ آپ فوت ہو چکے ہیں، اس بارے میں صحیح مسلک کیا ہے؟

﴿الجواب﴾:

حدیث شریف میں ہے:

"ان اللّٰہ حرم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء فنبیّ اللّٰہ حیّ یرزق (۳۲)"۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام کیا زمین پر یہ کہ وہ انبیاء کے جسم کو کھاوے، پس اللہ کا نبی زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء زندہ ہیں جیسا کہ شہید کے بارے میں قرآن شریف میں وارد ہوا ہے: ﴿بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ﴾ (سورۂ آل عمران، آیت: ۱۶۹) پس جب کہ شہداء زندہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام جو کہ ان سے افضل ہیں (۳۳)، بہ درجۂ اولیٰ زندہ

---

(۳۲): عن أبی الدرداء رضی اللّٰہ تعالی عنه قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: أکثروا الصلاۃ علی یوم الجمعة، فانه مشهود تشهده الملائکة، وان أحداً لن یصلی علی الا عرضت علی صلاته حتی یفرغ منها، قال: قلت وبعد الموت؟ قال: وبعد الموت، ان اللّٰہ حرم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء، فنبی اللّٰہ حی یرزق. (سنن ابن ماجة، کتاب الجنائز، قبیل: کتاب الصوم، ص: ۱۱۸، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

(۳۳): فی موسوعة الفقهیة: لاخلاف بین العلماء أن الأنبیاء أفضل عند اللّٰہ من سائر البشر غیر الأنبیاء، ومن جمیع الأولیاء، لقول اللّٰہ تعالی: ﴿وتلک حجتنا اٰتینٰها ابراهیم علی قومه﴾ الی أن قال: ﴿واسماعیل والیسع ویونس ولوطا وکلا فضلنا علی العالمین﴾ فقوله: ﴿وکلا فضلنا علی العالمین﴾ ورد بعد ذکر ثمانیة

ہیں (۳۴)، اور توسل بالانبیاء علیہم السلام جائز ہے (۳۵)، جیسا کہ ایک حدیث شریف میں

عشر نبياً، مما يبين أن كلا من الأنبياء افضل من سائر الناس. وقال تعالى: ﴿ولقد اٰتينا داؤد وسليمان علما وقالا الحمدللّٰه الذى فضلنا على كثير من عباده المؤمنين﴾. قال الطحاوى: ولانفضل أحدا من الأولياء على أحد من الأنبياء، ونقول: نبى واحد أفضل من جميع الأولياء. (الموسوعة الفقهية: ج: ٤٠، ص: ٥٠)

(۳۴):فى المهند: عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة ﷺ حى فى قبره الشريف و حيٰوته ﷺ دنيوية من غير تكليف وهى مختصة به ﷺ وبجميع الأنبياء صلوات اللّٰه عليهم والشهداء لا برزخية كما هى حاصلة لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطى فى رسالته انباء الاذكياء بحيٰوة الانبياء حيث قال قال الشيخ تقى الدين السبكى "حيٰوة الانبياء والشهداء فى القبر كحيٰوتهم فى الدنيا ويشهد له صلوة موسىٰ عليه السلام فى قبره فان الصلٰوة تستدعى جسداً حياً" الى اٰخر ما قال "فثبت بهذا ان حيٰوته دنيوية برزخية لكونها فى عالم البرزخ" ولشيخنا شمس الاسلام والدين محمد قاسم العلوم على المستفيدين قدس اللّٰه سره العزيز فى هذا المبحث رسالة مستقلة دقيقة الماخذ بديعة المسلك لم ير مثلها قد طبعت و شاعت فى الناس واسمها "آب حيات" اى ماء الحيٰوة. (المهند على المفند، ص: ۳۶،۳۷،ط، قديمى كتب خانه كراچى)

(۳۵):قال العلامة خليل احمد السهارنفوى نوراللّٰه مرقده: عندناوعند مشائخنا يجوز التوسل فى الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصديقين فى حيٰوتهم وبعد وفاتهم بان يقول فى دعائه اللّٰهمّ انى اتوسل اليك بفلان ان تجيب دعوتى وتقضى حاجتى الى غيرذلك. الخ. (المهند على المفند، ص: ۳۵، ط، قديمى كتب خانه)

وفى شفاء السقام: اعلم أنه يجوز ويحسن التوسل والاستغاثة والتشفع بالنبى ﷺ الى ربه سبحانه وتعالىٰ وجواز ذٰلك وحسنه من الأمور المعلومة لكل ذى دين والمعروفة من فعل الأنبياء والمرسلين وسير السلف الصالحين والعلماء

ہے:انی توجهت بک الی ربی فی حاجتی هذا لتقضی لی. الحدیث(۳۶).
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی دار العلوم دیو بند، ج:۱۸،ص:۲۶۷، ط،مکتبہ دار العلوم دیو بند)



زندگی میں آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنا

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور پاک ﷺ کی زندگی میں آپ کے وسیلہ سے دعا مانگنا ثابت ہے یا نہیں؟

﴿الجواب وباللّٰہ التوفیق﴾:

والعوام من المسلمین، ولم ینکر أحد ذٰلک من أهل الأدیان، ولاسمع به زمن حتی جاء ابن تیمیة فتکلم فی ذٰلک.(شفاء السقام فی زیارة خیر الانام، الباب الثامن فی التوسل والاستغاثة والتشفع بالنبی ﷺ، ص: ۳۵۷، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی فتح الباری، ج:۲،ص:۵۷۷، رقم الحدیث:۱۰۱۰،ط،مکتبة الملك الفهد الوطنیة،ریاض)

(وکذا فی عمدة القاری ج: ۷، ص: ۴۸، رقم الحدیث: ۱۰۱۰، ط: دار الکتب العلمیة بیروت،لبنان)

(۳۶):عن عثمان بن حنیف، ان رجلا ضریر البصر أتی النبی فقال: ادع اللّٰه أن یعافینی، قال: ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خیرلک، قال فادعه، قال: فأمره أن یتوضأ فیحسن وضوءه ویدعو بهذا الدعاء: اللّٰهم انی أسئلک وأتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمة، انی توجهت بک الی ربی فی حاجتی لتقضی لی، اللّٰهم فشفعه فی. (جامع الترمذی، الدعوات، باب بلا ترجمة، ص: ۸۱۶، رقم: ۳۵۷۸، ط، دار السلام ریاض/ صحیح ابن خزیمة، کتاب الصلاة، باب صلاة الترغیب والترهیب، ج: ۲، ص: ۱۵۱، ۱۵۲، رقم: ۱۲۹۴، ط، دار التاصیل)

حضور علیہ السلام کی زندگی میں آپ کے وسیلہ سے دعا کرنا مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہے:

عن عثمان بن حنيف، أن رجلا ضرير البصر أتى النبى فقال: ادع الله أن يعافينى، قال: ان شئت دعوت، وان شئت صبرت فهو خير لك، قال: فادعه، قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه ويدعو بهذا الدعاء: اللهم انى أسئلك وأتوجه اليك بنبيك محمد نبى الرحمة، انى توجهت بك الى ربى فى حاجتى هذه لتقضى لى، اللّٰهم فشفعه فى.

(جامع الترمذى، الدعوات، باب فى دعاء الضيف، النسخة الهندية ١٩٨/٢، دارالسلام، رقم: ٣٥٧٨، قال الامام الترمذى: حديث حسن صحيح غريب، سنن ابن ماجة، الصلوات، باب ماجاء فى صلاة الحاجة، لنسخة الهندية ٩٩/١، دارالسلام، رقم: ٣٨٥، وفيه: قال أبو اسحاق: هذا حديث صحيح، صحيح ابن خزيمة، الصلاة، باب صلاة الترغيب والترهيب، المكتب الاسلامى ٦٠٣/١، رقم: ١٢١٩، قال المحشى: اسناده صحيح، مسند أحمدبن حنبل ١٣٨/٤، رقم: ١٧٣٧٢، ١٧٣٧٤، المستدرك، كتاب التطوع، قديم ٤٥٨/١، جديد ٤٥٤/٢، رقم: ١١٨٠، كتاب الدعاء والتكبير قديم ٧٠٠/١، جديد ٧٢٨/٢، رقم: ٩٠٩، قديم ٧٠٠/١، جديد ٧٢٨/٢، رقم: ٩٠٩، قديم ٧٠٧/١، جديد ٧٣٥/٢، رقم: ١٩٢٩، ١٩٣٠)

عن ثمامة بن عبدالله بن أنس، عن أنس بن مالك أن عمر بن الخطابؓ، كان اذا قحطوا استسقى بالعباس بن

عبدالمطلبؓ، فقال: اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبیناﷺ فتسقینا، وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا، قال: فیسقون.
(بخاری، باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا ۱/۱۳۷، رقم: ۱۰۰۰، ف: ۱۰۱۰)فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔(فتاوی قاسمیہ، ج: ۱، ص: ۴۴۷، ۴۴۸، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنا

﴿سوال﴾:
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے وسیلہ سے دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

﴿الجواب وباللّٰہ التوفیق﴾:
حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ بلاوجہ قبل الوفات اور بعد الوفات میں فرق کرنا نہایت بے انصافی کی بات ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت اور نبی الرحمہ کا جو درجہ عطا فرمایا ہے آپ کی وفات کے بعد اس منصب نبوت اور نبی الرحمہ کے درجہ اور عظمت شان میں کوئی فرق آیا ہے؟ ہرگز نہیں، جو اس کا دعوی کریں وہ قرآن وحدیث سے ثابت کردیں، ورنہ اپنے ایمان اور عقیدہ کی خیر منائیں، ہر مؤمن کا عقیدہ ہونا ضروری ہے کہ قبل الوفات اور بعد الوفات دونوں حالتوں میں آپ کی منصب نبوت اور عظمت شان بدستور باقی ہے، اسی لئے آپ کی وفات کے بعد بھی منصب نبوت اور نبی الرحمہ کے وسیلہ سے دعا مانگنا بلاشبہ جائز ہے۔ حضرت عثمان بن حنیف کی روایت اور ابوصالح سمان عن مالک الداری کی روایت سے واضح طور پر اس کا

ثبوت ملتا ہے۔حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبی أمامة بن سهل بن حنیف، عن عمه عثمان بن حنیف: أن رجلا، ان یختلف الی عثمان بن عفان۔ رضی اللّٰہ عنه۔ فی حاجة له، فکان عثمان لایلتفت الیه و لاینظر فی حاجته، فلقی ابن حنیف فشکی ذلک الیه، فقال له عثما ن بن حنیف ائت المیضأة فتوضأ، ثم ائت المسجد فصل فیه رکعتین، ثم قل: اللّٰهم انی أسئلک و أتوجه الیک بنبینا محمد نبی الرحمة، یا محمد، انی أتوجه بک الی ربی، فتقضی لی حاجتی. (المعجم الکبیر، داراحیاء الترات العربی بیروت ۳۱/۹، رقم: ۸۳۱۱)

عن مالک الدار قال: وکان خازن عمر علی الطعام، قال: أصاب الناس قحط فی زمن عمر، فجاء رجل الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: یارسول اللّٰہ! استسق لأمتک فانهم قد هلکوا، فأتی الرجل فی المنام، فقیل له: ائت عمر فأقرئه السلام، وأخبره أنکم مسقیون، وقل له: علیک الکیس، علیک الکیس، فأتی عمر فأخبره، فبکی عمر، ثم قال: یا رب لاآلو الا ما عجزت عنه. (مصنف ابن أبی شیبة، کتاب الفضائل، باب ماذکر فی فضل عمربن الخطاب رضی اللّٰہ عنه، مؤسسة علوم القرآن، جدید ۶۴/۱۷، رقم: ۳۲۶۶۵)فقط واللّٰہ سبحانه وتعالیٰ اعلم(فتاوی قاسمیه، ج: ۱، ص: ۴۴۸تا ۴۵۰، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند)



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وسیلہ پکڑنے کا حکم

﴿سوال﴾:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وسیلہ پکڑنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کے دلائل ذکر فرمادیں اور اگر کسی کا اختلاف ہو نقل فرمائیں۔

﴿الجواب﴾:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وسیلہ پکڑنا بالکل جائز اور درست ہے (۳۷)۔

بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ عنه قال: ان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب رضی اللّٰہ عنه قال: اللّٰھم انا کان نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبیک فاسقنا قال:

---

(۳۷): **قال العلامة خلیل احمد السهارنفوی نوراللّٰہ مرقده: عندناوعند مشائخنا یجوز التوسل فی الدعوات بالأنبیاء والصالحین من الأولیاء والشهداء والصدیقین فی حیٰوتهم وبعد وفاتهم بان یقول فی دعائه اللّٰهمّ انی اتوسل الیک بفلان ان تجیب دعوتی وتقضی حاجتی الی غیرذلک. الخ.** (المهند علی المفند، ص: ۳۵، ط: قدیمی کتب خانه)

وقال العلامة بدرالدین العینی: وفیه من الفوائد: استحباب الاستشفاع بأهل الخیر و الصلاح و أهل بیت النبوة...الخ. (عمدة القاری ج:۷،ص:۴۸،رقم الحدیث: ۱۰۱۰،ط، دار الکتب العلمیة بیروت،لبنان)

وقال ابن حجر: ویستفاد من قصة العباس استحباب الاستشفاع بأهل الخیر والصلاح وأهل بیت النبوة....الخ. (فتح الباری، ج: ۲، ص: ۵۷۷، رقم الحدیث: ۱۰۱۰، ط: مکتبة الملك الفهد الوطنیة،ریاض)

فیسقون. (رواہ البخاری: ۱/۱۳۷، قدیمی)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

قال ابن حجرؒ: واستسقی معاویۃ بیزید بن الأسود فقال: اللّٰھم انا نستسقی بخیرنا وأفضلنا، اللّٰھم نستسقی بیزید بن الأسود یا یزید ارفع یدیک الی اللّٰہ فرفع یدیہ.

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ۳/۳۳۹، ملتان)

اس روایت میں توسل کے ساتھ دعا کا بھی ذکر ہے۔

ترمذی شریف ہے:

عن عثمان بن حنیف أن رجلاً ضریر البصر أتی النبیﷺ فقال: ادع اللّٰہ أن یعافینی، قال: ان شئت دعوت وان شئت صبرت، فھو خیرلک، قال: فادعہ، قال: فأمرہ أن یتوضأ فیحسن وضوءہ ویدعو بھذا الدعاء" اللّٰھم انی أسئلک وأتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ: انی أتوجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی، اللّٰھم فشفعہ فی. (رواہ الترمذی: ۲/۱۹۸)

ترمذی شریف کے بعض نسخوں میں ابو جعفر کے ساتھ "ھو الخطمی" کا ذکر ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ دیگر کتب حدیث میں بھی ابو جعفر کے ساتھ خطمی ہونے کا ذکر ہے مثلاً: (المعجم الکبیر: ۹/۱۷، ومسند احمد: ۴/۱۳۸، ومستدرک حاکم: ۱/۵۱۹/۳۱۳)۔ ان کتب حدیث میں ابو جعفر خطمی سے یہی روایت ہے اور جامع ترمذی کا وہ نسخہ جو "دارالکتب العلمیۃ لبنان" سے طبع ہوا ہے اس میں یہ عبارت ہے:

قال: ھذا حدیث حسن صحیح غریب لانعرفہ الامن ھذا الوجہ من حدیث أبی جعفر وھو الخطمی. (ترمذی

شریف: ۵/۵۳۱، ط: دارالکتب العلمیة)

اور جن نسخوں میں "وھو غیر الخطمی" آیا ہے وہ کاتب کی غلطی ہے، معلوم ہوا کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے اور توسل جائز ہے، البتہ علامہ ابن تیمیہؒ اور بعض نجدی علماء توسل کو ناجائز قرار دیتے ہیں (۳۸)، حالانکہ ابوجعفر خطمی بالکل صحیح راوی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

تقریب التھذیب میں ہے:

عمیر بن یزید بن عمیربن حبیب الأنصاری أبو جعفر الخطمی المدینی نزیل البصرة صدوق من السادسة. (تقریب التھذیب ص: ۲٦٦)

تحریر التقریب میں ہے:

بل ثقة، فقد اتفقوا علی توثیقه، فقد وثقه ابن معین، والنسائی وابن مھدی، وابن نمیر، والعجلی، والطبرانی

---

(۳۸):فی الشامیة: نعم ذکر العلامة المناوی فی حدیث "اللّٰھم انی أسالک وأتوجه الیک بنبیک نبی الرحمة" عن العز بن عبدالسلام أنه ینبغی کونه مقصورا علی النبی ﷺ، وأن لایقسم علی اللّٰه بغیره، وأن یکون من خصائصه. قال: وقال السبکی: یحسن التوسل بالنبی الی ربه، ولم ینکره أحد من السلف ولا الخلف، الا ابن تیمیة فابتدع ما لم یقله قبله اھ. (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع، ج: ۹، ص: ۵٦۹، ط، دار عالم الکتب ریاض)

وفی شفاء السقام: اعلم أنه یجوز ویحسن التوسل والاستغاثة والتشفع بالنبی ﷺ الی ربه سبحانه وتعالٰی وجواز ذٰلک وحسنه من الأمور المعلومة لکل ذی دین والمعروفة من فعل الأنبیاء والمرسلین وسیر السلف الصالحین والعلماء والعوام من المسلمین، ولم ینکر أحد ذٰلک من أھل الأدیان، ولاسمع به زمن حتی جاء ابن تیمیة فتکلم فی ذٰلک. (شفاء السقام فی زیارة خیر الانام، الباب الثامن فی التوسل والاستغاثة والتشفع بالنبی ﷺ، ص: ۳۵۷، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وذكره ابن حبان في الثقات ولا فيه جرحاً بل له رواية يحيى بن سعيد القطان عنه. (تحرير التقريب: ۳/۱۲۰/۵۱۹۰، مؤسسة الرسالة).

ابو جعفر الخطمی کی مزید تحقیق جلد سوم باب الحرمین کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اشکال اور جواب:

اشکال:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اضطراب ہے اس وجہ سے کہ بعض طرق میں عن ابی جعفر عن عمارۃ بن خزیمہ ہے اور بعض میں عن ابی جعفر عن ابی امامہ ہے پھر ابو جعفر سے نقل کرنے والے بھی مختلف ہے، لہذا یہ حدیث مضطرب ہے اور قابل استدلال نہیں؟

﴿الجواب﴾:

حدیثِ بالا مختلف طرق کے ساتھ مروی ہے اور محدثین نے اکثر طرق کو صحیح قرار دیا ہے، اور ممکن ہے کہ ابو جعفر نے عمارہ ابو امامہ بن سہل بن حنیف دونوں سے سنا ہو لہذا دونوں سے روایت صحیح ہے، وجہ یہ ہے ان سے نقل کرنے والے روات ثقہ ہیں، بنابریں یہ اختلاف مضر نہیں ہے۔ ہاں عون بن عمارہ کی طرف وہم کی نسبت کرتے ہوئے امام طبرانی نے اس طریق کو رد کیا ہے۔

قال ابن أبي حاتم في "العلل" (۱/۱۲۷، رقم: ۲۰۶۴): سمعت أبا زرعة وحدثنا بحديث: اختلف شعبة وهشام الدستوئي: فروى شعبة، عن أبي جعفر الخطمي، عن عمارة بن خزيمة، عن عثمان بن حنيف فذكر الحديث بطوله..... وقال: هكذا رواه عثمان بن عمر، عن شعبة حدثنا

به أبو سعيد بن يحيى بن سعيد القطان، عن عثمان بن عمر.

ورواه معاذ بن هشام الدستوئى، عن أبيه، عن أبى جعفر، عن أبى أمامة بن سهل بن حنيف، عن عمه عثمان بن حنيف عن النبى ﷺ. فسمعت أبا زرعة يقول: الصحيح: حديث شعبة. قال أبو محمد: حكم أبو رزعة لشعبة وذلک لم يكن عنده أن أحداً تابع هشام الدستوئى ووجدت عندى عن يونس بن عبد الأعلى، عن يزيد بن وهب، عن أبى سعيد التميمى يعنى شبيب بن سعيد عن روح بن القاسم، عن ابى جعفر عن أبى أمامة بن سهل بن حنيف، عن عمه عثمان بن حنيف، عن النبى ﷺ، مثل حديث هشام الدستوائى، وأشبع متناً وروح بن القاسم ثقة يجمع حديثه، فاتفاق الدستوائى وروح بن القاسم يدل على أن روايتهما أصح.

حدیث شریف کی تخریج ملاحظہ فرمائیں:

قال الامام أحمد فى" مسنده" (رقم: ۱۷۲٤۰):

حدثنا عثمان بن عمر، أخبرنا شعبة (تابعة حماد بن سلمة)عن أبى جعفر، عن عمارة بن خزيمة ابن ثابت عن عثمان بن حنيف: أن رجلاً ضرير البصر...... الخ.

قال الشيخ شعيب الأرناؤوط فى تعليقه على" مسند الامام أحمد": اسناده صحيح رجاله ثقات.

ورواه هذا الوجه الترمذى فى" سننه" (٥/٥٣٧، رقم: ۳٥۷۸)،قال: هذا حديث حسن صحيح غريب لانعرفه الامن هذا الوجه، من حديث أبى جعفر وهو الخطمى، وابن خزيمة

فـی" صـحيحـه" (٢/٢٢٥/١٢١٩، بـاب صـلاة الترغيـب، الـمكتب الاسلامی)، **قـال الأعـظـمـی: اسناده صحيح، وابن ماجه فی "سننه"** (١/٤٤١/١٣٨٥، دارالكفر)، **وقال، قال أبو اسـحـاق: هـذا حديث صحيح، والحاكم فی "المستدرک"** (١/٤١٦/ ١١٨٠ كتـاب صـلاة التطوع) **وقـال: هـذا حديث صـحيـح، والـحـاكـم فـی" المستدرک"** (١/٤١٦/١١٨٠ كتـاب صلاة التطوع) **وقـال: هـذا حديث صحيح على شرط الشيـخيـن ولـم يـخـرجاه، ووافقه الذهبی، وأيضاً** (١/ ٦٧٨/ ١٩٠٩، كتـاب الدعاء)، **وقـال: هـذا حـديث صحيح الاسناد ولـم يـخـرجـاه، ووافقـه الـذهبـی، والسنائی فی "الكبری"** (٦/١٦٩/١٠٤٢٠، الـصـلاة بعد الجمعة)، **وفـی" عمل اليوم والـليلة"** (ص ٢٠٤،رقـم: ٦٦٤، ذكـر عثمـان بن حنيف)، **والبيهـقی فی "الدلائل"** (٦/ ١٦٦، بيروت)، **وفی" الدعوات الـكبير"** (ص ١٥١، رقـم: ٢٠٤، بـاب مـايستحب للدعی)، **والـطبـرانـی فی "الكبير"** (٩/ ٣١/٨٣١١)، **وفـی "الـدعاء"** (ص ٣٥٣، رقم: ١٠٥١، باب القول عندالدخول على السلطان، الـقاهرة)، **وعـبـد بـن حـميد فی "المنتخب"** (١/١٤٧/٣٧٩، الـقـاهـرة)، **وأبـونـعيـم فـی " المعـرفة"** (٣/٣٦٧/٤٩٤٥)، **والهيثـمـی فـی" روائد مسند أبی يعلی الموصلی"** (١/١٧٩، بـاب صـفة الوضوء)، **وابـن قـانـع " مـعجمه"** (٥/١/١٢٠٩)، **وابـن الأثيـر فـی " أسد الغابة"** (٢/٢٤٦)، **وابـن عسـاكر فی "التاريخ"** (٦/٢٤، دارالفكر).

وتابع حماد سلمة شعبة فی روایته عن أبی جعفر عن عمارة بن خزیمة: أخرج هذه المتابعة النسائی. فی" عمل الیوم واللیلة" (ص ٢٠٤، رقم: ٦٦٣، ذکر عثمان بن حنیف) فقال: أخبرنا محمد بن معمر قال: حدثنا حبان قال: حدثنا حماد قال: أخبرنا أبوجعفر عن عمارة بن خزیمة ......الخ، وأحمد فی" مسنده" (رقم: ١٧٢٤٢)، والبیهقی فی "الدلائل" (١٦٧/٦، بیروت)، والبخاری فی" التاریخ الکبیر" (٢١٩٢/٢٠٩/٦)، والذهبی فی" التاریخ" (٣٦٤/١، بیروت)، وأبونعیم فی" المعرفة" (١٦٧/٣، بیروت). وأبوبکربن ابی خیثمة فی" تاریخه".

قال النسائی فی" عمل الیوم واللیلة" (ص٢٠٥، ذکر عثمان بن حنیف): خالفهم هشام الدسوائی وروح بن القاسم فقالا: عن أبی جعفر بن یزید بن خراشة عن أبی أمامة بن سهل عن عثمان بن حنیف.

وحدیث هشام الدستوائی: أخرجه النسائی فی" عمل الیوم واللیلة" (ص ٢٠٥، رقم: ٦٦٥) وفی" السنن الکبری" (١٠٤٢١ /١٦٩/٦)، والمزی فی" التحفة" (٩٧٦٠ /٢٣٦/٧)، والبخاری فی" التاریخ الکبیر" (٢١٩٢/٢١٠/٦)، والبیهقی فی "الدلائل" (١٦٨/٦، بیروت).

وأما حدیث روح بن القاسم (الذی وقعت فیه القصة لاتی ذهب فیها المحتاج الی عثمانؓ وقضی حاجته): فرواه

الطبراني في" الكبير" (٩/١٧) **وفي "الصغير"** (١/١٨٣) **وصححه، وفي" الدعاء،،** (ص ٣٥٣، رقم: ١٠٥٠)، **فقال: حدثنا طاهر بن عيسى المقرى المصرى حدثنا أصبغ بن الفرج حدثنا عبدالله بن وهب** (تابعه أحمد بن شبيب كمافي دلائل النبوة للبيهقي: ٦/١٦٧، وعمل اليوم والليلة لابن السني، رقم: ٦٢٩، وتاريخ الاسلام للذهبي: ١/٣٦٥ واسماعيل بن شبيب وهو مجهول، دلائل النبوة: ٦/١٦٧)**عن شبيب بن سعيد المكي** (تابعه عون بن عمارة وهو ضعيف، المستدرك: ١/٦٨٦/ ١٩٢٩، وفي كتاب الدعاء للطبراني، ص ٣٥٤، رقم: ١٠٥٣، وقال: رواه عون بن عمارة عن روح القاسم عن محمد بن المنكدرعن جابر، وهم عون في الحديث وهماً فاحشاً، ومعرفة لابي نعيم: ٣/٣٦٨، والمجروحين لابن حبان: ٢/١٩٧) **عن روح بن القاسم عن أبي جعفر الخطمي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف...... فذكر القصة بطولها مع الحديث. وأخرجه من هذا الوجه أبونعيم في "المعرفة"** (٣/٣٦٨/ ٤٩٤٦)، **والبخاري في" التاريخ الكبير"** (٦/٢١٠/ ٢١٩٢، بدون القصة)، **والحاكم في "المستدرك"** (١/٦٨٦، كتاب الدعاء)، **وقال: تابعه (عوناً) شبيب بن سعيد عن روح بن القاسم زيادات في المتن والاسناد والقول شبيب فانه ثقة مأمون، وابن قانع في "معجمه"** (٢/٢٥٨)، **بدون القصة، وابن عساكر في "التاريخ"** (٥٨/٣٧٥)، **بدون القصة.**

قلت: هذا اسناد صحيح، وقد صححه غير واحد من الحفاظ، ودفع ابن أبي حاتم الاختلاف والضطراب عن هذا الحديث كما تقدم. والله سبحانه وتعالى اعلم. (فتاوی دار العلوم زکریا، ج: ۱، ص: ۲۷۶تا ۲۸۱ ط، زمزم پبلشرز کراچی/فتاوی مفتی محمودؒ، ج: ۱، ص: ۱۷۹، ۱۸۰، ط، اشتیاق اے مشتاق پریس لاهور/ ارشاد المفتین، ج: ۱، ص: ۲۶۵، ط، مکتبة الحسن لاهور/ فتاوی فلاحیه، ج: ۱، ص: ۲۲۶، ۲۲۷)

توسل بالانبیاء والاولیاء کے بارے میں مفصل ومدلل فتویٰ

﴿سوال﴾:

۱: مسائل ذیل میں توسل بالانبیاء والاولیاء کی حقیقت کیا ہے؟

۲: انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام اور صلحاء کرام کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا کیسا ہے خواہ اس عالم دنیا میں زندہ ہوں یا فوت ہو چکے ہوں۔ خواہ ان کی ذوات سے توسل کیا جائے یا ان کے اعمال سے، ایسا توسل جائز ہے یا حرام یا شرک؟

۳: علماء حنفیہ خصوصاً اکابر علماء دیوبند کا مسلک توسل کے متعلق کیا ہے؟

۴: پنجاب کے بعض مدعیان علم دیوبندی کہلا کر اس قسم کے توسل کا سرے سے انکار کرتے ہیں بلکہ اس کو شرک کہتے ہیں وہ صحیح معنی کو دیوبندی ہیں یا نہیں؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

توسل کی حقیقت: مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ چشتی حنفی قدس سرہ العزیز جائز توسل کی حقیقت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

(الف) کسی شخص کا جو جاہ ہوتا ہے اللہ کے نزدیک اس جاہ کی قدر

اس پر رحمت متوجہ ہوتی ہے۔توسل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ جتنی رحمت اس پر متوجہ ہے اور جتنا قرب اس کا آپ کے نزدیک ہے اس کی برکت سے مجھ کو فلاں چیز عطا فرما۔ کیوں کہ اس شخص سے تعلق ہے، اسی طرح اعمال صالحہ کا توسل آیا ہے حدیث میں، اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ اس عمل کی جو قدر حق تعالیٰ کے نزدیک ہے اور ہم نے وہ عمل کیا ہے۔اے اللہ برکت اس عمل کے ہم پر رحمت ہو۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۸)

(ب) اور حاصل توسل فی الدعاء کا یہ ہے، کہ اے اللہ فلاں بندہ آپ کا مورد رحمت ہے۔ اور مورد رحمت سے محبت اور اعتقاد رکھنا بھی موجبِ جلب رحمت ہے۔اور ہم اس سے محبت اور اعتقاد رکھتے ہیں پس ہم پر رحمت فرما۔ (نشر الطیب، ص: ۳۴۸)

۲: حضرات انبیاء علیہم السلام، اور اولیاء اللہ العظام، اور صلحاء کرام، کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعاً مانگنا شرعاً جائز بلکہ قبولیت دعا کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے مستحسن اور افضل ہے(۳۹)۔قرآن وحدیث کے اشارات وتصریحات سے اس قسم کا توسل بلاشبہ ثابت ہے۔

(الف) قرآن مجید سے توسل کا ثبوت:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ

(۳۹):قال العلامة خليل احمد السهارنفوری نور الله مرقده:عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل فی الدعوات بالأنبياء و الصالحين من الأولياء و الشهداء و الصديقين فی حيٰوتهم وبعد وفاتهم بان يقول فی دعائه اللّٰهمّ انی اتوسل اليک بفلان ان تجيب دعوتی وتقضی حاجتی الی غيرذلک.الخ. (المهند علی المفند،ص:۳۵، ط: قديمی کتب خانه)

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۴۰)اھ.(پ ا :
سورۃ بقرہ)

اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو ان کے پاس ہے اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر۔اھ **یستفتحون** کا مصدر "استفتاح" ہے اس کے ایک معنی ہیں۔"مدد طلب کرنا"۔

علامہ شوکانیؒ تفسیر فتح القدیر:ص ۹۵، ج:ا میں لکھتے ہیں:

والاستفتاح الاستنصار (۴۱)اھ.

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

نزلت في بني قريظة والنضير كانوا يستفتحون على الاوس والخزرج برسول الله ﷺ قبل بعثه قاله ابن عباس وقتادة اھ.(تفسير روح المعاني: ص ۳۲۰، ج۱)

یعنی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل کتاب میں بنی قریظہ اور بنی نضیر اپنے فریق قبائل اوس وخزرج پر فتح طلب کرنے میں آنحضرت ﷺ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے(۴۲)۔

---

(۴۰):(سورة البقرة: ۸۹)

(۴۱):**في الجامع لأحكام القرآن: ﴿وكانوا من قبل يستفتحون﴾ أي: يستنصرون. والاستفتاح الاستنصار. استفتحت: استنصرت. وفي الحديث: كان النبي ﷺ يستفتح بصعاليك المهاجرين، أي: يستنصر بدعائهم وصلاتهم.**
(الجامع لأحكام القرآن، سورة البقرة، الآية: ۸۹، ج: ۲، ص: ۲۴۸، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۴۲):**وأخرج أبو نعيم في الدلائل من طريق عطاء، والضحاك، عن ابن**

اللّٰهم انا نسئلک بحق نبیک الذی وعدتنا ان تبعثه فی اٰخر الزمان ان تنصرنا الیوم علی عدونا فینصرون اهـ
(حواله بالا)

یعنی اے اللہ ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں اس آخر الزمان نبیؐ کے طفیل جس کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے یہ کہ ہمارے دشمن پر آج ہمیں مدد عطا فرما، وہ مدد دیئے جاتے۔ (یعنی ان کی دعا قبول ہوتی اور غالب آجاتے)۔

عباسؓ قال: كانت يهود بني قريظة والنضير من قبل أن يبعث محمدﷺ يستفتحون يدعون الله على الذين كفروا، ويقولون: اللّٰهم انا نستنصرک بحق النبي الامي الا نصرتنا عليهم. فينصرون، ﴿فلما جاء هم ما عرفوا كفروا به﴾ يريد محمداً، ولم يشكوا فيه، كفروا به. (الدر المنثور في التفسير بالمأثور، سورة البقرة، الآية: ٨٩، ج: ١، ص: ٤٦٦)

وفي تفسير ابن كثير: وقال محمد بن اسحاق: أخبرني محمد بن أبي محمد، أخبرني عكرمة أو سعيد بن جبير، عن ابن عباسؓ: أن يهود كانوا يستفتحون على الأوس والخزرج برسول اللهﷺ قبل مبعثه. فلما بعثه الله من العرب كفروا به، وجحدوا ما كانوا يقولون فيه. فقال لهم معاذ بن جبلؓ، وبشرؓ بن البراء بن معرور، أخو بني سلمة: يامعشر يهود، اتقوا الله وأسلموا، فقد كنتم تستفتحون علينا بمحمدﷺ ونحن أهل شرک، وتخبروننا بأنه مبعوث، وتصفونه لنا بصفته. فقال سلام بن مشكم أخو بني النضير: ما جاء نا بشيء نعرفه، وما هو بالذي كنا نذكر لكم فأنزل الله في ذلک من قولهم: ﴿ولما جاء هم كتاب من عندالله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلما جاء هم ما عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكافرين﴾. (تفسير ابن كثير، سورة البقرة، الآية: ٨٩، ج: ١، ص: ٣٢٦، ط، دار طيبة)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں:

قرآن کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوتے، تو خدا سے دعا مانگتے کہ ہم کو نبی آخر الزماں ﷺ اور ان پر جو کتاب نازل ہوگئی، ان کے طفیل کافروں پر غلبہ عطا فرما (۴۳)۔ اھ

دیکھئے جب نبی کریم ﷺ اس عالم دنیا میں تشریف فرما نہ ہوئے تھے، اس وقت بھی اہل کتاب آپ کے وسیلہ سے دعا کر کے فتح یاب ہوتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کر کے قرآن مجید میں اس قسم کے توسل کی کہیں تردید نہیں فرمائی۔ پھر اس کے جواز میں کیا شبہ کی گنجائش کسی کو ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

(ب) حدیث شریف سے توسل کا ثبوت:

(۱) عن عثمان بن حنیف رضی اللّٰہ عنہ ان رجلا ضریر البصر اتی النبی صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم قال ادع لی ان یعافینی (الی قولہ) اللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ . اھ قال ابو اسحٰق ھذا حدیث صحیح.

(ابن ماجہ ص ۱۰۰) (۴۴).

''ترجمہ اور فوائد'' نشر الطیب مصنفہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کئے جاتے ہیں۔

---

(۴۳): (تفسیر عثمانی، سورۃ البقرۃ، الآیۃ: ۸۹، ج: ۱، ص: ۹۵، ط، دار الاشاعت کراچی)

(۴۴): (جامع الترمذی، الدعوات، باب بلا ترجمۃ، ص: ۸۱۶، رقم: ۳۵۷۸، ط: دار السلام ریاض / صحیح ابن خزیمۃ، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الترغیب والترھیب، ج: ۲، ص: ۱۵۱، ۱۵۲، رقم: ۱۲۹۴، ط: دار التاصیل)

سنن ابن ماجہ میں باب صلوۃ الحاجۃ میں عثمان بن حنیفؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص نابینا، نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، کہ دعاء کیجئے اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو چاہے تو اس کو ملتوی رکھوں اور یہ زیادہ بہتر ہے، اور اگر تو چاہے تو دعا کردوں۔ اس نے عرض کیا کہ دعا ہی کردیجئے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرلے اور اچھی طرح وضو کرلے۔ اور دو رکعت پڑھے اور یہ دعاء کرے کہ اے اللہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں. بوسیلہ محمد علیہ السلام نبی رحمت کے۔ اے محمدؐ میں آپ کے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔ تاکہ وہ پوری ہوجائے، اے اللہ آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے۔

(ف) اس سے توسل صراحۃً ثابت ہوا۔ اور چونکہ آپ کا اس کے لئے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعاء کا جائز ہے اسی طرح دعاء میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔ اھ (نشر الطیب، ص ۲۴۸)

انجاح الحاجة (حاشیہ ابن ماجۃ) میں ہے کہ اس حدیث کو نسائی اور ترمذی نے کتاب الدعوات میں نقل کیا ہے۔ اور ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ اور بیہقی نے تصحیح کی ہے اور اتنا زیادہ کہا ہے کہ وہ کھڑا ہوگیا اور بینا ہوگیا، اھ (حوالہ بالا)

۲: دوسری روایت۔ انجاح الحاجۃ میں بعد تصحیح حدیث مذکور کے کہا ہے کہ طبرانی نے کبیر میں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سابق الذکر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کام کو جایا کرتا۔ اور وہ اس کی طرف التفات نہ فرماتے۔ اس نے عثمان بن حنیفؓ سے کہا۔ انہوں نے فرمایا کہ تو وضو کرکے مسجد میں جا، اور وہی دعاء اوپر والی سکھلا کر کہا، کہ یہ دعاء پڑھ، چنانچہ اس نے یہی کیا اور حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ کے پاس جو پھر گیا، تو انہوں نے بڑی تعظیم وتکریم کی اور کام پورا کردیا (۴۵)۔

(ف) اس سے توسل ذات سے بعد الوفات بھی ثابت ہوا۔ اھ

۳: عن امية بن خالد بن عبدالله بن اسيد عن النبي صلى الله عليه وسلم انه كان يستفتح بصعاليك المهاجرين رواه في شرح السنة (مشكوة: ص ۴۴۹)۔

ترجمہ: امیہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح کی دعا کیا کرتے تھے بتوسل فقراء مہاجرین کے۔ روایت کیا اس کو شرح السنۃ میں۔

(ف) عادت توسل اہل طریق میں مقبولان الٰہی کے توسل سے دعاء کرنا بکثرت شائع ہے اور حدیث سے اس کا ثبات ہوتا ہے۔ اور شجرہ پڑھنا جو اہل سلسلہ کے یہاں معمول ہے اس کی بھی وہی حقیقت اور غرض

---

(۴۵): **في انجاح الحاجة: قوله: اللّٰهم اني اسالك الخ هذا الحديث أخرج النسائي والترمذي في الدعوات مع اختلاف يسير وقال الترمذي حسن صحيح وصححه البيهقي وزاد فقام وقد ابصر وفي رواية ففعل الرجل فبرئ ذكر شيخنا عابد السندي في رسالته والحديث يدل على جواز التوسل والاستشفاع بذاته المكرم في حياته واما بعد مماته فقد روى الطبراني في الكبير عن عثمان بن حنيف المقدم ان رجلا كان يختلف الى عثمان بن عفانؓ في حاجة له فكان لايلتفت اليه ولاينظر في حاجته فلقي ابن حنيف فشكى اليه ذلك فقال له ابن حنيف ائت الميضاة فتوضا ثم ائت المسجد فصل ركعتين ثم قل اللّٰهم اني اسالك واتوجه اليك بنبينا محمد صلى الله عليه وسلم نبي الرحمة يا محمد اني اتوجه اليك الى ربك فتقضي حاجتي وتذكر حاجتك فانطلق الرجل فصنع ما قال ثم اتى باب عثمان فجاء البواب حتى اخذه بيده فادخله على عثمان فاجلسه مع على الطنفة فقال حاجتك فذكر حاجته فقضاها له... الخ.** (انجاح الحاجة شرح سنن ابن ماجة، باب ماجاء في صلاة الحاجة، ص: ۹۸، ط، قديمي كتب خانه كراچي)

ہے۔ (التکشف: ص۴۴۶)

۴: **عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال ابغونی فی ضعفائکم فانما ترزقون وتنصرون بضعفائکم رواہ ابو داؤد (مشکوۃ: ص ۴۳۹)۔**

ترجمہ: حضرت ابو الدرداءؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ مجھ کو (قیامت میں) غرباء میں ڈھونڈنا۔ کیونکہ (غرباء کی ایسی فضیلت ہے کہ) تم کو روزی اور دشمنوں پر غلبہ غرباء ہی کے طفیل سے میسر ہوتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔ اھ (التکشف: ص۴۴۶)

(ف) نمبر۳ اور نمبر۴ والی حدیثوں سے ثابت ہوا کہ مقبولان الٰہی کی ذوات سے بھی توسل جائز ہے۔

۵: **عن مصعب بن سعد عن ابیه انه ظن ان له فضلا علی من دونه من اصحاب النبی ﷺ فقال النبی ﷺ انما نصر اللّٰہ ھذه الامة بضعفائها و دعوتهم و اخلاصهم رواہ النسائی وهو عند البخاری بلفظ هل تنصرون و ترزقون الا بضعفائکم . اھ۔**

ترجمہ: حضرت سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھے خیال آیا دوسرے صحابہؓ پر مجھے فضیلت ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد فرماتے ہیں۔ اس کے کمزور بندوں اور ان کی دعاؤں واخلاص کے طفیل، روایت کیا اس کو نسائی نے، صحیح بخاری کی روایت میں ہے، تم کو نصرت اور رزق دیا جاتا ہے کمزوروں کے طفیل۔

(ف) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی ذات اور اعمال واخلاص کے وسیلہ سے دعا مانگنا جائز ہے۔

جمہور اہلسنت والجماعت حنفیہ شافعیہ وغیرہما کے نزدیک بزرگوں کی ذوات واعمال سے توسل کرنا جائز ہے

امام شافعیؒ سے توسّل کا ثبوت:

ابوبکر بن خطیب بن علی میمون سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے سنا کہ، میں امام ابوحنیفہؒ کے وسیلہ سے برکت حاصل کرتا ہوں۔ ہر روز ان کی قبر پر زیارت کے لئے حاضر ہوتا ہوں اور اس کے قریب اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کی دعا کرتا ہوں۔ اس کے بعد جلد میری مراد پوری ہوجاتی ہے۔ (تاریخ خطیب: ص۱۲۳، ج۱)

علامہ شامی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ردالمحتار ص ۳۹ ج ا میں ذکر کیا ہے (۴۶)۔

علامہ سمہودیؒ اور علامہ سبکیؒ سے توسل کا ثبوت:

قلت كيف لايستشفع ولا يتوسل بمن له هذا المقام والجاه عند مولاه بل يجوز التوسل بسائر الصالحين كما قاله السبكي. اهـ. (وفاء الوفاء: ص ۴۱۹، ج ۲)

یعنی نبی ﷺ کے عند اللہ جاہ وعلوّ مقام پر نظر کرتے ہوئے آپ کو شفیع بنانا اور آپ کو وسیلہ بنانا تو بھلا کیسے جائز نہ ہوگا، بلکہ آپ تو آپ ہی میں، تمام صالحین کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ اھ

شاہ محمد اسحٰق دہلوی سے توسل کا ثبوت:

---

(۴۶): في الشامية: فقد نقل العلماء ثناء الأئمة الثلاثة على أبي حنيفة وتأديبهم معه، ولاسيما الامام الشافعي رضي الله عنه.....و مما روى من تأدبه معه انه قال: انى لأتبرك بأبي حنيفة وأجيء الى قبره، فاذا عرضت لى حاجة صليت ركعتين و سألت الله تعالىٰ عند قبر فتقضى سريعاً. (ردالمحتار على الدرالمختار، مقدمة، ج: ا، ص: ۱۴۹، ط، دار عالم الكتب، رياض)

دعاء بایں طور ''کہ الٰہی بحرمت نبی وولی حاجت مراروا کن''، جائز است۔ (مائۃ مسائل: ص ۲۱)۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے توسل کا ثبوت:

الجواب: چونکہ اب بندہ سے سوال کیا گیا ہے تو مختصر لکھنا ضرور ہوا۔ استغاثہ (توسل) کے تین معنی ہیں۔ ایک یہ کہ حق تعالیٰ سے دعاء کرے کہ بحرمت فلاں میرا کام کردے۔ یہ باتفاق جائز ہے۔ خواہ عندالقبر ہو خواہ دوسری جگہ، اس میں کسی کو کلام نہیں۔

دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے کہے (خدا کا نام چھوڑ کر) تم میرا کام کردو، یہ شرک ہے، خواہ قبر کے پاس کہے خواہ دور کہے اھ۔

تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کردیویں۔

اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوزین سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں۔ اور مانعین سماع موتی منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے، مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔ اسی واسطے ان کو مستثنیٰ کیا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ۹۳، ج ۱) (۴۷)۔

حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے توسل کا ثبوت:

والتفصيل فی المسئلة ان التوسل بالمخلوق له تفاسير ثلثة: الاول دعائه واستغاثته كديدن المشركين وهو حرام اجماعااھ۔

الثانی طلب الدعا منه (الیٰ) ولم يثبت فی الميت بدليل فيختص هذا المعنى بالحی اھ۔

---

(۴۷): (فتاوی رشیدیه، ص: ۱۵۱، ۱۵۲، ط، دار الاشاعت کراچی)

والثالث دعاء الله ببركة هذا المخلوق المقبول وهذا قد جوزه المجهور. اھ (بوادر النوادر: ص ۷۰۸، ج ۲)

ترجمہ: اور اس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ توسل بالمخلوق کی تین تفسیر ہیں۔ ایک مخلوق سے دعا کرنا اور اس سے التجا کرنا، جیسا مشرکین کا طریقہ ہے۔ اور یہ بالاجماع حرام ہے۔ اور دوسری تفسیر یہ کہ مخلوق سے دعا کی درخواست کرنا۔ اور یہ میت میں کسی دلیل سے ثابت نہیں پس یہ صورت زندہ کے ساتھ خاص ہوگی۔ اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اس مقبول مخلوق کی برکت سے۔ اور اس کو جمہور نے جائز رکھا ہے۔

اکابر علماء دیوبند کے متفقہ فتویٰ سے توسل کا ثبوت

السوال الثالث والرابع هل للرجل ان يتوسل فى دعواته بالنبى ﷺ بعد الوفات ام لا؟ ايجوز التوسل عندكم بالسلف الصالحين من الانبياء والصديقين والشهداء واولياء رب العلمين ام لا؟

الجواب: عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل فى الدعوات بالانبياء والصالحين من الاولياء والشهداء والصديقين فى حياتهم وبعد وفاتهم بان يقول فى دعائه اللّٰهم انى اتوسل اليک بفلان ان تجيب دعوتى وتقضى حاجتى الى غير ذلک كما صرح به شيخنا ومولانا محمد اسحق الدهلوى ثم المهاجر المكى بينه فى فتاواه شيخنا ومولانا رشيد احمد گنگوهى رحمة الله عليهما وفى هذا الزمان شائعة مستفيضة بايدى الناس وهذه المسئلة مذكورة على صفحة ۹۳ من الجلد الاول منها فليراجع اليها من شاء.

(المهند علی المفند، ص ۱۲، ۱۳)۔

یہ فتویٰ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری ثم المہاجر المدنی رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا ہے، اس کی تصدیق میں اکابر علماء دیوبند کے (۲۳) دستخط ہیں، بعد ازاں علماء مکہ معظّمہ، علماء مدینہ طیبہ، علماء جامعہ از ہر مصر، علماء دمشق شام کے (۴۷) تصدیقی دستخط ہیں۔ الغرض جواز توسل کا مسئلہ تمام علماء دیوبند کے نزدیک متفق علیہ ہے، کسی ایک کا بھی اس میں اختلاف نہیں۔

۴:۔ مذکورہ بالا تحریرات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پنجاب کے مدعیان علم جو توسل بالذوات یا توسل بالاموات کا مطلقاً انکار کرتے ہیں بلکہ اس کو حرام یا شرک کہتے ہیں وہ ہرگز ہرگز دیوبندی المسلک نہیں۔ بلکہ دیوبندی مسلک کے لئے بدنام کنندہ ہیں۔ واللّٰہ یهدی من یشاء الیٰ صراط مستقم.

تنبیہ: علامہ شوکانیؒ کی ایک عبارت مولوی عبدالعزیز صاحب شجاعبادی نے اپنے رسالہ ’’فاتحۃ الالطاف‘‘ ص۸۲،۸۳ میں نقل کرکے انکار توسل کی تائید میں جو نتیجہ نکالا ہے کہ

> ’’ہاں البتہ مردہ انسان خواہ بڑا ہو یا چھوٹا اس سے ان چار امور (توسل وغیرہ) سے کوئی ایک بھی ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحابؓ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عباسؓ سے توسل دعا کر رہے ہیں۔ اھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ توسل بالدعاء آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اصحاب کبارؓ کے نزدیک تصور نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے حضرت عباسؓ سے توسل کرلیا ہے۔‘‘ (فاتحۃ الالطاف: ص۸۳،۸۴)

یہ بالکل مغالطہ ہے۔ حدیث کا مفہوم سمجھنے سے فہم کے افلاس کا ثمرہ ہے۔ حدیث یہ ہے۔

> عن انسؓ ان عمرؓ بن الخطاب کان اذا قحطوا استسقی بالعباسؓ بن عبد المطلب فقال اللّٰهم انا کنا نتوسل

الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقون (۴۸).

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب قحط ہوتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے دعاء باراں کرتے اور کہتے کہ اے اللہ ہم اپنے پیغمبرؐ کے ذریعے سے آپ کے حضور میں توسل کیا کرتے تھے اور اب اپنی نبی کے چچا کے ذریعے سے آپ کے حضور میں توسل کرتے ہیں۔ سو ہم کو بارش عنایت کیجئے، سو بارش ہو جاتی تھی۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ اھ۔

اس لئے کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود اس توسل سے اول تو اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بلاواسطہ آپ سے توسل کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ آپ کے قرابت حسیہ یا قرابت معنویہ سے تعلق دار کیواسطے سے توسل کیا جائے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں:

اس حدیث سے غیر نبی کیساتھ بھی توسل جائز نکلا جب کہ اس کو نبی سے کوئی تعلق ہو۔ قرابت حسیہ کا یا قرابت معنویہ کا۔ تو توسل بالنبی کی ایک صورت یہ بھی نکلی۔ اور اہل فہم نے کہا ہے کہ اس پر متنبہ کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے توسل کیا۔ نہ اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات کے بعد توسل جائز نہ تھا۔ جب کہ دوسری روایت سے اس کا جواز ثابت ہے۔ اھ (نشر الطیب: ص.۲۵) (۴۸)۔

دوسرے یہ شبہہ ہوسکتا تھا۔ کہ شاید توسل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ آپ کے سواء کسی اور شخص کے ساتھ توسل جائز نہیں۔ اس شبہہ کا ازالہ کرنے کے لئے

(۴۸): (صحیح البخاری، کتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قطحوا، ص: ۱۹۹، رقم: ۱۰۱۰، ط، دار السلام ریاض)

حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے توسل کیا۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ دوسرے صلحاء کے ساتھ بھی توسل جائز ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(ف) مثل حدیث بالا اس سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے۔ اور نبی ﷺ کے ساتھ جو جواز توسل ظاہر تھا، حضرت عمرؓ کو اس قول سے یہ بتلانا تھا کہ غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے۔ تو اس سے بعض کا سمجھنا کہ احیاء واموات کا حکم متفاوت ہے، بلا دلیل ہے۔ اول تو آپ بنص حدیث قبر شریف میں زندہ ہیں۔ دوسرے جو علت جواز کی ہے، جب وہ مشترک ہے تو حکم کیوں مشترک نہ ہوگا۔ اھ

علامہ شوکانیؒ کا بھی یہی مطلب ہے۔ نہ وہ جو شجاعبادی صاحب نے ظاہر کیا حق تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ادب اور محبت کی توفیق عطا فرمائے اور فہم سلیم نصیب فرمائے۔ (خیر الفتاوی، ج:۱، ص:۱۹۱، تا ۱۹۸، ط، مکتبہ امداد ملتان/ فتاوی دار العلوم وقف دیوبند، ج:۱، ص:۲۷۵، ۲۷۶، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی/ فتاوی محمودیہ، ج:۱، ص:۵۷۲، ۵۷۳ / فتاوی عثمانیہ، ج:۱، ص:۱۳۸، ط، العصر اکیڈمی پشاور/ منتخبات نظام الفتاوی، ج:۱، ص:۵۳، ط، ایفا پبلیکیشنز، نئ دہلی/ فتاوی قاسمیہ، ج:۱، ص:۴۵۳، ۴۵۴، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند/ آپ کے مسائل، ج:۱، ص:۸۸، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی/ نجم الفتاوی، ج:۱، ص:۳۴۶، ۳۴۷/ کتاب النوازل، ج:۱، ص:۳۴۹، ۳۵۰، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد الهند/ فتاوی فلاحیہ، ج:۱، ص:۲۲۷، ۲۲۸/ فتاوی دینیہ، ج:۲، ص:۱۲۸ تا ۱۳۰/ فتاوی فریدیہ، ج:۱، ص:۳۴۷، ۳۴۸/ سوال وجواب کتاب وسنت کی روشنی میں، ج:۱، ص:۹۰ تا ۹۳، ط، دار الاشاعت کراچی/ فتاوی رحیمیہ، ج:۱، ص:۱۵۵، ۱۵۸، ط، دار الاشاعت کراچی/ ارشاد المفتین، ج:۱، ص:۲۵۰، ۲۵۲، ط، مکتبہ الحسن/ محقق ومدلل جدید مسائل، ج:۱، ص:۸۶/ چند اہم عصری مسائل، ج:۲، ص:۳۸، ۳۹، ۴۰، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند)



توسل بالذات میں اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک

﴿سوال﴾:

جناب نبی کریم ﷺ ودیگرا کابرامت کے ساتھ دعا میں توسل کرنا جائز ہے یانہیں؟ یعنی حضور ﷺ ودیگر حضرات انبیاء کرام واولیائے کرامؒ کے توسل سے دعا مانگنا قرون ثلاثہ سے ثابت ہے یانہیں اہل سنت والجماعت ودیگرا کابرامت کا اس مسئلے میں کیا مسلک رہا ہے؟

﴿جواب﴾:

توسل بالصالحین کے مسئلے میں اختلاف ہے بعض علماء منع کرتے ہیں لیکن اکثر جواز کے قائل ہیں قائلین بالجواز کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حق تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ وہ فلاں اپنے مقرب ومقبول بندے کی برکت سے یا اپنے عباد مقبولین مقربین کی برکت سے میری دعا قبول فرمائے تو اس میں مضائقہ نہیں ہے (۴۹) اللّٰھم انی اتوجہ الیک نبی

---

(۴۹): قال العلامة خليل احمد السهارنفوى نورالله مرقده: عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل فى الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصديقين فى حيٰوتهم وبعد وفاتهم بان يقول فى دعائه اللّٰهمّ انى اتوسل اليک بفلان ان تجيب دعوتى وتقضى حاجتى الى غيرذلک.الخ. (المهند على المفند، ص:۳۵، ط، قديمى كتب خانه)

وفى شفاء السقام: اعلم أنه يجوز ويحسن التوسل والاستغاثة والتشفع بالنبى ﷺ الى ربه سبحانه وتعالىٰ وجواز ذٰلک وحسنه من الأمور المعلومة لكل ذى دين والمعروفة من فعل الأنبياء والمرسلين وسير السلف الصالحين والعلماء والعوام من المسلمين، ولم ينكر أحد ذٰلک من أهل الأديان، ولاسمع به زمن حتى جاء ابن تيمية فتكلم فى ذٰلک. (شفاء السقام فى زيارة خير الانام، الباب الثامن فى التوسل والاستغاثة والتشفع بالنبى ﷺ، ص: ۳۵۷، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

الــرحــمة الــخ حدیث میں موجود مذکور ہے جو جواز کے لئے دلیل ہے(٥٠)۔(کفایۃ المفتی، ج:۲،ص:۸۵،ط،دارالاشاعت کراچی)



حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنانا توسل بالاموات کے لئے مانع نہیں ہے

﴿ســوال﴾:

بوسیلہ نبی یا ولی دعا، طلب اللہ پاک سے کرنا کیسا ہے؟ اور صحابہ کرام کا حضورؐ سے بعد وفات وسیلہ نہ لینا اور بجائے حضورؐ کے حضرت عباسؓ سے وسیلہ لینا باتفاق مسلم ہے، اور فتاویٰ سراجیہ میں اس کو منع کیا ہے۔

﴿الجواب﴾:

حضرات صحابہ کا بعد وصال نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام الی یوم القیام کے حضرت عباسؓ سے استسقاء میں توسل کرنا ہرگز اس امر پر دال نہیں کہ بعد وصال کے حضورؐ سے توسل فی الدعا ممنوع ہوگیا تھا، اگر کسی کو دعویٰ ہے تو دلالۃ النص وعبارۃ النص یا اشارۃ النص واقتضاء النص کے طریق سے کسی طریقہ سے ثابت کرے کہ یہ حدیث اس امر پر کیونکر دال ہے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو خود اس واقعہ میں بھی توسل بسید الرسل ﷺ تھا، کیونکہ حضرت عمرؓ کے

---

(٥٠):عن عثمان بن حنيف، ان رجلا ضرير البصر أتى النبى فقال: ادع الله أن يعافيني، قال: ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خيرلک، قال فادعه، قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه ويدعو بهذا الدعاء: اللّٰهم انى أسئلک وأتوجه اليک بنبيک محمد نبى الرحمة، انى توجهت بک الى ربى فى حاجتى لتقضى لى، اللّٰهم فشفعه فى. وفى العرف الشذى تحت هذا الحديث: استدل القائلون بالتوسل بالصالحين بحديث الباب. (العرف الشذى شرح سنن الترمذى، الدعوات، باب بلا ترجمة، ج: ٤، ص: ٤٢٦، رقم: ٣٥٧٨، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

الفاظ یہ ہیں اللّٰھم انا نتوسل الیک بعمّ نبیّک وصنو ابیه (۵۱)، یہاں بھی درحقیقت حضورؐ ہی سے توسل تھا، حضرت عباسؓ کو اس توسّل بالنبیؐ کی تقویت کے لئے آ گئے کیا تھا۔

دوسرے حدیث توسل آدم علیہ السلام بسیدنا النبی ﷺ صحیح سند سے ثابت ہے مرفوع ہے، قال القسطلانیؒ فی المواهب اللدنیه وقد صح ان رسول اللّٰه ﷺ قال لما اقترف ادم الخطیئة قال یاربّ اسئلک بحق محمدٍ لماغفرت لی الخ (ص ۵۱۵ ج ۲) اور بیہقیؒ نے بھی دلائل النبوۃ میں بسند صحیح اس کو روایت کیا ہے، صرح به السید احمد دحلان فی الدرر السنیة (ص ۷) وقال الشیخ تقی الدین السبکیؒ بعد روایة هذا الحدیث اخرجه الحاکم وقال هذا حدیث حسن صحیح الاسناد ولم یخرجاه کذافی العجالة الجمیلة لبعض مصنفی العصر (ص ۳۳) والمستدرک موجود عندنا فلعلنا نظفر فیه بعد التتبع، پس انبیاء واولیاء کے ساتھ توسل جائز ہے، ہاں استعانۃ جائز نہیں، اور جن لوگوں نے توسل بالانبیاء والاولیاء کو ممنوع کہا ہے، انھوں نے توسل واستعانۃ میں فرق نہیں سمجھا۔ واللہ اعلم (امدادالاحکام، ج:۱، ص:۱۳۳، ۱۳۴، ط، مکتبہ دارالعلوم کراچی)



(۵۱): فی العمدة: فی حدیث أبی صالح: فلما صعد عمر ومعه العباس المنبر، قال: عمر رضی اللّٰه تعالی عنه: اللّٰهم انا توجهنا الیک بعم نبیک وصنوا أبیه فاسقنا الغیث ولاتجعلنا من القانطین، ثم قال: یا أبا الفضل، فقال العباس: اللّٰهم لم ینزل بلاء الا بذنب، ولم یکشف الا بتوبة وقد توجه بی القوم الیک لمکانی من نبیک، وهذه أیدینا الیک بالذنوب، ونواصینا بالتوبة، فاسقنا الغیث، قال: فأرخت السماء شآبیب مثل الجبال حتی أخصبت الأرض وعاش الناس. (عمدة القاری، کتاب الاستسقاء، باب سوأل الامام الاستسقاء اذا قطحوا، ج: ۷، ص: ۴۷، ۴۸، ط، دار الکتب

توسل میں ابن تیمیہؒ کا قول

﴿سوال﴾:

جیسا کہ ہم لوگ اہل سنت والجماعت دعاء کرتے وقت حضور ﷺ کے صدقہ وطفیل سے دعاء کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ امام بن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "الوسیلہ" میں خدا کے صفاتی نام کے سوا وسیلہ کو نا جائز قرار دیا ہے اور دلیل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث جو کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے استسقاء کی دعاء کی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پیش کرتے ہیں اس دلیل سے دعاء کرنا حضور ﷺ کے طفیل سے جائز ہے یا نا جائز؟ ہم نے سنا ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر کسی صاحب نے تنقید کی ہے، وہ کون صاحب ہیں اور کس مسئلہ پر تنقید کی ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

اس طرح دعا کرنا کہ: "یا اللہ! حضرت نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے ہمارا فلاں کام کردے، گناہوں سے بچالے، ہمیں اعمال صالحہ کی توفیق دے" اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک شرعاً درست ہے (۵۲)۔

العلمية بيروت لبنان)

(۵۲):في الشامية: نعم ذكر العلامة المناوي في حديث "اللّٰهم اني أسالک وأتوجه اليک بنبيک نبي الرحمة" عن العز بن عبدالسلام أنه ينبغي كونه مقصورا على النبي ﷺ، وأن لايقسم على الله بغيره، وأن يكون من خصائصه. قال: وقال السبكي: يحسن التوسل بالنبي الى ربه، ولم ينكره أحد من السلف ولا الخلف، الا ابن تيمية فابتدع ما لم يقله قبله اهـ. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع، ج: ۹، ص: ۵۶۹، ط، دار عالم الكتب رياض)

جب کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلہ سے دعا کرنا امام ابن تیمیہ کے نزدیک درست ہے تو اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک براہ راست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے بھی درست ہے، اس مسئلہ پر مستقل رسائل تصنیف کئے گئے ہیں۔

امام بن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی پر ان کے معاصر بن امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے کافی رد کیا ہے(۵۳)، طبقات سبکی میں ایک مستقل رسالہ رد میں ہے علامہ یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''مرآۃ الجنان'' میں معتدد علماء سے سخت تنقید نقل کی ہے، علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''فتاویٰ حدیثیہ'' میں رد بلیغ کیا ہے(۵۴) ذیل ''تذکرۃ الحفاظ'' میں بھی

وفی حاشية الطحطاوی: قد يقال: ''انه لاحق لهم وجوبا على اللّٰه، لكن اللّٰه سبحانه جعل لهم حقا من فضله، أو يراد بالحق الحرمة والعظمة، فيكون فی باب الوسيلة وقد قال تعالى: ﴿وابتغوا اليه الوسيلة﴾ وقد عد من آداب الدعاء التوسل على ما فی الحصن. (حاشية الطحطاوی على الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل فی البيع، ج: ٤، ص: ١٩٩، ط، مكتبة دار المعرفة)

(۵۳):قال العلامة تقی الدين علی بن عبدالكافی السبكی الشافعی رحمه اللّٰه تعالى: اعلم أنه يجوز ويحسن التوسل والاستغاثة والتشفع بالنبی ﷺ الى ربه سبحانه وتعالىٰ وجواز ذٰلک وحسنه من الأمور المعلومة لكل ذی دين والمعروفة من فعل الأنبياء والمرسلين وسير السلف الصالحين والعلماء والعوام من المسلمين، ولم ينكر أحد ذٰلک من أهل الأديان، ولاسمع به زمن حتى جاء ابن تيمية فتكلم فی ذٰلک بكلام يلبس فيه على الضعفاء الأغمار، وابتدع ما لم يسبق اليه فی سائر الأعصار. (شفاء السقام فی زيارة خير الانام، الباب الثامن فی التوسل والاستغاثة والتشفع بالنبی ﷺ، ص: ٣٥٧، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۵۴):فی الفتاوى الحديثية: وسئل نفع اللّٰه بما لفظه: لابن تيمية اعتراض على متأخری الصوفية، وله خوارق فی الفقه والأصول، فما محصل ذٰلک؟

فأجاب بقوله: ابن تيمية عبد خزله اللّٰه وأضله وأعماه وأصمه وأذله،

ردشدید مذکور ہے(۵۵)۔

حضرت عمر رضی للہ تعالیٰ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے دعاء کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ حضور اکرم صلی للہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے دعاء درست نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ حرام قرار دیتے ہیں، اس پر امام سبکی رحمہ للہ تعالیٰ نے رسالہ ''شفاء السقام'' لکھا ہے جس میں اس کو مستحسن اور موجب ثواب قرار دیا ہے(۵۶)، اور بھی بہت

وبذلک صرح الأئمة الذين بينوا فساداً جواله وكذب أقواله، ومن أراد ذلک فعليه بمطالعة كلام المجتهد المتفق على امامته وجلالته وبلوغه مرتبة الاجتهاد أبى الحسن السبكى وولده التاج والشيخ الامام العز بن جماعة وأهل عصرهم.
(الفتاوى الحديثية، مطلب: اعتراض ابن تيمية على متأخرى الصوفية وله خوارق الخ، ص: ١٥٦، ط، قديمى كتب خانه كراچى)

(۵۵):فى ذيل تذكرة الحفاظ للذهبى: وهذا الشيخ الحرانى مع كونه الف فى ابطال الحيل تراه وأتباعه من أكبر المجرئين على تحليل من الأبصاع..... وشواذه فى الفروع من هذا القبيل، ولاتسل عن مفرداته فى المعتقد مما هو آية فى التغليل، ومن هنا اشتبه فى أمر دينه من اشتبه من حذاق النظار ولم يخف عليهم ماوراء الستار وهو يشف عن ذلک الأولى الأبصار..... استرسالاً فى احسان الظن به بالنظر الى مبارئ حاله من غير فحص عن عاقبة أمره ومرماه، وطال الأخذ والرد فى شأنه لما يستوجب الأناة. (ذيل تذكرة الحفاظ،ص: ١٨٧، ١٨٨، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۵٦):فى شفاء السقام: قال القاضى عياض رحمه: زيارة قبره صلى الله عليه وآله وسلم، سنة [من سنن] المسلمين مجمع عليها، وفضيلة مرغب فيها.

وقال القاضى أبو الطيب: ويستحب أن يزور النبى ﷺ بعد أن يحج ويعتمر.

سے مسائل ہیں جن میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ جمہور کے مخالف ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ، ج:۱،ص:۵۸۷تا۵۸۹)



وسیلہ بنانا توسل بالاموات کو مانع نہیں

﴿سوال﴾:

مشکوٰۃ شریف کے باب الاستسقاء میں بعد وفات نبی ﷺ حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنانا مشیر بایں معنی ہے کہ مردوں کا وسیلہ جائز نہیں، پھر جواز کی کیا دلیل ہے؟

﴿الجواب﴾:

مشیر ہونا دلالت کے لئے کافی نہیں، طبرانی نے کبیر اور اوسط میں عثمان بن حنیف کا ایک شخص کو خلاف عثمانیہ میں ایک دعاء سکھلانا جس میں بمحمد نبی الرحمۃ آیا ہے، نقل کیا ہے

وقال المحاملی فی التجرید: ویستحب للحاج اذا فرغ من مكة، أن یزور قبر النبی ﷺ...الخ.

وقال القاضی حسین: اذا فرغ من الحج، فالسنة أن یقف بالملتزم ویدعو، ثم یشرب من ماء زمزم، ثم یأتی المدینة ویزور قبر النبی ﷺ.

وقال الرویانی: یستحب اذا فرغ من حجة أن یزور قبر النبی ﷺ.

ولاحاجة الی تتبع كلام الأصحاب فی ذلک، مع العلم باجماعهم واجماع سائر العلماء علیه.

والحنفیة قالوا: ان زیارة قبر النبی ﷺ من أفضل المندوبات والمستحبات، بل تقرب من درجة الواجبات. (شفاء السقام فی زیارة خیر الانام ﷺ، الباب الرابع، فی نصوص العلماء علی استحباب زیارة قبر سیدنا رسول اللہ ﷺ، وبیان أن ذلک مجمع علیه بین المسلمین، ص: ۲۰۲ تا ۲۰۴، ط، دار الكتب العلمية بیروت لبنان)

کذافی انجاح الحاجۃ (۵۷) یہ صریح ہے جواز میں۔(امداد الفتاوی، ج:۱۲، ص:۲۲، ط، زکریا بک ڈپو الہند)



توسل بالحی والمیت کا جواز اور حدیث توسل بالعباس کا جواب

﴿سوال﴾:

وعن أنس أن عمر بن الخطابؓ كان اذا قحطوا استسقىٰ بالعباس بن عبدالمطلب فقال أللّٰهم انا كان نتوسل اليک بنبينا فتسقينا وانا نتوسل اليک بعم نبينا فاسقنا قال

---

(۵۷):في بانجاح الحاجة: قوله: اللّٰهم انى اسالک الخ هذا الحديث أخرج النسائى والترمذى فى الدعوات مع اختلاف يسير وقال الترمذى حسن صحيح وصححه البيهقى وزاد فقام وقد ابصر وفى رواية ففعل الرجل فيرى ذكر شيخنا عابد السندى فى رسالته والحديث يدل على جواز التوسل والاستشفاع بذاته المكرم في حياته واما بعد مماته فقد روى الطبرانى فى الكبير عن عثمان بن حنيف المقدم ان رجلا كان تختلف الى عثمان بن عفانؓ فى حاجة له فكان لايلتفت اليه ولاينظر فى حاجته فلقى ابن حنيف فشكى اليه ذلک فقال له ابن حنيف ائت الميضاة فتوضا ثم ائت المسجد فصل ركعتين ثم قل اللّٰهم انى اسالک واتوجه اليک بنبينا محمدﷺ نبى الرحمة يا محمد انى اتوجه اليک الى ربک فتقضى حاجتى وتذكر حاجتک فانطلق الرجل فصنع ما قال ثم اتى باب عثمان فجاء البواب جتى اخذه بيده فادخله على عثمان فاجلسه مع على الطنفة فقال حاجتک فذكر حاجته فقضاها له...الخ. (بانجاح الحاجة شرح سنن ابن ماجة، باب ماجاء فى صلاة الحاجة، ص: ۹۸، ط، قديمى كتب خانه كراچى)

فیسقون رواہ البخاری (۵۸).

اس حدیث کے مفہوم میں چند خیالات پیدا ہوتے ہیں۔اول یہ کہ حضرت عمرؓ نے نبی ﷺ کا وسیلہ نہیں کیا۔حضرت عباسؓ کا وسیلہ کیا۔

اس سے شبہ ہوتا ہے کہ وسیلہ موتی جائز ہے یا نہیں۔یا اختلاف علماء ہے۔تواصح کیا ہے۔اگر وسیلہ موتی جائز ہے تو حضرت عمرؓ نے دونوں وسیلے یعنی نبی ﷺ وعباسؓ کا کیوں نہیں کیا۔

یا اس طریقہ سے دعا کرنے میں اور کوئی مطلب ہے براہ کرم خلاصۂ جواب جلد تحریر فرمادیں،اوراس کا اجر اللہ پاک سے پاویں؟

﴿الجواب﴾:

توسل بالحی وبالمیت دونوں جائز ہیں (۵۹) اور یہاں جس نوع کا توسل تھا۔کہ حضرت عباسؓ نے دعا کی۔اوراس دعا کو وسیلہ بنایا یہ حضور ﷺ کے ساتھ اس لئے نہ ہوسکتا تھا کہ حضور ﷺ سے دعا کرنا علم واختیار سے خارج تھا۔پس اس سے مطلق توسل بالمیت کا عدم جواز لازم نہیں آیا۔باقی صحابہؓ سے خود ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ توسل کرنے کی تعلیم فرمائی۔چنانچہ اعمیٰ کا قصہ مشہور ہے (۶۰)۔(امداد الفتاوی، ج:۱۱،ص:۱۱۲،۱۱۳، ط،

---

(۵۸):(صحیح البخاری، کتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قطحوا، ص: ۱۹۹، رقم: ۱۰۱۰ ،ط، دار السلام ریاض)

(۵۹):**قال العلامة خليل احمد السهارنفوی نور الله مرقده:عندناوعند مشائخنا يجوز التوسل فی الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصديقين فی حيٰوتهم وبعد وفاتهم بان يقول فی دعائه اللّٰهمّ انی اتوسل اليک بفلان ان تجيب دعوتی وتقضی حاجتی الی غيرذلک.الخ.** (المهند علی المفند، ص: ۳۵، ط: قدیمی کتب خانه)

(۶۰):**قال الحافظ ابو القاسم الطبرانیؒ: حدثنا طاهر بن عيسى بن قيرس**

زکریا بک ڈپو الہند)



المقری التميمي حدثنا أصبغ بن الفرج حدثنا عبدالله بن وهب عن شبيب بن سعيد المكي عن روح بن القاسم عن أبى جعفر الخطمي المدنى عن أبى أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان ابن حنيف "أن رجلا كان يختلف الى عثمان بن عفان رضي الله عنه في حاجة له فكان عثمان لايلتفت اليه ولاينظر في حاجته، فلقي عثمان بن حنيف فشكا ذلك اليه، فقال له عثمان بن حنيف ائت الميضأة فتوضأ ثم ائت المسجد فصل فيه ركعتين ثم قل اللهم انى أسالك وأتوجه اليك بنبينا محمد صلى الله عليه وآله وسلم نبي الرحمة، يا محمد انى أتوجه بك الى ربك [ربى] جل وعز فيقضى لى حاجتى، وتذكر حاجتك، ورح الى حتى أروح معك. فأنطلق الرجل فصنع ما قال له عثمان ثم أتى باب عثمان فجاء البواب حتى أخذ بيده فأدخله على عثمان ابن عفان فأجلسه معه على الطنفسة وقال حاجتك؟ فذكر حاجته فقضاها له ثم قال له ما ذكرت حاجتك حتى كانت هذه الساعة، وقال ما كانت لك من حاجة فأتنا ثم أن الرجل خرج من عنده فلقى عثمان بن حنيف فقال له جزاك الله خيرا ما كان ينظر فى حاجتى ولايلتفت الى حتى كلمته فى. فقال عثمان بن حنيف والله ما كلمته ولكن شهدت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وأتاه ضرير فشكا عليه ذهاب بصره؟ فقال له النبى صلى الله عليه وآله وسلم أ فتصبر فقال يارسول الله انه ليس لى قائد وقد شق على. فقال له النبى صلى الله عليه وآله وسلم: ائت الميضاة فتوضأ ثم صل ركعتين ثم ادع بهذه الدعوات. قال عثمان بن حنيف: فوالله ما تفرقنا وطال بنا الحديث حتى دخل علينا الرجل كأنه لم يكن به ضرر قط. لم يروه عن روح بن القاسم الا شبيب بن سعيد أبو سعيد المكى وهو ثقة وهو الذى يحدث عنه أحمد [ابن أحمد] بن شبيب عن أبيه عن يونس بن يزيد الأبلى وقد روى هذا الحديث شعبة عن أبى جعفر الخطمى واسمه عمير بن يزيد وهو ثقة تفرد به عثمان بن عمر بن فارس عن شعبة. والحديث صحيح وروى هذا الحديث

مسئلہ توسل پر مباہلہ

﴿سوال﴾:

مباہلہ کے شروط کیا ہیں اور کن صورتوں میں مباہلہ جائز ہے۔کیا مسئلہ توسل پر مباہلہ جائز ہے؟

﴿الجواب﴾:

جومسائل مجتہدین کے درمیان مختلف فیہ ہیں۔ان میں مباہلہ نہیں کرنا چاہئے۔ان میں حق عند اللہ ہمیں نا معلوم ہے۔ ہر ایک کے حق عند اللہ ہونے کا احتمال موجود ہے۔اور چونکہ توسل بالصالحین میں اہل سنت والجماعت کا کوئی اختلاف نہ تھا۔اس اختلاف کا سنگ بنیاد فرقہ سلفیہ (ابن تیمیہ وغیرہ) نے رکھا ہے(٦١)۔لہٰذا اس میں مباہلہ کرنا خلاف قاعدہ نہ

عون بن عمارة عن روج بن القاسم عن محمد بن المنكدر عن جابر رضى الله عنه وهم فيه عون بن عمارة والصواب حديث شبيب بن سعيد. (المعجم الصغير للطبراني، باب الطاء من اسمه طاهر، ج: ١، ص: ١٨٣، ١٨٤، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ المعجم الكبير للطبراني، ما اسند عثمان بن حنيف، ج: ٩، ص: ١٧، ١٨، رقم: ٨٣١١، ط، مكتبة ابن تيمية القاهرة)

(٦١):في الشامية: نعم ذكر العلامة المناوى فى حديث "اللّٰهم انى أسالك وأتوجه اليك بنبيك نبى الرحمة" عن العز بن عبدالسلام أنه ينبغى كونه مقصورا على النبى ﷺ، وأن لايقسم على الله بغيره، وأن يكون من خصائصه. قال: وقال السبكى: يحسن التوسل بالنبى الى ربه، ولم ينكره أحد من السلف ولا الخلف، الا ابن تيمية فابتدع ما لم يقله قبله اهـ. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل فى البيع، ج: ٩، ص: ٥٦٩، ط، دار عالم الكتب رياض)

وفى شفاء السقام: اعلم أنه يجوز ويحسن التوسل والاستغاثة والتشفع بالنبى ﷺ الى ربه سبحانه وتعالىٰ وجواز ذٰلك وحسنه من الأمور المعلومة لكل

ہوگا۔ البتہ اہل باطل کے ساتھ مباہلہ کرنے کے وقت حق و باطل کی معرفت کا دار و مدار دلائل پر ہوگا نہ کہ ہلاکت وعدم ہلاکت پر۔ وھو الموفق (فتاوی فریدیہ، ج:۱، ص:۲۱۳، ۲۱۴)



زندوں اور مردوں کے توسل سے دعا

﴿سوال﴾:

دعاء میں انبیاء، اولیاء اور سلف صالحین کا وسیلہ کن دلائل سے ثابت ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صریح قول یا آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کو ثابت کریں کہ دعاؤں میں مردوں کا وسیلہ لینا درست معلوم ہو جائے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیش کیا جاتا ہے کہ ایک جگہ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے دعاء مانگی لیکن اس وقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی شخصیت تمام خلائق سے بہتر اور بزرگ تر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کا وسیلہ چھوڑ کر آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ کیوں لیا؟ محض یہ کہنا کافی نہ ہوگا کہ علمائے کا عمل اس پر ہے اور جو اس کے خلاف ہیں وہ شاذ ہیں، مثلاً علامہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ، بلکہ تعامل صحابہ اور ارشاد رسول سے اس کا ثبوت ضروری ہے۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

”عن عثمان بن حنیف رضی اللّٰہ تعالی عنہ ان رجلاً

ذی دین والمعروفة من فعل الأنبياء والمرسلين وسير السلف الصالحين والعلماء والعوام من المسلمين، ولم ينكر أحد ذلك من أهل الأديان، ولاسمع به زمن حتى جاء ابن تيمية فتكلم في ذلك. (شفاء السقام في زيارة خير الانام، الباب الثامن في التوسل والاستغاثة والتشفع بالنبي ﷺ، ص: ٣٥٧، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

ضرير البصر أتى النبى ﷺ فقال: ادع الله أن يعافينى، فقال: ”ان شئت دعوت، وان شئت صبرت فهو خير لک“ قال: فادعه قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه، ويدعو بهذا الدعاء: أللّٰهم انى أسألک، وأتوجه اليک بنبيک محمد، نبى الرحمة، انى توجهت بک انى ربى فى حاجتى هذه“، لتقضى لى، أللّٰهم فتشفعه فى“. ترمذی شريف ۲/۱۹۷.

اس کے بعد وہ نابینا صحیح البصر ہوگئے، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے اور بیہقی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے، طبرانی نے اس کو عمدہ سند کے ساتھ لکھا ہے (۶۲)

(۶۲):عن عثمان بن حنيف، ان رجلا ضرير البصر أتى النبى فقال: ادع الله أن يعافينى، قال: ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خيرلک، قال فادعه، قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه ويدعو بهذا الدعاء: اللّٰهم انى أسئلک وأتوجه اليک بنبيک محمد نبى الرحمة، انى توجهت بک الى ربى فى حاجتى لتقضى لى، اللّٰهم فشفعه فى. قال ابو عيسٰى هٰذا حديث حسن صحيح غريب لانعرفه الا من هذا الوجه من حديث أبى جعفر وهو غير الخطمى وعثمان بن حنيف هو أخو سهل بن حنيف. (جامع الترمذى، الدعوات، باب بلا ترجمة، ص: ۸۱٦، رقم: ۳۵۷۸، ط، دار السلام رياض/ صحيح ابن خزيمة، كتاب الصلاة، باب صلاة الترغيب والترهيب، ج: ۲، ص: ۱۵۱، ۱۵۲، رقم: ۱۲۹٤، ط، دار التاصيل)

وفى بانجاح الحاجة: قوله: اللّٰهم انى اسالک الخ هذا الحديث أخرج النسائى والترمذى فى الدعوات مع اختلاف يسير وقال الترمذى حسن صحيح وصححه البيهقى وزاد فقام وقد ابصر وفى رواية ففعل الرجل فيرى ذكر شيخنا عابد السندى فى رسالته والحديث يدل على جواز التوسل والاستشفاع بذاته المكرم فى حياته واما بعد مماته فقد روى الطبرانى فى الكبير..الخ. (بانجاح الحاجة شرح سنن ابن ماجة، باب ماجاء فى صلاة الحاجة، ص: ۹۸، ط، قديمى كتب خانه

اوراس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:"بحق نبیه و الأنبیاء الذین من قبلی، هکذا فی

کراچی)

وقال الحافظ ابو القاسم الطبرانیؒ: حدثنا طاهر بن عیسی بن قیرس المقری التمیمی حدثنا أصبغ بن الفرج حدثنا عبداللّٰه بن وهب عن شبیب بن سعید المکی عن روح بن القاسم عن أبی جعفر الخطمی المدنی عن أبی أمامة بن سهل بن حنیف عن عمه عثمان ابن حنیف "أن رجلا کان یختلف الی عثمان بن عفان رضی اللّٰه عنه فی حاجة له فکان عثمان لایلتفت الیه ولاینظر فی حاجته، فلقی عثمان بن حنیف فشکا ذلک الیه، فقال له عثمان بن حنیف ائت المیضأة فتوضأ ثم ائت المسجد فصل فیه رکعتین ثم قل اللّٰهم انی أسالک وأتوجه الیک بنبینا محمد صلی اللّٰه علیه وآله وسلم نبی الرحمة، یا محمد انی أتوجه بک الی ربک [ربی] جل وعز فیقضی لی حاجتی، وتذکر حاجتک، ورح الی حتی أروح معک. فأنطلق الرجل فصنع ما قال له عثمان ثم أتی باب عثمان فجاء البواب حتی أخذ بیده فأدخله علی عثمانؓ ابن عفان فأجلسه معه علی الطنفسة وقال حاجتک؟ فذکر حاجته فقضاها له ثم قال له ما ذکرت حاجتک حتی کانت هذه الساعة، وقال ما کانت لک من حاجة فأتنا ثم أن الرجل خرج من عنده فلقی عثمان بن حنیف فقال له جزاک اللّٰه خیرا ما کان ینظر فی حاجتی ولایلتفت الی حتی کلمته فی. فقال عثمان بن حنیف واللّٰه ما کلمته ولکن شهدت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم وأتاه ضریر فشکا علیه ذهاب بصره؟ فقال له النبی صلی اللّٰه علیه وآله وسلم أ فتصبر فقال یارسول اللّٰه انه لیس لی قائد وقد شق علی. فقال له النبی صلی اللّٰه علیه وآله وسلم: ائت المیضاة فتوضأ ثم صل رکعتین ثم ادع بهذه الدعوات. قال عثمان بن حنیف: فواللّٰه ما تفرقنا وطال بنا الحدیث حتی دخل علینا الرجل کأنه لم یکن به ضرر قط. لم یروه عن روح بن القاسم الا شبیب بن سعید أبو سعید المکی وهو ثقة وهو الذی یحدث عنه أحمد [ابن أحمد] بن شبیب عن أبیه عن یونس بن یزید الأبلی وقد روی هذا الحدیث شعبة عن أبی جعفر الخطمی واسمه عمیر بن یزید وهو ثقة تفرد به

الأصل، والظاهر من قبله". حاکم نے اس روایت کو صحیح بتایا ہے(۶۳)۔

ابن حجر مکی علامہ زرقانی علامہ خلیل (۶۴) علامہ قسطلانی قاضی عیاض سب نے ہی اپنی اپنی کتابوں میں توسل کی اجازت دی ہے اوراس کو جمہور سلف صالحین کا مسلک قرار دیا ہے، شیخ **المحققین** علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فتح القدیر۲/ ۳۳۷ میں لکھتے ہیں:

عثمان بن عمر بن فارس عن شعبة. والحديث صحيح وروى هذا الحديث عون بن عمارة عن روح بن القاسم عن محمد بن المنكدر عن جابر رضى الله عنه وهم فيه عون بن عمارة والصواب حديث شبيب بن سعيد. (المعجم الصغير للطبراني، باب الطاء من اسمه طاهر، ج: ۱، ص: ۱۸۳، ۱۸۴، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ المعجم الكبير للطبراني، ما اسند عثمان بن حنيف، ج: ۹، ص: ۱۷، ۱۸، رقم: ۸۳۱۱، ط، مكتبة ابن تيمية القاهرة)

(۶۳):قال الحافظ أبو عبدالله الحاكم: حدثنا أبو العباس محمد بن يعقوب، ثنا العباس بن محمد الدورى، ثنا عثمان بن عمر، ثنا شعبة، عن أبى جعفر المدينى قال: سمعت عمارة بن خزيمة يحدث، عن عثمان بن حنيف أن رجلا ضريراً اتى النبى ﷺ فقال:.....الخ.

وقال الحاكم هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه. وقال الذهبى فى التلخيص: على شرطهما. (المستدرك على الصحيحين، كتاب صلاة التطوع، ج: ۱، ص: ۴۵۸، رقم: ۱۱۸۰، كتاب الدعاء والتكبير والتهليل والتسبيح والذكر، ص: ۷۰۰، ۷۰۱، رقم: ۱۹۰۹، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۶۴):قال العلامة خليل احمد السهارنفوى نور الله مرقده:عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل فى الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصديقين فى حيٰوتهم وبعد وفاتهم بان يقول فى دعائه اللّٰهمّ انى اتوسل اليك بفلان ان تجيب دعوتى وتقضى حاجتى الى غيرذلك.الخ. (المهند على المفند،ص:۳۵،ط،قديمى كتب خانه)

”ویسال اللہ حاجتہ متوسلا الی اللہ تعالی بحضرۃ نبیہ ﷺ“(٦٥). فقط واللہ سبحانہ تعالی اعلم. (فتاوی محمودیہ، ج:۱،ص:۵۸۱تا۵۸۳)



کسی کے وسیلہ سے دعا کرنے اور غیر اللہ سے مانگنے کی شرعی حیثیت

﴿سوال﴾:

فما قولکم رحمکم اللہ. اھل تجدون فی الکتاب والسنۃ والاجماع والقیاس الشرعی وفتاوی علماء دیوبند حجۃ لمن یتوسل بذوات الانبیاء والصلحاء فی دعاء لربہ تبارک وتعالی بلفظ اللّٰھم اقض لی حاجتی فلانہ بحق فلان او ببرکۃ خلوصہ فی الدین او اللّٰھم انی اقسم علیک بحق فلان ان تقضی لی حاجتی. اذ طائفۃ من العلماء الحنفیۃ فی باکستان یفتون بجوازہ فی مجالس الوعظ ودیوبند یحتجون بتصانیف اکابر اھل السنۃ والجماعۃ من اھل دیوبند فی جواھہ کحجۃ اللہ علی العالمین وایۃ من ایت اللہ مولانا محمد قاسم النانوتوی وقطب الاقطاب المؤید بالحق والصواب مولانا رشید احمد گنگوھی وشیخ الاسلام وفخر الایمان مولانا محمود الحسن الدیوبندی والسیف المسلول علی شاتم الرسول حکیم الامت مولانا الشیخ اشرف علی التھانوی الذین یفقد ھذا الزمان الاخیر امثالھم بعد موتھم بلا خلاف، ولعمری ھذا الاحتجاج بعید عن الحق بمراحل وکذب بحت وافتراء من الاختراع علی ھولاء الأکابر

(٦٥):(فتح القدیر لابن الھمام الحنفی، کتاب الحج، المقصد الثالث فی زیارۃ قبر النبی ﷺ، ج: ٣، ص: ١٦٩، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

الذین لم یخلق مثلهم فی البلاد لاطفاء نا رجوع السائلین من متصوفة هذا الزمان. اذ تفسیر التهانویؒ عاریة عن هذا المعنی من الوسیلة قوله تعالی وابتغو الیه الوسیلة (پاره نمبر ٦ مائده وایهم اقرب پاره نبر ١٠)، حیث فسره شیخ العلام والبحر القمقام بقرب اللّٰه تعالیٰ بالطاعة وازدیاد الخیر والصلاح کما فی روح المعانی نمبر ا وعلی تقدیر تسلیم فما الجواب عما فی القاموس الوسیلة والواسلة المنزلة عندالملک والدرجة والقربة و وسل اللّٰه تعالیٰ توسیلا عمل عملا تقرب به الیه کتوسل والواصل والواجب والراغب الی اللّٰه تعالیٰ ٦٤/ج ٤.

٢: وایضاً فما الجواب عن نقد الحکیم الآلوسیؒ حیث قال فی تفسیره ومن الناس من منع التوسل والقسم علی اللّٰه باحد من خلقه مطلقا وهو الذی یرشح به کلام المجد ابن تیمیةؒ ونقله عن الامام ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ وغیرهما من العلماء العلام رضی اللّٰه عنهم واجاب عن حدیث ضریر البصر ما رواه الترمذی بانه علی حذف مضاف ای بدعاء او شفاعة نبیک ففیه جعل الدعاء وسیلة وهو جائز بل مندوب والدلیل علی هذا التقدیر قوله فی اٰخر الحدیث اللّٰهم شفعه لی بل فی اوله ایضاً ما یدل علی ذلک حیث قال النبی ﷺ ادع اللّٰه ان یعافینی وقد انکر تاج السبکیؒ کما هو عادته علی المجد وقال ویحسن التوسل والاستغاثة بالنبی ﷺ ولم ینکر ذلک احد فی السلف والخلف حتی جاء ابن تیمیة فانکر ذلک وعدل عن الصراط المستقیم وابتدع مالم یقله عالم وصار بین الانام مثلة انتهی روح المعانی ج٦ ص ١٢٦.

٣: وایضاً فما الحواب عن نقد الحکیم الالوسیؒ تحت حیث انا نستشفع بک الی اللّٰه تعالیٰ ونتشفع باللّٰه تعالی علیک محاجاً لقوله

ﷺ ان اللّٰہ لایتشفع به علی احد من خلقه فان اللّٰہ تعالی اعظم من ذلک حیث قال ولو کان الاقسام معنی الاستشفاع فلما انکر النبی ﷺ مضمون الجملة الثانیة دون الاولٰی کانه یقول معنی الاستشفاع الاقسام علی اللّٰہ تعالی کما اعتقد هولاء الغلاة الهی بحق فلان اقض لی حاجتی فمضمون الجملة الاولی کان احق بالانکار علیه اذ هو محل النزاع وتنکیر النبیﷺ جملة الثانیة کان متروکا لکونها خلاف الحق بلانزاع کما ترک النبی ﷺ تنکرة الجملة الاولی لاستقرار المعنی لاستشفاع طلب الدعاء فیه ﷺ ولیس هو محل النزاع. وایضاً فما الجواب عن نقده رحمه اللّٰہ تعالی علیه تحت حدیث الاستسقاء فی زمن عمرؓ حیث قال فانه لو کان التوسل به علیه الصلاة و السلام بعد انتقاله من هذه الدار لما عدلوا الی غیره. بل کانوا یقولون اللّٰهم انا نتوسل الیک بنبینا فاسقنا وحاشهم ان یعد لواعن التوسل بسید الناس الی التوسل بعمه العباس وهم یجدون اولی مساغ لذلک وقدوالهم هذا مع انهم السابقون الاولون وهم اعلم باللّٰہ تعالی ورسوله ﷺ وحقوق اللّٰہ تعالی وهو له علیه الصلوة والسلام وما یشرع من الدعاء وما لایشرع وهم فی وقت الضرورة و مخمصة یطلبون تفریج الکربات وتیسیر العسیر وانزال الغیث بکل طریق دلیل واضح علی ان المشروع ماسلکوه دون غیره. روح المعانی ج۶ ص ۱۴۶.

۴: وایضا فما الجواب عن نقد الحکیم الالوسیؒ تحت قوله تعالی ایهم اقرب سورة بنی اسرائیل پاره ۱۵ والعمری لم یبق فی التوسل منزعاً فی تحقیقه لکن التوجیه مع هذا متکلف وجوز الحوص والزجاج ان یکون (ایهم اقرب) مبتداء وخیر والحملة فی محل النصب ینظرون ای یفکرون

والمغنی ینظرون ایهم اقرب فیتوسلون به وکان المراد یتوسلون بدعاء والا ففی توسل بالذوات فیه وتعقب ذلک فی البحر بان اضمار الفعل المطلق ومع ذا هو وجه غیر ظاهر روح المعانی ص ۹۹ ج ۱۰

۵: وایضا فما الحواب عما فی روح المعانی فی تفسیره فی انفسکم افلا تبصرون – ای فی ذواتکم آیات اذ لیس فی العالم شیٔ الا وفی ذات الانسان له نظیر یدل مثل دلالته علی ما انفرد به من الهیئات النافعة والمناظر البهیة والترکیبات العجیبة و التمکن من الافعال البدیعة واستنباط الصناع المتنوعة واستجماع الکمالات المختلفة و آیات الانفس اکثر من ان تحصی افلاتبصرون ای الاتنظرون فلا تبصرون بعین البصیرة وهو تعنیف علی ترک النظر فی الایات المراضه والنفسیة و قیل فی آخیر مسائل السلوک التهانوی ج ۴ ص ۱۷۳ – روح المعانی ج ۱۷ ص ۹ – انظروا فیه: این السبیل للمؤمن لاتخاذ الوسیلة بذوات المخلوق فی لمحة من لمحات حیاته حیث عنف المؤمن علی ترک النظر فی الآیات النفسیة کانها فرض من فرائض الاعمال کالصلوة وغیرها من الامور الطاعة فانما وقاعدا اکلا وشاربا فائلا وعادلا وغیره ذالک من الحوائج الانسانیة نبؤنی ای لمحة من لمحات حیات المؤمن بقی لاتخاذه الوسیلة بذوات المخلوق بالدعاء.

۶: وایضا فما الجواب عن قوله تعالی ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون. اذ دخول الجنة مکتوب عنداللّٰه تعالی تفضلا منه جزاء الاعمال الصالحة والوسیلة بالذات مشروط بصتحه باذن اللّٰه تعالی من یشفع عنده الا باذنه فبکمال شرفکم اسرعوا بالجواب فانی انتظر لذلک اشد انتظار اذ هو جزء من اجزاء الدین.

خادم العلماء الدكتور الحافظ ضياء الحسن الانصارى الجنجوهى
ايل ايس ايم ايف اسسٹنٹ

﴿جواب﴾:

اقول وبالله التوفيق انى امهداولا مقدمات عديدة ليمكن فهم الجواب عما سالتهم.

(١) بنوادم كلهم شركاء فى نفس البشرية ومتساوية الاحكام فى الماهية الانسانية والحيوانية فان المنطقيين صرحوا بذلك بان لاتشكيك فى الماهيات والتفاوت بينهم والتفاضل فى مراتبهم انما يكون بحسب الملكات الفاضلة والاعتقادات الحقة والاعمال الحسنة والتوفيقات الالهية فمن بشر يصطفيه الله عزوجل فيجعله بحيث يصير جامعا للكمالات ومكارم الاخلاق ومحاسن الاعمال ويعصمه الله بحيث يصير مجتنبا من الشرك والكفر والرذائل محفوظا من الذنوب والخطايا مصونا من السيئة والزلل وهم فى ذلك على درجات غير متناهية ومن رجل يضله الله فيكون غليظ القلب سيئ الاخلاق والاعمال لايدرى الطاعة من المعصية ولا يميز بين الحق والباطل يهيم فى وادى الضلال ولهم ايضا مراتب لاتحصى فالتفاوت عندالله انما يكون بالاوصاف العارضة للانسانية لامن حيث هى هى.

(٢) الموت منيه للاعمال لا مفسد فان الاعمال الصالحة والعقائد الصحيحة وثمراتها تنتهى وتقرر وتثبت بالموت لا انها تفسد فانها هى الباقيات الصالحات فالرجل بعد الموت ايضا موصوف بالكمالات التى كان موصوفا بها فى الحيوة الدنيا لايحبط عمله بالموت فان الله لا يضيع اجر المحسنين.

(۳) الاعمال الصالحة سواء كانت من نفسه اومن غيره تصلح ان تكون وسيلة الى النجاة ولذا قال النبى ﷺ انا فرطكم على الجوض وانا فرط من لافرط له" و الشفاعة مبنية على هذا الاصل فان الشفيع باعماله الصالحة يتقرب الى الرب تعالى وتقربه بتلك الاعمال يكون ذريعة لقبول الشفاعة فى حق العاصى فكان العاصى استفاد بالاعمال الصالحة للشفيع نجاة لنفسه واستفادة النجاة باعمال الغير هو التوسل باعماله وانت ايها السائل معترف بالتوسل بالاعمال.

فبعد تمهيد تلك المقدمات اقوال ان التوسل بنبى او ولى لايكون من حيث هو انسان وبشر بل من حيث هو موصوف بكمالات النبوة فائز بمراتب الرسالة اخذ باهداب الولاية وصالح العمل. فالتوسل فى الدعاء وان كان بلفظ دال على الذات كما فى اللّٰهم انى اتوسل اليک بفلان لكنه فى الحقيقة يكون باعماله الصالحة فان الناس سواء فى نفس الانسانية والا فما الباعث له على ان يتوسل بالصالح المطيع دون الطالح العاصى فهذا ينادى باعلى نداء ان مقصوده بالتوسل بذات الصالح انما هو التوسل باعماله الصالحة وانت معترف بجوازه وليت شعرى كيف يقول احمد بعدم جواز التوسل بالذوات بعد اقراره جواز التوسل بالاعمال كما عرفت من ان التوسل بالذات من حيث اتصالها بالاعمال لا من حيث نفسها واعماله الصالحة لما كانت باقية بعد موته جاز التوسل مطلقا فى محياه ومماته. وان اكابر العلماء الديوبندية كلهم قائلون بجواز التوسل بالذات فان السيد الشاه محمد اسماعيل الشهيد فى منصب الامامة توسل بالنبى ﷺ ومولانا قطب الجنجوهى فى فتاواه قال بجوازه والشجرة المباركة والسلسلة الطيبة لمولانا الشيخ حسين احمد المدنى

مـدظلـه وحـضـرة شيخ الهند قدس سره الى النبى ﷺ مملوء ة بالتوسل بـمشـائـخهم وهذا هو مسلک العلماء الديو بندية ومشائخهم الشاه ولى اللّٰـه الـمـحدث الدهلوى وابنه الشاء عبد العزيز وحفيده الشاه اسماعيل الشهيـد وغيـرهـم وهـو الـمنقول بالتواتر من صحابة النبى ﷺ والتابعين وتـابـعيهم الى يومنا هذا فان طالعت كلامهم وجدت ذلک كالشمس فى نـصف النهار (٦٦). واللّٰـه اعـلـم مـحـمـود عـفااللّٰه المفتى بمدرسه قاسم العلوم. (فتـاوى مـفتـى مـحـمـودؒ، ج: ١، ص: ١٧٤ تا ١٧٩، ط، اشتياق اے مشتاق پريس لاهور)



(٦٦):قـال الـحـافـظ ابـو الـقاسم الطبرانیؒ: حدثنا طاهر بن عيسى بن قيرس الـمقرى التميمى حدثنا أصبغ بن الفرج حدثنا عبداللّٰه بن وهب عن شبيب بن سعيد المكى عن روح بن القاسم عن أبى جعفر الخطمى المدنى عن أبى أمامة بن سهل بن حنيف عـن عـمه عثمان ابن حنيف ”أن رجلا كان يختلف الى عثمان بن عفان رضى اللّٰـه عـنه فى حاجة له فكان عثمان لايلتفت اليه ولاينظر فى حاجته، فلقى عثمان بن حنيف فشـكـا ذلـک اليـه، فـقـال لـه عثـمان بن حنيف ائت الميضأة فتوضأ ثم ائت الـمسـجـد فـصـل فيـه ركعتين ثم قل اللّٰهم انى أسالک وأتوجه اليک بنبينا محمد صـلـى اللّٰه عليه وآله وسلم نبى الرحمة، يا محمد انى أتوجه بک الى ربک [ربى] جل وعز فيقضى لى حاجتى، وتذكر حاجتک، ورح الى حتى أروج معک. فأنطلق الرجل فصنع ما قال له عثمان ثم أتى باب عثمان فجاء البواب حتى أخذ بيده فأدخله عـلـى عثـمـانؓ ابـن عـفـان فـأجلسه معه على الطنفسة وقال حاجتک؟ فذكر حاجته فـقـضـاهـا لـه ثم قال له ما ذكرت حاجتک حتى كانت هذه الساعة، وقال ما كانت لـک مـن حـاجة فـأتـنـا ثـم أن الـرجل خرج من عنده فلقى عثمان بن حنيف فقال له جـزاک اللّٰـه خيـرا مـا كـان يـنـظـر فى حاجتى ولايلتفت الى حتى كلمته فى. فقال

اللہ کی صفات عالیہ، قرآن کریم اور حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنا؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا دعا مانگتے وقت دعا میں اللہ کو نبی علیہ السلام کا واسطہ یا اللہ کے جلال قرآن وغیرہ کا واسطہ دے کر دعا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

عثمان بن حنيف والله ما كلمته ولكن شهدت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وأتاه ضرير فشكا عليه ذهاب بصره؟ فقال له النبى صلى الله عليه وآله وسلم أ فتصبر فقال يارسول الله انه ليس لى قائد وقد شق على. فقال له النبى صلى الله عليه وآله وسلم: ائت الميضاة فتوضأ ثم صل ركعتين ثم ادع بهذه الدعوات. قال عثمان بن حنيف: فوالله ما تفرقنا وطال بنا الحديث حتى دخل علينا الرجل كأنه لم يكن به ضرر قط. لم يروه عن روح بن القاسم الا شبيب بن سعيد أبو سعيد المكى وهو ثقة وهو الذى يحدث عنه أحمد [ابن أحمد] بن شبيب عن أبيه عن يونس بن يزيد الأبلى وقد روى هذا الحديث شعبة عن أبى جعفر الخطمى واسمه عمير بن يزيد وهو ثقة تفرد به عثمان بن عمر بن فارس عن شعبة. والحديث صحيح وروى هذا الحديث عون بن عمارة عن روح بن القاسم عن محمد بن المنكدر عن جابر رضى الله عنه وهم فيه عون بن عمارة والصواب حديث شبيب بن سعيد. (المعجم الصغير للطبرانى، باب الطاء من اسمه طاهر، ج: ۱، ص: ۱۸۳، ۱۸۴،ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ المعجم الكبير للطبرانى، ما اسند عثمان بن حنيف، ج: ۹، ص: ۱۷، ۱۸، رقم: ۸۳۱۱، ط، مكتبة ابن تيمية القاهرة)

وقال العلامة خليل احمد السهارنفوى نور الله مرقده: عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل فى الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصديقين

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات عالیہ اور قرآن کریم کے واسطے سے دعا کرنے کا حکم خود احادیث شریفہ میں وارد ہے۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اور وسیلے سے بھی دعا کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ دراصل اس رحمت خداوندی کے وسیلے کے مرادف ہے جو اعمال صالحہ کی بدولت پیغمبر علیہ السلام کو حاصل ہے؛ لہٰذا اس میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ﴾ [المائدہ: ۳۵]

اللّٰھم انی اشھدک أنک أنت اللّٰہ لااله الا اللّٰہ الا احد الصمد الذی لم یلد ولم یولد، اللّٰھم آنس وحشتی فی قبری، اللّٰھم ارحمنی بالقرآن العظیم. (الحزب الأعظم ۱۸۵/٤٤)

عن عمر ابن خطاب رضی اللّٰہ عنه قال فی واقعة العباس: اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا وانا

فی حیٰوتھم وبعد وفاتھم بان یقول فی دعائه اللّٰھمّ انی اتوسل الیک بفلان ان تجیب دعوتی وتقضی حاجتی الی غیر ذلک. الخ. (المھند علی المفند، ص:۳۵، ط، قدیمی کتب خانه)

وقال العلامة بدر الدین العینی: وفیه من الفوائد: استحباب الاستشفاع بأھل الخیر و الصلاح و أھل بیت النبوة... الخ. (عمدة القاری ج:۷، ص:٤٨، رقم الحدیث: ۱۰۱۰، ط، دار الکتب العلمیة بیروت، لبنان)

وقال ابن حجر: ویستفاد من قصة العباس استحباب الاستشفاع بأھل الخیر والصلاح وأھل بیت النبوة........ الخ. (فتح الباری، ج:۲، ص:۵۷۷، رقم الحدیث: ۱۰۱۰، ط، مکتبة الملك الفھد الوطنیة، ریاض)

نتوسل الیک بعم نبینا فاستقنا. (صحیح البخاری ۱/۱۳۷)

وفی الباب حدیث عثمان بن حنیف رضی اللّٰہ عنه: (سنن الترمذی أبواب الدعوات/باب دعاء النبی ﷺ وتعوذه فی دبر کل صلاة ۲/ ۱۹۸ رقم: ۳۵۷۸)

عندنا وعند مشائخنا یجوز التوسل فی الدعوات بالأنبیاء والصالحین من الأولیاء والشهداء والصدیقین فی حیاتهم وبعد وفاتهم. (المهند علی المفند ۱۳۱۲

وقال السبکی: یحسن التوسل بالنبی ﷺ الی ربه ولم ینکره أحد من السلف والخلف. (عقائد أهل السنة والجماعة مدلل ۱۷۵-۱۷۶،فتاوی محمودیه ۳/۱۳۲ میرٹھ) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم (کتاب النوازل، ج: ۱، ص: ۳۴۳، ۳۴۴، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد الهند)



دعاؤں میں توسل اور عقیدۂ حیات النبی ﷺ

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عام طور پر لوگ اولیاء اللہ کا وسیلہ لیتے ہیں تو کیا یہ شرک ہے؟ مگر کیا آپ ﷺ کا وسیلہ مانگنا اپنی دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیوں؟ جب کی آپ ﷺ بھی ایک انسان تھے،اور وہ انتقال فرما چکے ہیں؟

﴿الجواب وباللّٰہ التوفیق﴾:

وسیلہ سے دعا مانگنا مطلقا شرک نہیں ہے، وسیلہ کا مطلب طرف اتنا ہے کہ آدمی اللہ

کے کسی مقرب بندے کے اعمال صالحہ کو مقبول سمجھ کر دعا کی قبولیت میں ان کو ذریعہ بنائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اصل میں فیصلہ کرنے والی ذات تو اللہ کی ہے، جس پر نہ کسی کا دباؤ ہے اور نہ زور زبردستی، تاہم اس نے خود مقبول اعمال کی برکت سے اللہ تک وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے اس عمل لئے کو اختیار کیا جا رہا ہے۔ بزرگان دین اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام سے وسیلہ کا مطلب ان کی ذات کا وسیلہ نہیں ہے، بلکہ ان کے مقبول اعمال کا وسیلہ ہے؛ کیوں کہ ان اعمال سے متصف ہیں، اس لئے ان کا نام لے لیا جاتا ہے؛ لہٰذا اولیاء اللہ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ السلام کے وسیلے سے دعا مانگنا جائز ہے؛ البتہ اگر کوئی شخص وسیلہ کا مطلب یہ سمجھے کہ نعوذ باللہ بزرگوں کا نام لیتے ہی اللہ پر قبول کرنا لازم ہو جائے گا، تو ظاہر ہے کہ یہ بالکل ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ ہرگز کسی کے کہنے کا پابند نہیں ہے، وسیلہ کے متعلق حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن عثمان بن ابی حنیف ان رجلا ضریر البصر اتی النبی ﷺ فقال: ادعوا اللّٰہ ان یعافینی، قال: ان شئت دعوت وان شئت صبرت فھو خیر لک، قال: فادعہ، قال: فامرہ ان یتوضا فیحسن وضوء ہ ویدعو بھذہ الدعاء: "اللّٰھم انی أسئلک وأتوجہ الیہ بنبیک محمد بنی الرحمۃ انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھٰذہ لتقضی لی، اللّٰھم فشفعہ فی" ھٰذا حدیث حسن صحیح. (سنن الترمذی ۱۹۸/۲، المعجم الکبیر ۳۱/۹، مسند امام احمد ۱۳۸/٤، مستدرك حاکم ۷۰۱/۱، المعجم الصغیر للطبرانی رقم: ۱۰۳)

وبعد ھٰذا کلہ انا لا أری بأسا فی التوسل الی اللّٰہ تعالیٰ بجاہ النبی ﷺ الی اللّٰہ تعالیٰ حیا ومیتا– الی قولہ– وان التوسل بجاہ غیر النبی ﷺ لا بأس بہ ایضا ان کان

المتوسل بجاهه مما علم ان له جاها عند اللّٰه تعالى كالمقطوع بصلاحه وولايته. (روح المعانی ٤/١٨٤)

اعلم انه يجوز ويحسن التوسل والا ستغاثة والتشفع بالنبی ﷺ الى ربه سبحانه وتعالى وجواز ذٰلک وحسنه من الامور المعلومة لكل ذى دين والمعروفة من فعل الأنبياء والمرسلين وسير السلف الصالحين والعلماء والعوام من المسلمين، ولم ينكر أحد ذٰلک من اهل الاديان، ولاسمع به زمن من الزمان حتى جاء ابن تيمية فتكلم فى ذٰلک. (شفاء السقام ١٣٣، خلاصة الوفاء ٥١)

نبی اکرم ﷺ کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیوی اعتبار سے وفات پاچکے ہیں؛ لیکن اپنی قبر اطہر میں اعلیٰ درجہ کی برزخی حیات کے ساتھ تشریف فرما ہیں، اور قبر میں اس خاص برزخی حیات کا ثبوت اس سے ہوتا ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ’’جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے تو فرشتے مجھ تک پہنچاتے ہیں، اور جو میری قبر پر آ کر درود پڑھتا ہے تو میں خود اسے سن کر جواب دیتا ہوں‘‘۔ اگر آپ کو برزخی حیات حاصل نہ ہوتی تو آپ سن کر کیسے جواب دیتے؟ الغرض آپ کی وفات عنصری ہے، اور حیات برزخی؛ لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن اوس بن اوس رضى اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: فأكثروا على من الصلوٰة فيه فان صلاتكم معروضة على، فقال رجل يارسول اللّٰه ﷺ! وكيف تعرض صلاتنا عليک وقد أرمت؟ قال: يقولون بليت، قال: ان اللّٰه عزوجل قد حرّم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء عليم السلام.

(سنن ابن ماجة ٧٦، سنن ابى داؤد ١/١٥٠، سنن النسائى

١/٢٠٣)

عن أبی الدرداء رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: اکثروا الصلاۃ علی فانہ شھود وتشھدہ الملائکۃ وان أحداً لن یصلی علی الا عرضت علی صلاتہ حتی یفرغ منھا، قال: قلت: وبعد الموت؟ قال: وبعد الموت ان اللّٰہ تعالیٰ حرم علی الأرض أن تأکل أجساد الأبنیاء فنبی اللّٰہ حیی یرزق. (سنن ابن ماجۃ ١١٨) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔ (کتاب النوازل، ج: ١، ص: ٣٤٧، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد الھند)